

اصلاحی مواعظ

جلد چہارم



شیخ سید حسرت علی محمد یوسف ندوی



مکتبہ الہیائی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کانونی مستیر اعجازی: — منکورا حمایت: کیت ہائی کورٹ

اشاعت اول: — نومبر ۲۰۰۲ء

کمپوزنگ: — صدیقی کمپوزرز، ماڈل کالونی کراچی

فون: 0320-4084547, 4504007

ناشر: مکتبہ المدنیہ ضیاء

18- سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن کراچی

برائے رابطہ: جامعہ محمد یوسف رحمت

پرائی ٹمائش، ایم اے جناح روڈ، کراچی

پوسٹ کوڈ: 74400 فون: 7780337

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الطہرین اصفیٰ :

ہمارے حضرت اقدس شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہ پر جلد درجہ
انھا کا غلبہ تھا۔ انہوں نے زندگی بھر اپنے آپ کو مٹایا اور چھپایا، مگر کرمہ قدرت دیکھئے
کہ انہوں نے جس قدر اپنے آپ کو چھپایا اور مٹایا اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنا ہی شہرت و
ناموری کی معراج پر پہنچایا۔ بلاشبہ ”من تواضع لله رفعه الله“ کے مصداق جس نے
بھی اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کی اللہ تعالیٰ نے اسے سربلندی عطا فرمائی۔

یوں تو زندگی بھر حضرت شہیدؒ سے جب بھی آپ کے سوا عطا کی تجویز تہنیت کی بات
کی گئی آپ نے ہمیشہ اس سے انکار فرمایا لیکن آخر میں آپ کے فرزند ارجمند برادر دم
مولانا محمد طیب لدھیانوی صاحب نے اس موضوع پر کام شروع کر دیا تو آپ نے ان کی
دل داری کرتے ہوئے اس پر نہ صرف خاموشی کا اظہار فرمایا بلکہ اصلاحی موعظہ کی جلد اول
کے مسودہ کو از خود اول تا آخر ملاحظہ فرمایا تصحیح فرمائی اور بعض جگہ اضافے بھی فرمائے۔

یہ حضرت کی تواضع اور قناعت کی برکت ہے کہ جب یہ سلسلہ شروع ہوا تو اسے
علماء، طلبہ اور عوام نے خوب خوب پسند فرمایا چنانچہ حضرت کی شہادت کے بعد یکے
بعد دیگرے اس سلسلہ کی دوسری اور تیسری چند منظر عام پر آئی تو اس کی مزید جلدوں
کی طباعت کا مطالبہ شدت سے ہونے لگا۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے برادر مولانا محمد اجماعی صاحب عزیمت و کاشف
 انحراف صاحب جناب مولانا نعیم امجد علی صاحب اور برادر عبد اللطیف جابر صاحب
 کو جن کی شانہ روزگوششوں سے اصلاحی موانعہ کی چوتھی جلد آپ کے ہاتھوں میں
 ہے۔ یہ چند درجہ ذیل موانعہ پر مشتمل ہے:

فضیلت شخصین حضرت عمرؓ کی چھ نصیحتیں حضرت علیؓ شہادت فضائل و مناقب
 دو بڑے بد بخت امت کے خیر کے تین زمانے جہاد میں صحابہ کرامؓ کی مدد و فرشتوں کا
 آنا عقائد میں حق و باطل کا مہر کہ شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی چند احادیث میں اتنی ہونے کا
 حق اصول زندگی یا کاری اور اخلاص عمل کی کبھی شبہ برأت اہمیت و فضیلت
 ۱۲ ذی القعد الاول اور اس کے تقاضے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر حج کی تفصیلات
 مدرسہ کے چار بنیادی اصول الہی کی نعتوں کا استحضار۔

بھگواند! یہ جلد بھی دوسری جلدوں کی طرح بہت ہی مختصر عرصہ میں مرتب ہو کر
 کارمیں کے ہاتھوں میں ہے اور نثر حق و تحقیق کے انتہار سے اس میں بھی وہی مہیا
 برقرار رکھا گیا ہے جو پہلی جلدوں کی ترتیب میں روا رکھا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت شہید کے علوم و معارف کو پیش از پیش شائع کرنے اور
 پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے اور امت کو ان سے نفع اٹھانے کی سعادت نصیب
 فرمائے آمین۔

خاکہ نے حضرت شہیدؒ

(مولانا) سعید احمد جلال پوری

۲۱ رمضان ۱۴۲۳ھ

قہرست موعظ

- ۱..... فضیلت شیخینہ ۲۷
- ۲..... حضرت عمرؓ کی چھ نصیحتیں ۴۹
- ۳..... حضرت علیؓ..... شہادت، فضائل و مناقب ۶۷
- ۴..... دو بڑے بد بخت ۸۹
- ۵..... امت کی خیر کے تعین زمانے ۱۱۱
- ۶..... جہاد میں صحابہؓ کی مدد کو فرشتوں کا آنا ۱۳۱
- ۷..... عقائد میں حق و باطل کا معرکہ ۱۴۱
- ۸..... شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی چند دعائیں ۱۶۹
- ۹..... امتی ہونے کا حق ۲۱۵
- ۱۰..... اصول زندگی ۲۳۹
- ۱۱..... ریا کاری اور اخلاص ۲۴۳
- ۱۲..... عمل کی کیفیت ۲۶۳
- ۱۳..... شبِ برأت..... اہمیت و فضیلت ۲۷۹
- ۱۴..... ۱۳ ربیع الاول اور اس کے تقاضے ۲۹۹
- ۱۵..... حضورؐ کے سفر حج کی تفصیلات ۳۰۵
- ۱۶..... مدرسہ کے چار بنیادی اصول ۳۱۹
- ۱۷..... اللہ کی نعمتوں کا استحضار ۳۳۱

فہرست مضامین

۱

نفسیت شیخین

۲۷	محمد بن حنفیہؒ
۳۲	محمد بن حنفیہؒ کی وجہ تسمیہ
۳۳	سب سے افضل کون ہے؟
۳۳	طریق حدیث
۳۴	اکابر تابعینؒ
۳۴	ابو یوسفؒ خولانیؒ
۳۵	امام زین العابدینؒ
۳۵	حضرت علیؒ کی دعا
۳۵	اس امت سے پہلے شیخ الاسلام
۳۶	حضرت علیؒ کی حضرات شیخینؒ سے عقیدت
۳۷	فرق مراتب
۳۸	اس امت کے افضل
۳۸	حضرت عثمانؓ کا شرف
۳۹	امام ابو حنیفہؒ کی حاضر جوابی
۴۰	بل کوفہ کے دوں میں امام ابو حنیفہؒ کی وجاہت
۴۱	حضرت عثمانؓ کے دشمن کا علاج

- ۴۲ منکرین بناتِ نبوت
- ۴۲ اہل بیتؑ کے دشمن
- ۴۲ حضرت علیؑ کی اولادِ نامت سے غائب
- ۴۳ چچا بھتیجے کا اختلاف
- ۴۳ ہرزمانہ میں مسئلہ امامت پر اختلاف ہوا
- ۴۳ روافض کے ہاں منکر امامت حرامی ہے
- ۴۳ حضرت علیؑ کی حضرت عثمانؓ سے عقیدت
- ۴۳ ترتیب خلافت، ترتیب فضیلت ہے
- ۴۵ دورِ ولایتِ قریب تر
- ۴۵ حضرت علیؑ کو شیخینؓ پر فضیلت دینے والا مغتری ہے
- ۴۶ شیعوں کے ہاں حضرت علیؑ کی پوزیشن

(۲)

حضرت عمرؓ کی چھ نہایتیں

- ۴۹ حضرت عمرؓ کی عظمت
- ۵۱ حضرت عمرؓ کی زبان پر سیکہ
- ۵۲ حضرت عمرؓ کی راست گوئی
- ۵۳ حضرت عمرؓ لوگوں کے مرشد
- ۵۳ اپنی ذات سے غافل نہ ہو
- ۵۳ نفس کی تاویلات کا علاج
- ۵۵ اوقات کی حفاظت
- ۵۷ بدی کے بعد نیکی

۵۸	حضرت عائشہؓ کی خدمت
۵۹	نبیؐ اور برائی کی پہچان
۶۰	دو ہیروں سے انحراف
۶۰	حدیث مسلسل
۶۲	سجادہٴ دوست بنانا
۶۳	کسی سے مشورہ نہ لیں
۶۴	خراب کی تحین و تمیں
۶۵	بیبہ و کا تو اب

۳

حضرت علیؓ..... شہادت، فضائل و مناقب

۶۷	خلافت راشدہ کا تہمہ
۷۰	حضرت عثمانؓ کی حضرت معاویہؓ سے صلہ
۷۳	حضرت علیؓ کا مقام
۷۴	خلافت راشدین کا مروجہ
۷۴	پوری امت کے اولیاء علیؓ رضائی کی شان کا مقابلہ نہیں کر سکتے
۷۶	حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا مولانا
۷۷	حضرت معاویہؓ اور بعد کے دوروں کا موازنہ
۷۸	فتحِ نبیؐ کا تہمہ
۸۰	حضرت علیؓ کو شیخین پر اطمینان
۸۰	انسیات شیخین و حضرت علیؓ
۸۲	حضرت علیؓ کا ترجمہ

۸۲ شیخین کا زہد
۸۲ آنحضرتؐ کا زہد
۸۳ حضرت علیؑ کی شہادت کا دن
۸۳ موت کے لئے اچھے وقت کا ملنا
۸۳ حیات و رفع عیسیٰ علیہ السلام
۸۳ قادیانی و جل
۸۵ حیات و رفع کا عقیدہ قرآن و سنت سے ثابت ہے
۸۵ حیات عیسیٰ علیہ السلام و قرآن
۸۶ ہم نے نہیں، اللہ نے اٹھالیا
۸۶ رفع کی حکمت
۸۷ رفع عیسیٰ کے منکر معراج کے منکر کیوں نہیں؟



دو بڑے بد بخت!

۸۹ حضرت علیؑ کا خطبہ
۹۱ حضرت علیؑ کو اپنی شہادت کی پیشگی اطلاع
۹۲ حضرت علیؑ کی شہادت کی خوشخبری
۹۲ دنیا کا بڑا بد بخت
۹۳ بڑا بد بخت کیوں؟
۹۴ زمانہ نبوت کا بقیہ
۹۴ خلافت علیؑ منہاج نبوت
۹۵ دنیا اندھیر ہو گئی

- ۹۵ خلافت راشدہ کی دو قسمیں
- ۹۵ شہادت عثمان سے خلافت خاصہ کا خاتمہ
- ۹۷ حضرت ابو ہریرہؓ کی تحصیل میں برکت
- ۹۷ برکات نبوت کا خاتمہ
- ۹۸ خارجی اور تکفیر صحابہ
- ۹۸ حرودی خارجی تھے
- ۹۹ حضرت علیؓ کی شہادت کا سبب
- ۱۰۰ حضرت علیؓ کا عدل و احتیاط
- ۱۰۱ حضرت علیؓ کا جانشین کے تقرر سے انکار
- ۱۰۲ غدیر خم میں جانشینی کے تقرر کا قصہ
- ۱۰۲ غدیر خم کیا ہے؟
- ۱۰۳ حضرت علیؓ کو سونی کہنے کی وجہ
- ۱۰۳ لڑائی سے رشتے قطع نہیں ہوتے
- ۱۰۳ حضرت معاویہؓ کا ہرقل کو انتخاب
- ۱۰۴ ہمیں صحابہؓ کے درمیان محاکمہ کی اجازت نہیں
- ۱۰۵ تمنا مسئلہ جنت میں بھی جا کر نہیں نکلیں گے
- ۱۰۵ چھوٹوں کو بڑوں کے معاملہ میں قرین بننے کی اجازت نہیں
- ۱۰۷ صدیق اکبرؓ کی امامت اور علم الہی
- ۱۰۹ ابو بکرؓ ہی نماز پڑھائیں
- ۱۰۹ حضرت عمرؓ کی جانشینی
- ۱۱۰ خلافت عثمانؓ کے لئے چھ آدمیوں کی شوریٰ

امت کی خیر کے تین زمانے

- ۱۱۱ صحابہؓ کے بارے میں خیر کی وصیت
- ۱۱۲ امت میں سب سے بہتر
- ۱۱۳ صحابی کی تعریف
- ۱۱۴ صحابی کی شرائط
- ۱۱۵ نبی، صحابی
- ۱۱۵ چار زندہ نبی
- ۱۱۶ حیات جیسی پر اجتماع امت
- ۱۱۶ انجیل سے افضل صحابی
- ۱۱۷ صحابی کی دوسری شرائط
- ۱۱۷ ایک سوال
- ۱۱۸ ارتداد کے بعد اسلام لانے سے شرف صحابیت کا علم
- ۱۱۹ حدیث اکبر کا معیار
- ۱۱۹ تابعی کی تعریف
- ۱۲۰ نام ابوضیفہ تابعی
- ۱۲۱ امر معروف نہی منکر
- ۱۲۱ امام بخاری کا درجہ
- ۱۲۲ افضل صحابہ
- ۱۲۲ افضل تابعی
- ۱۲۳ سفیان بن عیینہ کی شہادت

- ۱۲۳ محامدین اسلام کی کوشش
- ۱۲۳ ایک لطیفہ
- ۱۲۴ تیج ۳ بعین کی تعریف
- ۱۲۵ خیر اقردن کا عمل حجت ہے
- ۱۲۵ خیر القرون اور غیر شرعی عمل
- ۱۲۶ بلا طلب شہادت
- ۱۲۶ عدل و انصاف کا معیار
- ۱۲۷ سب سے پہلے انصاف کا قتل ہوگا
- ۱۲۷ موجودہ عدالتیں
- ۱۲۸ نیچے سے اوپر تک رشوت
- ۱۲۸ برے دور کی علامت
- ۱۲۹ اہل حق اب بھی باقی ہیں

⑥

- ۱۳۱ جہاد میں صحابہؓ کی مدد کو فرشتوں کا آنا
- ۱۳۲ بدر میں فرشتوں کی تعداد
- ۱۳۳ پانچ ہزار کا وعدہ کس غزوہ کے لئے؟
- ۱۳۴ پہلا وعدہ
- ۱۳۴ دوسرا وعدہ
- ۱۳۴ تیسرا وعدہ
- ۱۳۵ فرشتوں کی مجموعی تعداد
- ۱۳۵ فرشتوں کی آمد کا مقصد

- ۱۳۷ فریاد سے مقصد
- ۱۳۸ سمجھنے کی باتیں
- ۱۳۸ مقررین سے مقررین کی مدد
- ۱۳۹ درودی دے ملے ملے
- ۱۳۹ انبیاء اور امتوں کے ایمان کا فرق
- ۱۳۹ حضرت ابراہیم کا اعتماد علی اللہ

(۷)

عقائد میں حق و باطل کا معرکہ

- ۱۴۱ دنیا مہمان خانہ ہے
- ۱۴۳ سامان سو برس کا
- ۱۴۳ سب کچھ یہاں رہ جائے گا
- ۱۴۵ ہمارا قصور آخرت
- ۱۴۵ آخرت کے یقین کی کمزوری
- ۱۴۵ دنیاوی نفع و نقصان پر یقین
- ۱۴۶ گناہوں کا اثر
- ۱۴۷ یقین و استحضار کی ضرورت
- ۱۴۷ استحضار کی مشق
- ۱۴۷ جینے بغدادی کا استحضار
- ۱۴۸ یقین بڑی دولت ہے
- ۱۴۸ ایک گونہ غفلت بھی نعت
- ۱۴۸ ایمانیاں میں شک کفر ہے

- ۱۳۹ جہالت جدیدہ کی ظلمت
- ۱۵۰ مدعی نبوت سے معجزہ کا مطالبہ
- ۱۵۰ مدعی نبوت کے صدق کذب کے لئے استحارہ بھی کفر ہے
- ۱۵۱ دل کا اندھا پن
- ۱۵۲ دونوروں کی ضرورت ہے
- ۱۵۳ آفتاب نبوت کی شعاعیں
- ۱۵۳ جامع اور نافع غیبت
- ۱۵۳ حق قبول کرہ
- ۱۵۴ قبول حق کا نتیجہ خوشگواہی
- ۱۵۴ باطل کی ظاہری لذت مہلک ہے
- ۱۵۵ حق و باطل کا معرکہ
- ۱۵۵ بیسیوں کو شیطان کی بیٹی
- ۱۵۶ صراط مستقیم
- ۱۵۷ گمراہی کی پگڈنڈیاں
- ۱۵۷ لوگوں کو راستہ مشتبہ ہو گیا
- ۱۵۷ صراط مستقیم کی نشاندہی
- ۵۸ شیطان کے ایذا کردہ راستے
- ۱۵۹ طوفان بد تفسیری
- ۱۵۹ امام احمد کو گمراہ کہنے والے گمراہ ہیں
- ۱۶۰ حزب اللہ اور جماعت المسلمین
- ۱۶۰ اردو خواں مجتہد
- ۱۶۱ گمراہوں کے ہاتھوں میں والا قرآن کیونکر صیغ ہے؟

جیلانی

- ۱۶۲
 ۱۶۳ مجموعہ امت معصوم ہے
 ۱۶۳ سچے کی نقل بھی اور جھوٹے کی جھوٹی
 ۱۶۴ چند صدیاں گزراو
 ۱۶۴ یہود و نصاریٰ اپنے بزرگوں کے نام کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے
 ۱۶۵ ہماری ہر بات کی سند ہے
 ۱۶۵ کسی یہودی اور عیسائی کے پاس سند نہیں
 ۱۶۵ کوئی امت ایسا ریکارڈ پیش کر سکتی ہے
 ۱۶۶ بدعات کی کوئی سند نہیں
 ۱۶۶ مکملشن محمدیؐ سدا بہار ہے
 ۱۶۷ دعا

(۸)

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی چند دعا میں

- ۱۶۹ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے معمولات
 ۱۷۰ قیامت کی پیش
 ۱۷۳ قرب و وصل الہی کی دعا
 ۱۷۴ قبولیت کی درخواست
 ۱۷۵ اہل طاعت سے محبت ہونے کی درخواست
 ۱۷۵ لوگوں کی مختلف حالتیں
 ۱۷۵ عصمت انبیاء کا مفہوم
 ۱۷۶ شہداء اسماعیلؑ شہید اور عصمت انبیاء کا مفہوم

- ۱۷۷ انبیاء سے باوجود طاقت کے معصیت کا صدور محال ہے۔
- ۱۷۸ چالیس ہزار مردوں کے برابر طاقت۔
- ۱۸۰ انبیاء کا مجاہد۔
- ۱۸۰ میں روٹی کھانے والی مگر چار کھائے تو مجاہد ہے۔
- ۱۸۱ تعدد ازواج کی حکمتیں۔
- ۱۸۲ دعوت نبوت کے لئے عورتوں کی ضرورت۔
- ۱۸۳ ہمارے زمانہ کا دستور۔
- ۱۸۴ جدید فیشن نے مرد و عورت کی تیز ہی قسم کر دی۔
- ۱۸۳ ایک مرد کو چار کی اجازت ہے تو نبی کی دعوت کے لئے کتنی ہونی چاہئیں؟
- ۱۸۴ انبیاء کی جتنی قوت ہوتی ہے، حسب بھی اسی طرح کا ہوتا ہے۔
- ۱۸۵ دوسرا محفوظ ہوتے ہیں۔
- ۱۸۶ مؤمن اور منافق میں فرق۔
- ۱۸۷ ہماری بے اعتنائی۔
- ۱۸۷ ہماری غفلت اور شیطاں کی ہوشیاری کی مثال۔
- ۱۸۷ شیطان انسان کے تعاقب میں ہے۔
- ۱۸۸ شیطان کی قسم۔
- ۱۸۹ اہل اللہ کا گناہوں سے بچنے کا اہتمام۔
- ۱۸۹ جب تک اللہ راضی نہ ہو جائے۔
- ۱۹۰ گناہوں کی وکدیل۔
- ۱۹۱ رحمت و مغفرت کا مفہوم۔
- ۱۹۲ رحمت کا دوسرا معنی۔
- ۱۹۳ سلف صالحین کی اتباع۔

- ۱۹۳ دنیا سے نزاہت
- ۱۹۳ دنیا کو مقصد بنانے کے نقصانات
- ۱۹۳ دنیا آخرت کے لئے ہو تو وہ بھی دین ہے، ایک مثال
- ۱۹۵ جائز خرچ پر اجر
- ۱۹۷ مؤمن دنیا دار نہیں ہوتا
- ۱۹۷ دنیا ہمارا مقصد نہ ہو
- ۱۹۸ مسلمان دنیا میں مشغلت میں ہے
- ۱۹۸ آدمی سے خیر پہلے
- ۱۹۸ زندگی کی معاش سے چارہ نہیں
- ۱۹۹ حضرات انبیاء کرام اور شیطان کی تلقین کا فرق
- ۱۹۹ یارگا و الہی کی پیشی کی یاد کی ضرورت
- ۱۹۹ بارات کی تیاری اور آخرت سے غفلت
- ۲۰۰ دنیاوی افسر سے ملاقات کا لباس
- ۲۰۰ ملاقات الہی کا یقین ہے تو اہتمام کیوں نہیں
- ۲۰۱ ملاقات الہی کا دھندلا تصور
- ۲۰۳ شقیں کی پیشی کا نقشہ
- ۲۰۳ مجرمین کی پیشی کا منظر
- ۲۰۳ میدان حشر میں لوگوں کی حالت
- ۲۰۳ قیامت کے دن لوگ ننگے ہوں گے
- ۲۰۳ سب سے پہلے کس کو لباس پہنایا جائے گا
- ۲۰۳ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جزوی فضیلت
- ۲۰۵ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بے ہوش نہ ہونا

- ۲۰۶ جز دی فضیلت
- ۲۰۷ میدانِ مشر میں لوگوں کی مختلف حالتیں
- ۲۰۸ قیامت کے دن کی ہولناکی
- ۲۱۰ نئے راستے نہ ڈھونڈو
- ۲۱۰ اسلاف کی راہ ہی صراطِ مستقیم ہے
- ۲۱۱ دین کا خلاصہ
- ۲۱۱ دولتِ کبریٰ
- ۲۱۲ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا
- ۲۱۲ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا
- ۲۱۳ اس سعادت کی قدر چاہئے

۹

امتی ہونے کا حق

- ۲۱۵
- ۲۱۶ مولانا رشید احمد گوجرانوی عقیدت
- ۲۱۶ اساتذہ کو مبارکباد
- ۲۱۷ چند نصیحتیں
- ۲۱۷ فقرہ بازی میرا حراج نہیں
- ۲۱۷ مسلمانوں پر اللہ کا احسان
- ۲۱۷ اللہ کا کرم
- ۲۱۸ کیا ہم نے امتی ہونے کا حق ادا کیا؟
- ۲۱۸ رفاقتِ نبویؐ کی شرائط
- ۲۲۰ اسلامی وضع قطع

- ۲۲۰ اہل جنت میں مسلمانوں کی تعداد
- ۲۲۱ امت پر آپ کی شفقت
- ۲۲۱ امت کی مالاقتی
- ۲۲۲ نبوت کے رنگ میں صحابہ کرام کا رنگ جانا
- ۲۲۲ صحابی نقل اتارو
- ۲۲۳ قبر کے احوال کو پیش نظر رکھو
- ۲۲۳ قبر میں ہوش ہوگا
- ۲۲۳ قبر کی تیاری
- ۲۲۳ قبر کا خطاب
- ۲۲۳ قبر کی فکر کرو
- ۲۲۵ میدان جبر کا منظر
- ۲۲۶ میدان عرفات میں امت کے لئے دعائیں
- ۲۲۶ مزدلفہ میں دعائیں
- ۲۲۷ تین جگہوں میں سے کسی ایک پر ملاقات

(۱۰)

اصول زندگی

- ۲۲۹ کامل حرمت حالت
- ۲۳۱ ضرورت سے زیادہ تعمیر
- ۲۳۲ پہلی قوموں کا انجام
- ۲۳۳ قوم عاد کا انجام
- ۲۳۳ کیا ہمیں ہمیشہ رہنا ہے؟

- ۲۳۵ پہلے حکیم الامت کی تنقیدیں
- ۲۳۵ ازواج مطہرات سے نقل کی جہ
- ۲۳۵ صحابہ کرام کی معاشی عی
- ۲۳۶ جمعہ کے غسل کی جہ
- ۲۳۶ قدرے وسعت
- ۲۳۶ کاشانہ نبوت کی معیشت
- ۲۳۷ ازواج مطہرات کی درخواست
- ۲۳۷ آپ کا فقر اختیاری تھا
- ۲۳۸ صدیق اکبرؓ اور بیت المال
- ۲۳۸ ایلا کا واقعہ
- ۲۳۸ تاریخ کا مشہور قصہ
- ۲۳۹ حضرت عمرؓ کا وسعت دیکھ کر دونا
- ۲۳۹ آخرت کے بجائے دنیا کو ترجیح دینے والا
- ۲۴۰ دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ
- ۲۴۰ دنیا کی سرسبزی کا نقصان
- ۲۴۱ سب سے بڑی حکمت
- ۲۴۱ اپنی حالت کا جائزہ
- ۲۴۱ ساری دنیا کا جمع ہونا

II

۲۴۳

ریاکاری اور اخلاص

۲۴۵

اجمال کی دو قسمیں

۲۳۵	ظاہری عمل
۲۳۵	ظاہری عمل کا باطن
۲۳۶	پوشیدہ عمل
۲۳۶	باطنی اعضا کا عمل
۲۳۶	کراما کا تین کو خبر نہیں
۲۳۷	ذکر خفی کی نفیست
۲۳۷	دو باتیں
۲۳۸	ظاہری اعمال کے پوشیدہ اعمال
۲۳۹	باطنی اعضا کے اعمال بد
۲۳۹	مردہ بیوی کا تصور
۲۳۹	دل کے اعمال
۲۳۹	لانگہ تمام اعمال کو جانتے ہیں
۲۵۰	ظاہر کی طرح باطن کی اصلاح کی ضرورت ہے
۲۵۱	اللہ سے دھوکا نہیں چتا
۲۵۲	اکبر کا خوف الہی
۲۵۲	فتنہ و فساد کا سبب
۲۵۲	مناہ کا ظاہر و باطن چھوڑ دو
۲۵۳	سرازم کو ظاہر کا لباس
۲۵۳	استحضار الہی کی حکایت
۲۵۴	ریاکاری کا غصہ
۲۵۴	سیاسی جماعتیں اور ریاکاری
۲۵۵	سیاسی اصول

- ۲۵۵ حکمرانوں کی غیرت مرگئی ہے
- ۲۵۵ قوم کی اجتماعی بد عملی
- ۲۵۵ قاضی اور امریکہ کی خوشنودی
- ۲۵۷ قبر خداوندی کی ہیبت میں
- ۲۵۸ انسان کی نیکی اور برائی چہرہ پر لکھ دی جاتی ہے
- ۲۵۸ ظہورِ مدین کی نسبت بھی ریا ہے
- ۲۵۹ بلائیت کدھر ہونے پر خوشی
- ۲۶۰ حقین پر خوشی

(۱۲)

عمل کی کھیتی

- ۲۶۳
- ۲۶۵ رات دن کی گزرگاہ
- ۲۶۷ فرشتوں کی شہادت
- ۲۶۷ اکیسے اور جماعت کی غم، دکا، فرق
- ۲۶۷ ہمارے اعمال کی عمر تھی
- ۲۶۸ زندگی کا چرانا
- ۲۶۹ دنیا آخرت کی کھیتی
- ۲۶۹ مقدر کا راز
- ۲۷۰ روٹی کے لئے دوسرے غرائض کی قربانی
- ۲۷۱ سود کی نیش
- ۲۷۱ اضطرابی سود
- ۲۷۱ اضطراب پر شرف نہیں

- ۲۷۲ متقی سردار
- ۲۷۳ فقہا کا اند ہیں
- ۲۷۴ فقہا کے دشمن
- ۲۷۵ صبح غلط کا معیار
- ۲۷۶ امام ابوحنیفہ کا خواب
- ۲۷۷ خواب کی تعبیر
- ۲۷۸ امام بخاریؒ امام صاحبؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں

(۱۳)

۲۷۹ شبِ برأت فضیلت و اہمیت

- ۲۸۰ عنایت الہی
- ۲۸۱ نیکی زیادہ تو گناہ بھی
- ۲۸۱ ایک کی لاکھ مرغیاں
- ۲۸۲ گناہوں سے بچنا زیادہ ضروری ہے
- ۲۸۳ نیکی کرنا آسان ہے
- ۲۸۴ گناہ کو چھوڑنا مشکل ہے
- ۲۸۵ پٹاٹے اور آتش بازی سنگین جرم ہے
- ۲۸۶ شبِ برأت مانگنے کی رات ہے
- ۲۸۷ مغفرت مانگیے
- ۲۹۱ رزق مانگیے
- ۲۹۶ عافیت مانگیے

بارہ ربیع الاول اور اس کے تقاضے

- ۲۹۹ جلسہ سیرت کے آداب
- ۳۰۰ سیرت طیبہ کو عملاً اپنایا جائے
- ۳۰۱ آپؐ کے کمالات کو اجاگر کیا جائے
- ۳۰۱ سیرت کے جنسوں کو منکرات سے پاک رکھا جائے
- ۳۰۱ جعل اور مصنوعی سوانح نہ دہرائے جائیں
- ۳۰۲ ۱۲ اوقات کو جشن نہ منایا جائے
- ۳۰۳ سفر کا آخری پردہ

حضورؐ کے سفر حج کی تفصیلات

- ۳۰۵ حجتہ الوداع کا سفر
- ۳۰۶ آپؐ کا احرام سے پہلے ازواج مطہرات کے پاس جانا
- ۳۰۸ ازواج مطہرات کو نصیحت
- ۳۰۹ محمد بن ابی بکر کی ولادت
- ۳۰۹ حیض و نفاس والی عورت کا احرام
- ۳۱۰ آپؐ نے تلبیہ کہاں سے شروع کیا؟
- ۳۱۱ حج میں تلبیہ کی کثرت
- ۳۱۲ جابر از رک کا قصہ
- ۳۱۳ خلق کرنا افضل ہے
- ۳۱۳ آپؐ کے بال

۳۱۴	ایک کرل صاحب کا قصہ
۳۱۵	صحابہ کا علوم نبوت میں حرم
۳۱۵	اصحاب صفہ اور تعلیم قرآن کا شوق
۳۱۶	سہ قرآن کی شہادت کا سانحہ
۳۱۷	حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھی کا قصہ
۳۱۷	حضور کے یثا کا قصہ

(۱۶)

درسہ کے چار بنیادی اصول

۳۱۹	پہلا رکن
۳۲۱	دومرا رکن
۳۲۱	تیسرا رکن
۳۲۲	چوتھا رکن
۳۲۳	درسہ کا موضوع
۳۲۶	مدارس کا مقصد
۳۲۷	مدارس کی غرض اسی

(۱۷)

اللہ کی نعمتوں کا استحضار

۳۳۱	تین مضامین
۳۳۲	اگر یہ لوگ برزخ کا شاہدہ کر لیتے
۳۳۸	موت کا ڈر، ایک واقعہ
۳۳۹	قبر کا نقشہ دیکھتے تو مردہ بھول جاتے

- ۳۳۹ مثلیں اور میعادیں۔
- ۳۳۹ ہر آدمی کا پروانہ۔
- ۳۳۹ اپنا سبق دہراتا ہوا۔
- ۳۳۹ حضرت ام حبیبہؓ کی دعا۔
- ۳۴۱ اخصائے الہیہ کا استغفار۔
- ۳۴۱ کان گانے سننے کے لئے نہیں۔
- ۳۴۲ آنکھوں کی نعمت۔
- ۳۴۲ انسان اور جانور کا فرق۔
- ۳۴۳ حکماء کی غلطی۔
- ۳۴۳ دل کی نعمت۔
- ۳۴۳ احسانات الہی اور اعمال کی جزا و سزا۔
- ۳۴۴ لہو و لعل۔
- ۳۴۵ دھوکے کا پردہ۔
- ۳۴۵ موت کے بعد کا نقشہ۔
- ۳۴۶ طویل سفر کا توشہ۔
- ۳۴۶ کھرا عمل۔
- ۳۴۶ بارگاہ الہی کی پیشی۔
- ۳۴۷ عدالت الہی کے صوالہ۔
- ۳۴۸ انسانی اعضا کی گواہی۔
- ۳۴۹ میدانِ حشر کا نقشہ۔
- ۳۵۱ دوزخ کا نقشہ۔

فضیلتِ شیخین

بسم الله الرحمن الرحيم

(الحمد لله رب العالمين) عن عباد (الزبير رضي الله عنه)

«وَأَخْرَجَ ابْنُ أَبِي عاصِمٍ وَإِبْنُ شَاهِينَ
وَاللَّاحِقَانِيُّ فِي السُّنَنِ وَالْأَصْحَابِيُّ فِي الْحُجَّةِ وَإِبْنُ
عَسَاكِرٍ عَنْ غُلَقْمَةَ قَالَ: خَطَبَنَا عَلِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ،
فَحَمَدَ اللَّهَ وَالثَّنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّهُ بَلَّغَنِي أَنَّ رَسُولَ
يُفَضِّلُونِي عَلَى ابْنِ بَكْرِ وَعُمَرَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، وَلَوْ
كُنْتُ تَقَدَّمْتُ فِي ذَلِكَ لَعَاقِبْتُ فِيهِ، وَلَكِنِّي أَكْرَهُ
الْعُقُوبَةَ قَتْلَ التَّقَدُّمِ. فَمَنْ قَالَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ بَعْدَ مَقَامِي
هَذَا فَهُوَ مُفْتَرٍ عَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُفْتَرِي. خَيْرَ النَّاسِ بَعْدَ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ
عَنْهُمَا، ثُمَّ أَخَذْنَا بَعْدَهُمْ أَحَدًا أَنْ يَقْبَضِيَ اللَّهُ فِيهَا مَا يَشَاءُ،
كَذَا فِي الْمُتَنَجِّبِ.

وَجَعَلَ أَبُو نُعَيْمٍ فِي الْحَلِيبَةِ عَنْ زَيْدٍ مِنْ زُهَيْبٍ أَنَّ

سُوَيْدُ بْنُ غَفَلَةَ دَخَلَ عَلَى عَلِيٍّ عَلَيْهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي أَمَارَتِهِ،
فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنِّي مُرَرْتُ بِغَيْرٍ يَذْكُرُونَ أَنَا
نَكْرًا وَعَمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، بِغَيْرِ الَّذِي هُمَا لَهُ أَهْلٌ
فَنَهَضَ فَرَفَى الْمُنْبِرَ، فَقَالَ: وَالَّذِي قَلِقَ الْخَبَةَ وَبَرَأَ
النِّسْمَةَ لَا يَجُهِمَا إِلَّا مُؤْمِنٌ فَاضِلٌ، وَلَا يَبْغُضُهُمَا إِلَّا
شَقِيٌّ قَارِئٌ، فَحُبُّهُمَا قُرْبَةٌ وَبَغْضُهُمَا مُرُوءٌ، مَا بَالُ أَقْرَامٍ
يَذْكُرُونَ أَخَوِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرُزْقِيهِ
وَصَاحِبِيهِ وَسَيِّدِي قُرَيْشٍ وَأَيُّوِي الْمُسْلِمِينَ؟ فَأَنَا بِرِيءٌ
بِمَنْ يَذْكُرُهُمَا بِسُوءٍ وَعَنْهُمَا مُعَاقِبٌ. كَذَبَ فِي
الْمُنْتَحَبِ.

"وَأَخْرَجَ التَّلَاكَاثِي وَأَيُّوِي طَالِبِ الْمَشَارِقِ
وَنَصَرَ فِي الْأُحُدَةِ عَنْ عَلِيٍّ بْنِ حُسَيْنٍ قَالَ: قَالَ قَتِيبُ بْنُ
بَيْنٍ قَاتِبِ لِعَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حِينَ
إِنْصَرَفَ مِنْ صَيْتَيْنِ سَمِعْتَكَ تَخُطُّبُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ
فِي الْجُمُعَةِ تَقُولُ: اأَلَلَّهُمُ احْلِلْنَا بِمَا أَصْلَحَتْ بِهِ
الْحُلَفَاءُ الرَّاشِدِينَ. فَمَنْ هُمْ؟ فَأَعْرَوْزْتُ غِيظًا، ثُمَّ قَالَ
أَبُو بَكْرٍ وَعَمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا إِذَا مَا الْهَدَى. وَخَبِحَا
الْإِسْلَامَ، وَالْمُهْتَدَى بِهِمَا بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ، مِنْ أَتَيْتُهُمَا هَدَى إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ، وَمَنْ
اِقْتَدَى بِهِمَا يَرْمُدُهُ، وَمَنْ تَمَسَّكَ بِهِمَا فَهُوَ مِنْ جَزْبِ
اللَّهِ وَجَزْبِ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ..."

ترجمہ: ... انہی جلی عاصم، ابن شاکین اور لاکائی نے
 مدینہ میں اور صحابی نے نجد میں، اور ابن عباس نے حضرت غفرہ
 رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں
 خطبہ دیا، پس اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ: مجھے یہ بات
 پہنچی ہے کہ کچھ لوگ مجھے فضیلت دیتے ہیں حضرت ابوبکر اور
 حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر، اگر اس سلسلہ میں میں نے پہلے حبیبہ
 کردی ہوتی تو اس معاملہ میں میں ویسے انہوں کو سزا دیتا، لیکن
 آگاہ کرنے سے قبل سزا دینے کو مناسب نہیں سمجھتا، جو شخص اس
 قسم کی کوئی بات میرے اس بیان کے بعد کرے گا، وہ مفتری
 ہے، اور اس کی وہی سزا ہوگی جو مفتری کی سزا ہے۔ پھر فرمایا:
 تمام انسانوں سے بہتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت
 ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں، پھر ہم نے ان کے بعد
 بہت سے کام کئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان میں فیصلہ کرے گا جو یہ ہے
 کرے۔

ابوہم نے حلیہ میں زید بن وہاب سے نقل کیا ہے کہ
 حضرت سوید بن غفلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں
 حاضر ہوئے جبکہ وہ کوفہ میں امیر المؤمنین تھے، سوید بن غفلہ
 نے کہا: اے امیر المؤمنین! چند لوگوں کے پاس سے میرا گزر ہوا،
 وہ لوگ حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا نامناسب انداز میں
 تذکرہ کر رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور منبر
 پر چڑھے اور پھر فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو پھاڑا
 اور روح کو بہرہ دیا، نہیں محبت رکھتا ان دونوں سے ظہر مؤمن

فرض، اور نہیں بغض رکھتا ان دونوں سے مگر بد بخت اور دین سے نکلنے والا، سو ان دونوں سے محبت رکھنا عبادت ہے اور ان دونوں سے بغض رکھنا دین سے نکلنا ہے۔ کیا حال ہے ان لوگوں کا جو برا تذکرہ کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں بھائیوں کا، آپ کے دو وزیروں کا، آپ کے دونوں رفیقوں کا، قریش کے دونوں سرداروں کا اور مسلمانوں کے دونوں والدین کا۔ میں اس شخص سے بری ہوں جو ان کا تذکرہ کرتا ہے برائی کے ساتھ اور اس پر میں سزا دینے والا ہوں۔

لاکڑی، ابو طالب عثمیری اور نصر نے حج میں حضرت علی بن حسین رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یوہاشم کے ایک نوجوان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے امیر المؤمنین! آپ جنگ صفین سے جب سے واپس آئے ہیں تو میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ جمعہ کے خطبے میں یہ دعا کرتے ہیں: "اے اللہ! ہماری اصلاح فرما جس چیز کے ساتھ آپ نے اصلاح فرمائی تھی خلفائے راشدین کی۔" تو یہ کون لوگ ہیں؟ آپ کی آنکھیں بند پائیں اور فرمایا: ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما، دونوں ہدایت کے امام تھے، اسلام کے بزرگ تھے، دین کی اقتداء کی جاتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس شخص نے ان دونوں کی پیروی کی، اس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت ملی، اور جس شخص نے ان دونوں کی اقتداء کی، اس نے بھلائی پائی، اور جس نے ان دونوں سے تمسک کیا پس وہ اللہ کا گروہ ہے، اور اللہ کا گروہ حق کامیاب ہونے والا ہے۔"

گزشتہ جعد میں البدایہ والنہایہ کے حوالے سے میں نے امیر المؤمنین
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ خطبہ ذکر کیا تھا:

”مَنْبِذُ النَّاسِ بِقَدْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُفَرَ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا)“

(البدایہ والنہایہ ج: ۱ ص: ۱۷۷)

ترجمہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس
امت میں سب سے بہتر اور افضل حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما
ہیں۔“

”ازلانی الخلفاء“ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ امیر المؤمنین
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس خطبے کو نقل کرنے والے اتنی آدمی ہیں۔ گویا تو اتر کے
ساتھ یہ خطبہ ثابت ہے۔ اتنی آدمی جھوٹ نہیں بول سکتے، اور مختلف کتابوں میں ان
حضرات سے مروی ہے، صحیح بخاری میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔
محمد بن حنفیہ:

اور ان کے صاحبزادے حضرت محمد بن حنفیہ جو اپنے بھائیوں میں سب سے
بڑے عالم اور فاضل تھے اور جن کو بعض لوگوں نے اپنے وقت کا امام مہدی کہا تھا،
حالانکہ یہ جھوٹ کہا، کیونکہ امام مہدی تو بعد میں آئیں گے لیکن بہر حال ان کی
مہدویت کی دعوت ایک عرصہ تک چلتی رہی، یہ حضرت محمد بن حنفیہ حضرت حسن و حسین
رضی اللہ عنہما کے چھوٹے بھائی ہیں، لیکن دوسری والدہ سے تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ
عنہا سے نہیں تھے۔

محمد بن حنفیہ کی وجہ تسمیہ:

حدیث شریف میں ہے کہ:

”عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فان یا
رسول اللہ! اَرَأَيْتَ اَنْ وَلَدَ لِي نَعْلُکَ اَسْتَفِیْہُ مُحَمَّدًا؟
فَإِنِّ نَعْمًا“ (ترمذی ج ۲ ص ۷۰۷)

ترجمہ: ”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ! آپ کے بعد
میرے یہاں لڑکا ہو تو اس کا نام ”محمد“ رکھ لوں؟ آپ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرشہ فرمایا جی ہاں۔“

چند نچے حضرت جی نے ان کا نام محمد رکھا تھا، محمد بن علی، ان کا محمد بن حنفیہ بھی
کہا جاتا ہے، اس لئے کہ قبیہ بنو مغیرہ کی خاتون کے گھر سے ان کا تہہ و تدار
سب سے افضل کون ہے:

قرام بن زرقی نے انکی محمد بن علی سے نقل کیا ہے کہ:
”قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي: أَيْ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ النَّبِيِّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: أَتُؤَيِّدُنِي؟ قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ
عُمَرُ. وَخَضِبْتُ أَنْ يَقُولَ عُثْمَانُ. قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ مَا
ذَا الْاَوَّلُ رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ“ (بخاری ج ۴ ص ۵۸)

ترجمہ: ”ابو میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ فرمایا:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرام انسانوں میں سب سے
افضل حضرت عمرؓ، پھر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر میں نے پوچھا ان کے
بعد کون افضل ہیں؟ تو فرمایا: ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ
ہیں، پھر میں نے اس ڈر سے کہ نہیں یہ نہ فرمادیں کہ اس کے

بعد حضرت عثمانؓ میں نے خود ہی کہا کہ: اس کے بعد آپؐ افضل ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: نہیں! میں پہلے لوگوں میں سے ایک آدمی ہوں۔

طریق حدیث:

اور یہ حضرت علقمہؓ کی روایت ہے، اس سے پہلی ابو یحیٰہؓ کی روایت تھی۔ دوسری علقمہؓ کی روایت ہے، تیسری سوید بن غفلہؓ کی روایت ہے، سوید بن غفلہؓ مقدم ہیں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے، لیکن زیارت نہ ہو سکی، اس لئے صحابی نہیں ہیں، تاہمی ہیں، لیکن اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اکابر تابعینؓ میں سے ہیں۔

اکابر تابعین؟

حضرت ابو بکر، عمر رضی اللہ عنہما کا زمانہ جنہوں نے پایا ہو، وہ حرم تابعین میں سب سے بڑے شمار کئے جاتے ہیں، ابو یونس خولانیؓ جن کا نام عائض ہاتھ ہے، وہ بھی اور یہ سوید بن غفلہؓ بھی اکابر تابعین میں سے ہیں، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسلام بھی لے آئے تھے لیکن زیارت سے مشرف نہ ہو سکے۔

ابو یونس خولانیؓ:

ابو یونس خولانیؓ کے بارے میں آتا ہے کہ جس دن وہ مدینہ پہنچے ہیں، صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر کے مٹی سے ہاتھ مہاڑ رہے تھے، اللہ کی شان، زیارت نہ ہو سکی۔

امام زین العابدینؑ:

اور چوتھی روایت حضرت علی بن حسینؑ کی ہے، جن کو امام زین العابدینؑ کہتے ہیں۔ امام باقرؑ کے والد اور امام جعفرؑ کے دادا، حضرت حسینؑ کے صاحبزادے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ کربلا میں صرف یکنے بچے تھے، حضرت حسینؑ کی اولاد میں سے، نہایت اولاد میں سے صرف یکنے بچے تھے اور تمام کے تمام حسینی سید انہیں کی اولاد ہیں۔

حضرت علی کی دعا:

حضرت علی بن حسین بن ابی طالب، حضرت عثمانؓ کے پوتے ہیں، حضرت حسینؑ کے صاحبزادے ہیں، امام باقرؑ کے والد ماجد ہیں اور نام جعفر صادقؑ کے والد ہیں، یہ فرماتے ہیں کہ قریش کے ایک نوجوان نے حضرت امیر المؤمنینؑ سے پوچھا، جبکہ جگہ صغین سے لوٹ کر آئے تھے کہ آپ اکثر اپنے خطبوں میں یہ دعا کیا کرتے ہیں:

”اللَّهُمَّ أَضْلِحْنَا بِمَا أَضْلَحْتَ بِهِ الْخُلَفَاءَ

الرَّاجِدِينَ۔“

ترجمہ: ”یا اللہ! ہماری ایسی اصلاح فرما، جیسی آپ

نے خلفائے راشدین کی اصلاح فرمائی ہے۔“

یہ خلفائے راشدین کون ہیں؟ جن کا آپؐ تذکرہ کرتے ہیں، فرمایا کہ: ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما، ہدایت کے امام اور اسلام کے دونوں بزرگ۔

اس امت کے پہلے شیخ الاسلام:

شیخ الاسلام کا لفظ منا ہوا کہ آپ لوگوں نے کہ قاضی شیخ الاسلام ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس امت میں سب سے پہلے یہ لقب حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ

عہما کو دیا ہے، شیخ الاسلام حضرت ابوبکرؓ اور شیخ الاسلام حضرت عمرؓ اس وقت گویا پوری امت کے شیخ تھے، اپنے وقت میں ملت اسلامیہ کے شیخ بھی تھے، یہ مطلب ہوتا ہے شیخ الاسلام کا، اور پھر فرمایا کہ یہ وہ حضرات ہیں جن کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہدایت پائی جاتی ہے، جو شخص کہ ان کی اقتدا کرے گا وہ رشد و ہدایت پر ہوگا، اور جو شخص ان سے تمسک کرے گا وہ حزب اللہ میں شمار ہوگا، وہ اللہ کے گردہ میں شمار ہوگا، اور اللہ کا گردہ ہی کامیاب ہے۔

حضرت علیؓ کی حضرات شیخینؓ سے عقیدت:

اور سوید بن حنفلیہ کی روایت میں ہے کہ میں کوفہ میں حضرت امیر المؤمنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے کہا کہ: میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا بیٹھے ہوئے حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا تذکرہ کچھ مناسب انداز سے کر رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ علیؓ ان سے افضل ہیں۔ آپؓ یہ سن کر سب پر تشریف لے گئے، لوگ جمع ہو گئے، اور ارشاد فرمایا کہ: اس ذات کی قسم جس نے دانے کو چیر کر اس سے درخت نکالا اور جس نے روح کو پیدا کیا، یہ دونوں بزرگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہیں، جو ان سے محبت رکھے گا وہ مومن قاضی ہوگا، اور جو شخص ان سے بغض رکھے گا وہ بد بخت اور دین سے نکلے والا ہوگا، اس کے بعد دوسرے فضائل بیان فرمائے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؓ نے خطبہ دیا اور اس میں فرمایا:

”إِنَّهَا النَّاسُ إِنْ خَبِرَ هَذِهِ الْأَعْمَاقَ بَعْدَ نَبِيِّهَا
أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، وَلَوْ بَشَتْ أَنْ أَسْمَى الثَّالِثَ لَسَمِيَتْ.“

(الہدایہ و النہایہ ج: ۸ ص: ۱۳)

ترجمہ: ”اے لوگو! بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ

و سلم کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) ہیں اور پھر اترتے ہوئے فرمایا: اگر میں چاہتا تو تیسرے کا نام بھی بتا دیتا (کسی نے پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ بتا دیجئے! فرمایا: عثمانؓ)۔

فرقِ مراتب:

اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ چار خلفائے راشدین اس امت میں سب سے افضل ہیں: حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ خلیفہ راشد ہونے کے اعتبار سے یہ سب یکساں احترام کے مستحق ہیں، اور ان میں سے کسی ایک کی تفضیص بھی جیسا کہ حضرت امیر المؤمنین فرما رہے ہیں، دین سے نکلنے کی علامت ہے، لیکن جیسا کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب صحابیت کی وجہ سے لائق احترام ہیں اور مرتبہ عقیدت ہیں، بلکہ قبلہ عقیدت ہیں، لیکن ان کے مابین بھی درجات کا فرق ہے، اسی طرح یہ چاروں خلفائے راشدین بعثیت خلیفہ راشد ہونے کے یکساں اور برابر ہیں، لیکن ان کے درجوں میں بھی فرق ہے، تیسرے پارے کے شروع میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”بَلِّغْكَ الرَّسُولُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ“

(البقرہ ۲۵۳)

ترجمہ: ”یہ رسولوں کی جماعت ان میں سے ہم

نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔“

تمام کے تمام رسول اور نبی آپ حضرات کو معصوم ہے کہ معصوم ہیں، اللہ تعالیٰ کے مقدس و برگزیدہ ہیں لیکن ان کے درجات میں بھی فرق ہے اور کسی بڑے کو بڑا کہنے کا یہ معنی نہیں ہے کہ چھوٹے کی تفضیص کی جائے، اس کو بھونٹا دس کے اعتبار

سے تو کہہ سکتے ہیں لیکن اپنی ذات کے اعتبار سے وہ چھوٹا نہیں ہے، کوئی ہی چھوٹا نہیں، سب بڑے کے بڑے ہیں لیکن جب انبیاء کا کہیں میں مقابلہ ہوتا ہے تو ان کے اعتبار سے کہہ سکتے ہیں، مثلاً پانچ اہل العزم رسول ہیں، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جو ان سب سے افضل ہیں، خیر نبی ہیں، سید الرسل ہیں، امام المانیہ ہیں، خاتم الانبیاء ہیں، نمیک اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ خلفائے راشدین سب کے سب لائق احترام ہیں، ان میں سے کسی ایک کی تہنیت اور ادائی سے کوئی تنقید بھی جائز نہیں، کسی ایک صحابی کی تنقید عرووی کی مذمت ہے اور بدعتی کا نشان ہے اور وہین سے نکلنے کی ابتدا ہے۔

اس امت کے افضل:

تاہم ان چاروں کے درجات میں فرق ہے، حضرت ابوبکر و عمر کا افضل حصہ امامت ہونا تھی تھا اور ہے، امت کے کسی ایک تنقید کا بھی اس میں اختلاف نہیں۔ اور پوری امت میں دو آدمیوں کا بھی اس سلسلہ میں اختلاف نہیں ہے، شیعوں کو شمار نہ کرو، ان کے علاوہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی برزعت میں ایک تنقید بھی اس عقیدے سے اختلاف کرنے والا نہیں ہے کہ ابوبکر و عمر اس امت میں سب سے افضل ہیں، اسی طرح تابعین، تبع تابعین اور اسی طرح ائمہ دین، مجددین امت، محدثین وغیرہ سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شیعیان حضرات ابوبکر و عمر ہیں، اور حضرات عثمان و علی یہ دونوں امام ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے اہریار داہی کا شرف عطا فرمایا تھا۔

حضرت عثمان کا شرف:

حضرت عثمان کے نکاح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی صد جزایاں تھیں ”وہ صاحب ادب ہیں انھیں۔ حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم، میں کچھ ہوں کہ صرف دو

نہیں بلکہ بے شمار کیونکہ جب حضرت ام کلثومؓ کا انتقال ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو عثمانؓ کو دیتا، وہ مر جاتی تو چوتھی ہوتی تو عثمانؓ کو دیتا، وہ مر جاتی تو اگلی ہوتی تو عثمانؓ کو دیتا۔

امام ابو حنیفہؒ کی حاضر جوابی:

اور یہ لطیفہ تو میں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے تذکرے میں آپ کو سنایا تھا کہ نعوذ باللہ! ہم نعوذ باللہ! کوفہ میں ایک شخص تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہودی کہتا تھا، کوفہ ہمیشہ اہل بیت کی عداوت کا گڑھ رہا ہے، ظاہر میں نیت اور اندرون خانہ عداوت، بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عداوت میں کوفہ تو ہمیشہ بدنام رہا ہے۔ اس لئے مثل بن مہدیؒ تھی کہ: "الْكُوفِيُّ لَا يُؤْفَى"۔ یعنی کوفی کبھی وفا نہیں کریں گے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وفا نہ کی، ان کے صاحبزادے سبط اکبر حضرت حسنؑ سے وفائے نہ کی اور ان کے بعد پھر ان کے چھوٹے بھائی حضرت حسینؑ سے وفائے نہ کی، "الْكُوفِيُّ لَا يُؤْفَى"۔ کوفی کبھی وفا نہیں کرے گا، اہل بیت سے عداوت کرنے میں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے عداوت رکھنے میں کوفی مشہور تھے، ہمارے امامؒ بھی اسی کوفہ کے رہنے والے تھے اور یہ لطیفہ بھی میں نے سنایا تھا۔

ایک دفعہ حضرت امام ابو حنیفہؒ مدینہ طیبہ گئے، وہاں امام مالکؒ تھے، تعارف پوچھا کہ کہاں سے آئے ہیں؟ امام ابو حنیفہؒ کہنے لگے: کوفہ سے آیا ہوں! حضرت امام مالکؒ نے فرمایا: کوفہ کے لوگ منافق ہوتے ہیں، کوفہ منافقوں کا گڑھ ہے، حضرت امام ابو حنیفہؒ نہایت ادب سے کہنے لگے حالانکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ حضرت امام مالکؒ سے عمر میں بڑے ہیں، لیکن اخلاق شریفہ کے ساتھ متصف تھے اور مدینے کے زائر تھے، حاضری دینے والے تھے، مدینے کے رہنے والے نہیں تھے، اہل مدینہ کا ادب

کرتے تھے، حضرت امام ابو حنیفہؒ کہتے تھے: حضرت! ایک جیسی آدمی ہوں، ایک مسئلہ پوچھنے کے لئے آیا ہوں۔ امام مالکؒ نے فرمایا: کہئے! فرمایا: کہ: ذرا اس آیت کا مطلب پوچھنا ہے کہ:

”وَمَنْ حُجَّ الْكَعْبَةَ مِنْ غَيْرِ ابْنِ الْعَرَبِ فَلْيَقُولْ وَفِي
أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرْغُورًا عَلَى الْبَيْتِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ
نَعْلَمُهُمْ“ (نوی: ۱۰)

ترجمہ: ”تمہارے گرو، پیش میں بہت سے منافق
رہتے ہیں اور مدینے میں بھی وہ لوگ موجود ہیں جو حجازی، مکہ
دوئے ہیں آپ ان کو نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔“

یہ سن کر امام مالکؒ کا تو دم فٹ ہو گیا، کہئے تھے: آپ کا نام کیا ہے؟ آپ
کی تعریف کیا ہے؟ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا: مجھے نعمان کہتے ہیں، ابو حنیفہ کہتے
ہیں۔ حضرت امام مالکؒ نے ہو گئے مدافعت کیا اور اس گفتافی کی معافی چاہی، تو امام
ابو حنیفہؒ بھی وہیں کے ہیں، جیسا وہ مدینہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود
ہیں، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں اہل مدینہ میں بعض لوگ ایسے ہیں
جو منافق ہیں چکے ہیں۔

اہل کوفہ کے دلوں میں امام ابو حنیفہؒ کی وجاہت:

تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے زمانے میں ایک کوئی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو
یہودی کہتا تھا، حضرت امامؒ کی وجاہت تو سارے کوفہ میں تھی، ہر دشمن اور دوست عزت
کہتا تھا نور جو بڑا آدمی صاحب اخلاقی بھی ہو اور صاحبِ علم و فضل بھی ہو، تو قرام طبع
کے لوگ اس کا احترام کیا کرتے ہیں، دو اپنے اخلاق اور اپنے اعمال کی بنا پر سب
کے نزدیک محترم ہوتا ہے، شیعوں کا اور سنیوں کا اختلاف تمہیں معلوم ہے دو یوں

کا اور بریلویوں کا اختلاف آپ کو معلوم ہے۔

ہمارے سولانا مفتی منیر احمد انخون صاحب کے والد ماجد کا جس دن انتقال ہوا، میں نے ان کا جنازہ پڑھایا، سارا بھاول نگر آمد آیا تھا، تمام شیعہ بھی دور تمام بریلوی بھی کہنے لگے: ہمیں ان سے کوئی اختلاف نہیں ہے، یہ تو ولی اللہ آدمی تھا۔
حضرت عثمانؓ کے دشمن کا علاج:

تو حضرت اماشان صاحب کے پاس گئے اس نے پوچھا: کیسے تشریف آوری ہوئی؟ امام ابوحنیفہؒ کہنے لگے: ایک رشتے کا پیغام لے کر آیا ہوں، جناب کی صاحبزادی کے رشتے کا پیغام لے کر آیا ہوں، بہت خوش ہوا، لڑکے کے بارے میں بتایا کہ لڑکا بہت اچھا ہے، برسرِ روزگار ہے، علامہ ہے، دغیرہ و دغیرہ، دنیا میں جو وجاہت کی چیزیں رائج ہیں ساری گنوا دیں، وہ آدمی کہنے لگا: بہت اچھا! منکور ہے، حضرت فرمانے لگے کہ: بھئی میں نے اس کے ہنر بتا دیئے ہیں، تھوڑے سے عیب بھی بتا دیئے چاہئیں کہ ہر ایک کو پتہ چل جائے، دوسرے مانسنے والے کو بتا چل جائے، دھوکہ نہ ہو، تھوڑا سا اس میں عیب بھی ہے وہ یہ کہ وہ لڑکا یہودی ہے، یہ سن کر اس کو تو جگ لگ گئی، چہرہ سرخ ہو گیا، کہنے لگا کہ: اتنے بڑے امام ہو کر آپ مجھ سے مذاق کرنے کے لئے آئے ہیں؟ وہ بھی میری بیٹی کے معاملے میں! حضرت امام: برا فروختہ نہیں ہوئے، بلکہ نہایت متانت سے فرمانے لگے: کیوں کیا بات ہے؟ یہ برا فروختہ ہونے کی چیز ہے؟ میں نے تو سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کو دو بیٹیاں دی تھیں، اب اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، اس نے ہاتھ جوڑے اور کہا: آئندہ میں توبہ کرتا ہوں، حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: بس یہی مسئلہ سمجھانے کے لئے آیا تھا، تیری بیٹی کے لئے اگر میں یہودی کا رشتہ لاؤں تو تو مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہو جائے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے شوہر کو کوئی یہودی کہہ دے تو وہ بلاشبہ اہل نہیں؟

منکرین بنات ثبوت:

لیکن اس وقت وگ استے اذیت نہیں ہونے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کی دوسری صاحبزادیوں کا بالکل انکار ہی کر دیا اور اب تو یہاں یار قوتوں نے باقی
 تین صاحبزادیوں کا انکار ہی کر دیا اور کہتے ہیں کہ کوئی بیٹی تھی ہی نہیں سوائے حضرت
 فاطمہ رضی اللہ عنہا کے۔ یہ غلط ہے، بھائی! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے
 محبت یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت ان کا انکار کر دو۔ یہ یہ مستغیر
 مہضوع ہے۔

اہل بیت کے دشمن:

میں نے اپنی کتاب "شیعہ کی اختلاف" میں قلمزدار اہل نحو وادب اس کا ذکر
 کیا ہے کہ یہ حضرات جو محبت اہل بیت کو دم بھرتے ہیں اور ان کی ہر کھلم میں
 یا حسین پر سیدہ کو بی ہوتی ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے سب
 سے بدترین دشمن ہیں واپس حضرات میری اس کتاب کو پڑھ کر عجز و آئے گا، ان کے
 بارہواں ہیں۔ بارہواں امام تو بن چارو غائب ہوئے ہیں اور پہلے امام حضرت علیؑ تھے،
 دوسرے حضرت حسنؑ، تیسرے حضرت حسینؑ تھے، ان تین کو پہلی چھوڑ دو، چچے کہتے رہو
 مجھے؟ آٹھ، بارہواں کے زمانے میں اس کے بھائی بندوں نے اختلاف کیا، اس کی
 امامت پر شیعہوں نے لکھ اور میں نے شیعہ کتابوں کے حوالے سے اس کی پوری تفصیل
 لکھ دی ہے۔

حضرت علیؑ کی اولاد امامت سے غائب:

سید فی بن حسین حضرت علیؑ کے چوتھے ہیں، حضرت حسینؑ کے بھائی، اور
 بڑے بھائی کے بعد امامت کس کو ملتی ہے؟ چھوٹے بھائی کو، تو محمد بن علی سقی تھے
 امامت کے، جیسے حضرت حسنؑ کے بعد حضرت حسینؑ کو امامت ملی، اور اب حضرت

حسینؑ کے بعد کس کو ملنی چاہئے؟ حضرت علیؑ کے لڑکے موجود ہیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ حضرت حسینؑ کے صاحبزادوں کو ملنی، حضرت حسنؑ کی اولاد کو بھی امامت سے نکال دیا، حضرت علیؑ کی اولاد بھی امامت سے غائب، حضرت علیؑ کے دو بیٹوں کو لے کر باقی بیٹوں کو امامت سے نکال دیا اور حضرت حسنؑ کی اولاد میں سے ایک بھی امام نہیں، سب امامت سے خارج۔

چچا بھتیجے کا اختلاف:

حضرت علیؑ حضرت حسینؑ کے لڑکے ہیں، علیؑ زمین لعابدین جن کا میں نے ابھی تذکرہ کیا، ان کا اپنے چچا کے ساتھ اختلاف ہوا، چچا یعنی محمد بن حنفیہ کہتے تھے کہ میں امام ہوں، یہ کہتے تھے کہ میں امام ہوں اور اصولی کافی میں لکھا ہے کہ حجر اسود سے فیصلہ لیا گیا، مکہ مکرمہ میں پہنچے اور دونوں نے وہاں کھڑے ہو کر دعا کی تو حجر اسود سے آواز آئی ”علیؑ“ یعنی بھتیجے امام ہیں، چچا امام نہیں ہیں، آئی ہوگی آواز، ایک بات تو یہ ہوئی۔

ہر زمانہ میں مسئلہ امامت پر اختلاف ہوا:

اسی طرح ہر امام کے زمانے میں یہاں تک کہ حسن عسکریؑ تک جو امام غائب کے باپ ہیں، ہر ایک کے زمانے میں امامت کے مسئلہ میں اختلاف ہوا، یعنی اس کے بھائی بندوں میں سے، اس کے عزیزوں میں سے، ایک بھی ابن کی امامت کا ٹکڑا نہیں، امام جعفرؑ کے آٹھ بیٹے تھے اور انھوں نے اپنی اپنی جگہ امامت کے مدعی تھے موصی کا غم کو ان کے بھائیوں میں سے کوئی امام نہیں مانتا تھا۔ خیر یہ تو چھوڑو!

ردافض کے ہاں منکر امامت ”حرامی“ ہے:

لیکن شیعہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جو امامت کا منکر ہو وہ حرام زادہ ہے، اس کتاب میں حوالے دیے گئے، ان کی کتابوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ

اس کا نسب ناپاک ہے، میں گستاخی کی معافی چاہتے ہوئے پوچھوں گا کہ: جب حضرت علیؑ کے صاحبزادے محمدؑ نے انکار کر دیا تھا اپنے چچا کی امامت سے، تو وہ کون ہوئے؟ اور امام باقرؑ کے بھائیوں نے امام باقرؑ کی امامت کا انکار کر دیا تو وہ کون ہوئے؟ ہم نے آج تک مخالف کو حرام زادہ نہیں کہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ولی بیت کو یہ لقب دینے کا پہلی بار ان حضرات کو شرف حاصل ہوا ہے (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ)۔ یہ گیارہ آدمی ہو گئے، بارہواں تو ہے ہی نہیں، ان گیارہ آدمیوں سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری نسل کو یہ خطاب دیتے ہیں، فرمائیے! یہ محبت اہل بیت ہیں یا اہل بیت کے دشمن ہیں؟

حضرت علیؑ کی حضرت عثمانؓ سے عقیدت:

تو خیر مسئلہ یہ چل رہا تھا کہ حضرت علیؑ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہیں اور اگر کسی کی عقل میں نہ آئے تو میں نے اس کتاب میں یہ بھی حوالہ نقل کر دیا ہے کہ حضرت امیر المؤمنینؓ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا تھا کہ حضرت عثمانؓ کو کہیں کہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا وہ شرف حاصل ہے جو کہ شیخین کو نہیں، تھیک ہے ان دو حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر ہونے کا شرف تو حاصل ہے۔ لیکن داماد ہونے کا شرف حاصل نہیں، تو ان میں ذرا اختلاف ہوا کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؑ میں کون افضل ہے؟ بعض لوگوں کا خیال ہوا کہ حضرت عثمانؓ سے حضرت علیؑ افضل ہیں۔

ترتیب خلافت، ترتیب فضیلت ہے:

صحیح بات جس پر کہ جمہور اہل سنت متفق ہوئے وہ یہ ہے کہ ان کی ترتیب خلافت کے مطابق ان کی ترتیب فضیلت ہے، یعنی یوں کہو کہ جس طرح اللہ کے نزدیک ان کی ترتیب فضیلت تھی، اسی ترتیب سے اللہ نے ان کو خلیفہ بنایا۔ سب سے

اول نمبر پر حضرت ابو بکرؓ تھے تو وہ پہلے خلیفہ ہوئے، اور دوسرے نمبر پر حضرت عمرؓ تھے وہ بعد میں خلیفہ ہوئے، تیسرے نمبر پر حضرت عثمانؓ تھے وہ بعد میں خلیفہ ہوئے اور چوتھے نمبر پر حضرت علیؓ تھے وہ بعد میں خلیفہ ہوئے، رضی اللہ عنہم۔

دور والا قریب تر:

یہاں ایک لطیفہ یہ ہے کہ جتنا دور وال تھا، اتنا پہلے خلیفہ بنا، حضرت علیؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد ہیں، دوسرے میں جا کے مل جاتے ہیں وہ سب سے آقری نمبر پر، اور حضرت عثمانؓ پر دادے میں جا کے جتے ہیں وہ تیسرے نمبر پر آئے، حضرت عمرؓ قبیلہ بنو عدی کے ہیں، انصاف صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچویں پشت میں جا کے ملے ہیں، اور حضرت ابو بکرؓ اس سے بھی اوپر جا کے ملے ہیں، بتایا گیا کہ اسلام میں نسلی قرب کا لحاظ نہیں ہے بلکہ، غنی کمالات اور دائمی قرب کا لحاظ ہے، جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی قریب ہوگا اتنا عنہ اللہ افضل ہوگا، یعنی اللہ کے نزدیک افضل ہوگا۔ تو بہر کیف اس امت میں سب سے افضل حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

حضرت علیؓ کو شیخینؓ پر فضیلت دینے والا مفتری ہے:

یہ خطبہ حضرت امیر المؤمنینؓ کو نے کے منبر پر ارشاد فرماتے تھے اور ان لوگوں کو جو حضرت علیؓ کو حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ پر فضیلت دیتے تھے، حضرت علیؓ ان کو مفتری کہتے تھے یعنی کسی پر بہتان لگانے والا اور بہتان لگانے والے کی سزا اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے:

”وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِدَلِيلَةٍ

شَهِدَاتٍ فَاَجْلِدُوهُمْ نَجْدَتَيْنِ خُلْدًا“ (نور ۵)

ترجمہ: ”وہ لوگ جو بہتانیں دیتے ہیں مگر کوئی دلیل

”میں لاتے چار گواہ، ان کے اسی کوڑے لگاؤ۔“

حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ میں نے پہلے اعلان نہیں کیا تھا اس لئے آج تو کچھ نہیں کہتا لیکن اگر آئندہ میں نے کسی کو سزا کہ وہ مجھے حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ پر فضیلت دیتا ہے تو اس کو سزا دوں گا، اور سزا اس کی مغفرتی کی سزا ہوگی، یعنی اسی کوڑے لگاؤں گا۔

شیعوں کے ہاں حضرت علیؑ کی پوزیشن:

حضرات شیعہ بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی امیر المومنینؑ نے کوٹنے کے منبر پر اس قسم کے خطبات ارشاد فرمائے تھے لیکن کہتے ہیں کہ یہ مجبوری تھی، اس لئے کہ حضرت امیر المومنینؑ کے ساتھ جو تھوڑے بہت آدمی رہ گئے تھے باقی تو حضرت معاویہؓ رہ گئے تھے، جو تھوڑے بہت ان کے ساتھ رہ گئے تھے دو بھی حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ کے گرویدہ تھے، اگر حضرت امیر المومنینؑ ان کے بارے میں اپنا عقیدہ بیان کرتے تو سارا لشکر تتر بتر ہو جاتا۔ سبحان اللہ!

میں نے اس کتاب میں لکھا ہے کہ تم ہی بتاؤ کہ پھر حضرت علیؑ کا سب سے بڑا دشمن کون نکلا؟ امیر المومنینؑ قسم کھا کر اور منبر رسولؐ پر بیٹھ کر کہہ رہے ہیں اور اپنی امارت میں کہہ رہے ہیں، اپنی قوم کے درمیان میں کہہ رہے ہیں جن پر دو امیر المومنینؑ اور غلیظہ المسلمین ہیں، ان کے سامنے کہہ رہے ہیں، مگر تم کہتے ہو کہ ذر کے مارے کہہ رہے تھے، ورنہ خلافت ہاتھ سے چلی جاتی، کیا اپنی خلافت کو بچاؤ بڑا ضروری تھا؟ یہ ہے شیعوں کے نزدیک حضرت علیؑ کی پوزیشن۔

بہر حال اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ وہی ہے جیسا کہ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ شیخین افضل ہیں اور یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ سب سے پہلے ان سے یہ عقیدہ ان اہل کے ہاں سے نکلتا شروع ہوا ہے، حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ جو

شخص حضرات شیخین کی فضیلت کا انکار کرتا ہے یا ان کی تنقیص کرتا ہے یا ان پر کسی قسم کا اعتراض کرتا ہے یا نکتہ چینی کرتا ہے، اسے سمجھنا چاہئے کہ اس نے دین سے نکلنا شروع کر دیا، اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

﴿رَبِّهِمْ وَهُوَ يُنَادِيهِمْ اِنَّهُمْ لِرَبِّهِمْ اَعْمٰی﴾



حضرت عمرؓ کی چھ نصیحتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(تعمد اللہ) (سین) حمی عیاء، (لنوی) (ضعفی)

"عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه أنه رَغِظَ رجلاً فقال: لا تُلْهِكَ النَّاسُ عَنْ نَفْسِكَ فَإِنَّ الْأَمْرَ يَقْصِرُ إِلَيْكَ ذَوْنُهُمْ، وَلَا تَقْطَعْ النَّهَارَ سَارِباً فَإِنَّهُ مَحْفُوظٌ عَلَيْكَ مَا عَمِلْتَ وَإِذَا أَسَأْتَ فَاتَّخِذْ قَبِيحِي لَا أَرَى شَيْئاً أَشَدَّ ظُلْماً وَلَا أَشَوْحَ ذِكْرَهُ مِنْ حَسَنَةٍ خَدِثَتْ بِذَنْبٍ قَبْلِهِمْ." (کنز العمال ج ۶ حدیث ۱۴۲۰۲)

"عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه قال اغْضَبْكَ يَوْمَئِذِكَ وَعَلَيْكَ بِالْغُلْبِلِ الْقُدْرُوحِ وَقُلْ مَا تَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُحْشَرُوا فِي أَفْوَاجٍ يَتَحَفَّوْنَ اللَّهَ."

(کنز العمال ج ۱۰ حدیث ۱۴۳۹۰)

ترجمہ: "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ قول

ہے کہ آپ نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: تجھ کو

لوگ تیری ذات سے غافل نہ کر دیں، اس لئے کہ معاملہ تیری طرف لوٹے گا ان کی طرف نہیں اور دن کو چل پھر کر نہ گزرا، اس لئے کہ جو تو نے عمل کیا وہ تجھ پر محفوظ کر لیا گیا اور جب تو برائی کرے تو اس کے پیچھے بھلائی کر اس لئے کہ میں نے کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی جو تیزی سے تلاش کرتی ہو اور سختی سے طلب کرتی ہو، اس نئی بھلائی سے جو پرانے گناہ کو تلاش کرتی ہے۔"

ترجمہ:..... "امام بیہقیؒ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: جو چیزیں تمہیں ایذا پہنچاتی ہیں ان سے الگ رہو اور نیک دوست کو لازم پکڑو اور تم اس کو کم پاؤ گے اور اپنے معاملہ میں ان لوگوں سے مشورہ کرو جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔"

یہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چھ نصیحتیں ہیں، تین پہلی روایت میں اور تین دوسری روایت میں۔

حضرت عمرؓ کی عظمت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"وَلَقَدْ كَانَ فِينَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ مُنْخَذَتُونَ فَلَإِنْ يُنْكَ فِي أُمَّتِي أَخَذَ فَلَانَهُ عُمْرٌ" (مشکوٰۃ ص ۵۵۶)

ترجمہ:..... "پہلی امتوں میں منکذ ہوتے تھے، یعنی جن کی زبان پر فرشتے باتیں کرتے تھے مہری امت میں اگر کوئی ہے تو وہ عمر ہے۔"

حضرت عمرؓ کی زبان پر سیکڑ:

حضرت غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمیں ایسا لگا کرتا تھا کہ
 ”اِنَّ الشَّيْئَةَ تَنْطَلِقُ عَلٰی لِسَانِ غُفَرَا“ (مشکوٰۃ ص ۵۵۷) یعنی حضرت عمر رضی
 اللہ تعالیٰ عنہ ایسی بات ارشاد فرماتے ہیں کہ جس سے دلوں کو سکون اور اطمینان آجاتا
 ہے۔ زبان پر سیکڑ پڑتی ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے کہ
 ”اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی جَعَلَ النُّحَى لِسَانِ غُفَرَا
 وَفَلَمَ“ (مشکوٰۃ ص ۵۵۷)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے حق کو عمرؓ کی زبان اور ولی پر
 رکھ دیا ہے۔“

حضرت عمرؓ کی راست گوئی:

ایک اور حدیث میں فرمایا کہ:
 ”اَرْحَمُ اللّٰهُ غُفَرَا يَقُوْلُ النُّحَى وَاِنْ كَانَ غُفَرَا
 نُوْحَهُ النُّحَى وَمَا لَهُ مِنْ ضَبَبٍ“

(ابوداؤد (انہایہ) ج ۷ ص ۳۲۰)
 ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو عمرؓ پر وہ حق بات
 کہتے ہیں اگرچہ حق کڑوا ہوتا ہے، ان کے حق کہنے سے ان کا
 کوئی رذلت نہیں چھوڑا۔“

کیونکہ نیچت کی بات کڑوی لگا کرتی ہے اور جس کی بات کڑوی مجھے آ رہی
 پھر اس سے دوستی نہیں کرتا تو ان ارشادات نقل کرنے سے میرا دعا یہ ہے کہ اللہ
 تبارک و تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصب مبارک نم نم کر دے صلی اللہ علیہ

وہ علم کے علوم کا خزانہ بنادیا تھا اور جو بات دل میں ہوتی ہے زبان سے وہی نکلتی ہے،
دل کی بات کسی نہ کسی طریقہ سے زبان پر آتی جاتی ہے۔ لا الہ الا اللہ!

حضرت لوگوں کے مرشد:

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دنیا کے اعتبار سے لوگوں کے
سربراہ مملکت اور حاکم اعلیٰ ہی نہیں تھے بلکہ ان کے مرشد بھی تھے اور یہ حضرات
عقائد راشدین کی جامعیت تھی، بعد کے خلفائیں یہ بات نہیں رہی، وہ حضرات
بیک وقت متعظم اعلیٰ بھی تھے، ان کے معلم اور مدرس بھی تھے، ان کے قائد اور سپہ سالار
بھی تھے، ان کے منصف اور قاضی بھی تھے، ان کے مرشد اور پیر بھی تھے، رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام جہتوں کے جامع ہوتے تھے۔

تو پہلی روایت میں ہے کہ حضرت امیر المؤمنین نے ایک شخص کو نصیحت
کرتے ہوئے تین باتیں ارشاد فرمائیں:

اپنی ذات سے غافل نہ ہو:

۱:..... ایک یہ ہے کہ لوگ تجھے اپنی ذات سے غافل نہ کریں۔ یعنی لوگوں
کے دھندوں میں مشغول ہو کر اپنے آپ کو نہ بھول جاؤ، لوگوں کی فکر پڑی ہوئی ہے اور
یہ فکر اس قدر غالب آگئی کہ اپنے ضروری مشاغل یا اپنے ذاتی معمولات کا وقت ہی
نہیں ملا، اس لئے کہ تیرا معاملہ تیری طرف پہنچے گا، ان کی طرف نہیں، یعنی تیرے
اعمال کی باز پرس اور تیرے اعمال کے مطابق برتاؤ تیرے ساتھ ہوگا، لوگوں کے ساتھ
نہیں، جو اعمال کہ ہم کرتے ہیں خواہ کسی کی خیر خواہی کے لئے کریں، یا کسی کی بدخواہی
کے لئے کریں، اچھا کریں، یا برا کریں، اس کا بھگنا ہمیں خود کرنا ہوگا، لوگوں کی
جائز فرمائشیں پوری کرتے ہو تو ٹھیک اور اگر ناجائز فرمائشیں پوری کرتے ہو تو حساب
جہیں دینا ہوگا، ان کو نہیں، ان کو اپنے عمل کا حساب دینا ہوگا، اس لئے کہ قیامت کے

دن تم یہ کہہ کر نہیں بھٹکتے کہ جی کیا کریں؟ بچے بھگ کرتے تھے، دوستوں نے مجبور کر دیا تھا۔

نفس کی تاویلات کا علاج:

عام طور پر ہمارا نفس تاویل میں کیا کرتا ہے اور جتنے گمراہ لوگ ہیں، وہ اپنے غلط مطلب کے لئے تاویل میں کیا کرتے ہیں، ہمارا نفس ہمارے غلط کاموں کے لئے تاویل کرتا ہے، قادیانی اپنے غلط عقائد کی تاویل میں کیا کرتے ہیں، یعنی یہ مطلب ہے، یہ مطلب ہے، ان کی ساری عمر "یعنی یہ مطلب ہے" سے ختم نہیں ہوتی اور اسی طرح دوسرے گمراہ فرقے بھی ہیں جو اپنی بدعات اور اپنی گمراہیوں کے لئے قرآن کریم اور سنت نبویؐ میں تحریف کرتے ہیں، اول بدل کرتے ہیں، ان کے مطالب بگاڑتے ہیں، تاویلات کرتے ہیں، اور ہمارا نفس ہماری غلط روی کے لئے تاویل کیا کرتا ہے کہ جی کیا کریں، یہ عذر ہے، وہ عذر ہے، میں جو باتیں کہہ رہا ہوں یہ بہت بڑا علم ہے، یہ بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے کئی دفعہ قادیانیوں کو لکھا کہ یہ سوچ کر قرآن کریم اور احادیث میں تاویل کرو کہ قیامت کے دن تم اللہ کے سامنے کھڑے ہو کہ یہ تاویل بیان کر سکو، بس ایک ہی فقرہ ہے، اس پر غور کر لو کہ تمہارا نفس اگر تمہاری غلطیوں کی تاویل کرتا ہے اور تمہیں دھوکہ دیتا ہے تو اس سے پوچھ لو کہ جب تم اللہ کے سامنے کھڑے ہو گے، تو یہ تاویل کر سکو گے؟ اور یہ تمہاری تاویل حل جائے گی؟ اگر نہیں تو مجھے کیوں دھوکہ دیتے ہو؟ مجھے کیوں فریب دیتے ہو؟ یہ جتنے غلط روی فرقے ہیں، یہ سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کے حکام میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں غلط تاویلات کرتے ہیں، کاش کہ یہ اپنے نفس کی طرف رجوع کرتے اور اس سے پوچھ لیتے کہ کل قیامت میں ہم اللہ کے سامنے یہ تاویل کر سکیں گے؟ اور کاش کہ ہم اپنی غلطی پر تاویل کا پردہ ڈالنے سے پہلے اپنے نفس سے رجوع کر کے پوچھ لیتے کہ

کل قیامت کے دن یا قبر میں تمہاری یہ تاویں سنی جائے گی؟

اس کو میں نے بہت بڑا علم اس لئے کہا کہ ہر قدم پر اگر اس بات کو پیش نظر رکھا جائے تو انشا اللہ! ہماری بہت سی غلطیوں کی اصلاح ہو سکتی ہے، تو حضرت امیر المؤمنین فرماتے ہیں: "لَا تُلْهِكَ النَّاسُ عَنْ نَفْسِكَ"۔ "لوگ تجھے تیرے معاملہ سے غافل نہ کر دیں،" "فَلَا تَلْغُزْ بِصَيْرِ الْإِثْمِ ذُرْنَهُمْ"۔ "اس لئے کہ معاملہ تجھ تک پہنچے گا ان تک نہیں۔"

اوقات کی حفاظت:

اور دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ سارا دن مرگشت کرتے ہوئے نہ گزارو

کہ:

"صبح ہوئی، شام ہوئی، عمر بونہی قریب ہوئی"

اس لئے کہ تمہارے اعمال محفوظ کر کے بند کر دیئے گئے ہیں، قرآن کریم میں ہے: "أَخْضَا اللَّهُ زُنُوفَهُ"۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تو گھٹن کر اور شمار کر کے رکھا تھا لیکن ان لوگوں نے ان کو بھلا دیا تھا۔ ہمارا حافظہ کمزور ہے، ہم تو عمل کرتے ہیں بھول جاتے ہیں اور جب غلطیاں ہوئی پرانی ہو جاتی ہیں تو ان پر نسیان کا پردہ آ جاتا ہے، بھول کا پردہ آ جاتا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا سب معاملہ ٹھیک تھا کہ ہے، "يَوْمَ تَنْفُخُ النُّفُوسُ" (جس دن یہ پردے ہٹا دیئے جائیں گے، مجیدوں کے) اور اندر جو کچھ چھپا ہوا ہے وہ نکال کر دکھایا جائے گا، اس دن معاملہ ذر مشکل ہوگا، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، آمین!

یہاں نقصان تو یہ تھا کہ ہم عمل کرتے وقت مبالغہ نہیں کر کے اپنے نفس کو مطمئن کر لیتے ہیں اور دوسرا یہ ہے کہ غلطیاں کر کے پھر ان کو بھول جاتے ہیں، یہاں ہم سے کسی نے انتقام نہیں لیا، ہمارے جرم کا کسی کو پتہ نہیں چلا اور ہم جلی کی طرح سو

چوہے کھا کر سچی کے حافی رہ گئے، تو ہم سمجھتے ہیں کہ واقعہ ہم حافی ہیں، کسی کو ہماری غلطیوں کا پتہ نہیں چلا اور یوں چلتے چلتے وقت گزر گیا تو پرانی غلطیاں ویسے ہی بھول گئیں۔ بچپن کیسے گزرا تھا؟ جوانی کی دہلیز پر کیسے قدم رکھا تھا؟ اور غفلتوں شباب میں، جتنی جوانی میں کیا کیا غرمستیاں کی تھیں؟ اور بڑھے ہوئے کے بعد بھی تبلیغ والوں کے بقول: بچپن کی عادتیں بچپن تک نہیں جاتیں گویا بچپن کی عادتیں بچپن تک نہیں پھوڑیں، کیونکہ پردہ پڑا ہوا ہے۔ کچھ تو اللہ تعالیٰ کی ستاری کا پردہ ہے اور کچھ ہمارے حافظہ کی کمزوری کا پردہ ہے کہ ہم ان کو بھول گئے، حضرت فرماتے ہیں کہ: ”مُحْفَظُوا إِلَيْكُمْ“ وہ تجھ پر محفوظ ہیں، تو نے جو عمل کیا وہ ضائع نہیں ہوا، اچھا عمل کیا تو بھی، اور برا عمل کیا تو بھی۔

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ کا مسئلہ ارشاد فرما رہے تھے، کسی نے مجلس میں سے پوچھا کہ حضور! اگر کسی کے پاس گھر میں ہوں ان پر بھی زکوٰۃ ہوتی ہے؟ ارشاد فرمایا:

”مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ فِتْنَةٍ إِلَّا آيَةً الْفَقْرَةُ الْعِجَابَةُ:
مَنْ يَفْعَلْ بِفَقْرٍ ذُرَّةَ خَيْرٍ آيَةٌ. وَمَنْ يَفْعَلْ بِفَقْرٍ ذُرَّةَ
شَرٍّ آيَةٌ.“ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۲)

ترجمہ..... ”ان کے بارے میں مجھ پر کوئی چیز نازل نہیں کی گئی سوائے ایک تہا آیت کے جو کہ پوری کی پوری جامع ہے کہ جو شخص عمل کرے گا ایک ذرہ برابر خیر کا، اس کو بھی دیکھ لے گا اور جو شخص عمل کرے گا ایک ذرہ برابر برائی کا، اس کو بھی دیکھ لے گا۔“

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ ایک ذرہ نیکی کا ضائع نہیں ہوگا، اس کی قدر کریں گے، اور ایک

ذرا برائی کا غائب نہیں ہوگا، یعنی لا کے حاضر کر دیں گے، مزادینا ضروری نہیں، ہو سکتا ہے کہ معاف کر دیں لیکن ایک دفعہ دکھا ضرور دیں گے کہ تو نے یہ کیا تھا، اس لئے غفلت میں اور سوتے ہوئے وقت نہ گزارو، اس لئے کہ تمہارے اعمال کا ریکارڈ جمع کیا جا رہا ہے، اور وہ محفوظ ہے۔

بدی کے بعد نیکی:

۳۔۔۔ اور تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ جب تجھ سے کوئی غلطی ہو جائے، کوئی گناہ ہو جائے، کوئی برائی ہو جائے تو فوراً نیکی کا کام کرو، یہ حدیث شریف کا مضمون ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاحب کو نصیحتیں فرما رہے تھے، آپؐ نے ارشاد فرمایا: "اَوْفِيعِ الْمُنْبَتَةِ الْخَسَنَةَ تَصْحُفُهَا" (مسند احمد ج: ۵، ص: ۱۵۳) (اور برائی کے پیچھے بھلائی کرلو، فوراً وہ بھلائی اس برائی کو مٹا دے گی) دونوں کی کشتی ہو جائے گی، تم سے کوئی غلطی ہوگئی، کوئی برا کام ہو گیا فوراً نیک کام کرو، اب ان میں سے جو طاقت در ہوگا وہ اس کو گرا دے گا انشاء اللہ! نیکی برائی کو گرا دے گی، اس لئے کہ نیکی میں دس گنا طاقت ہوتی ہے، دس گنا ثواب ملتا ہے، ایک نیکی پر دس نیکیاں ملتی ہیں، اللہ تعالیٰ نوحنا اس میں مزید طاقت پیدا فرما دیتے ہیں، اب یہ دس آدمی ہیں، وہ بے چارہ اکیلا ہے، اکیلا دس آدمیوں کا مقابلہ کیسے کرے گا؟

دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر غلطی ہو جائے، گناہ ہو جائے، کوئی برائی ہو جائے تو نیکی کرتے ہی رہو، کرتے ہی رہو، یہاں تک کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ انشاء اللہ! وہ برائی مٹ گئی ہوگی، تمہاری یہ نیکیاں ان برائیوں کو مٹا دیں گی، یعنی چھپا دیں گی، اس پر غالب آ جائیں گی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اور بعد کے اولیاء اللہ کا یہی معمول تھا۔

حضرت عائشہؓ کی ندامت:

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنگ جس میں مکی تھیں، بس وہ اللہ کی حکمت تھی، چلی گئیں، لیکن بعد میں جب یہ بات سمجھی یا دہشتی تو اتنا روتیں کہ دوپٹہ تر ہو جاتا اور پچاس کے قریب غلام آزاد فرما دے، اور فرماتی تھیں: یہ اللہ! میری غلطی تھی، مجھے نہیں جانا چاہئے تھا۔

لوگوں کو طعن کرنا تو آتا ہے لیکن دن اکابر کا حق تو لی شانہ کے ساتھ جو تعلق تھا، وہ ان کو معلوم نہیں ہے، یہ دور سے بیٹھے ہوئے بزرگوں پر، اکابر پر تنقیدیں کرتے ہیں۔

تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تو برائی کر لے تو اس کے پیچھے بھلائی کر لیا کر، اس لئے کہ ایک چیز دوسری چیز کا تیزی کے ساتھ تعاقب کر رہی ہے۔ پھر اس کو ایک مثال سے سمجھایا کہ جیسے ایک آدمی دوڑا جا رہا ہے، اس کے پیچھے دوسرا آدمی اس کو پکڑنے کے لئے دوڑ جا رہا ہے، اسی طرح برائی کے پیچھے نیکی دوڑ رہی ہے، اسی لئے فرمایا میں نے نیکی سے زیادہ کسی کو تعاقب کرنے والا نہیں دیکھا، جتنا نیکی برائی کا تعاقب کرتی ہے اور اس کو جا کے پکڑ لیتی ہے، میں نے کسی تعاقب کرنے والے کو اتنا تیز رو نہیں دیکھا، جتنا کہ نیکی برائی کا تعاقب کرتے ہوئے تیز دوڑتی ہے اور فوراً جا کر اس کو پکڑتی ہے، یہ بھی بہت بڑا علم ہے، جب بھی کوئی گونا گویا ہو جائے، جب بھی کوئی لغزش ہو جائے، وہ کہ اللہ تعالیٰ ہم میں یہ حس پیدا کر دے کہ ہمیں پتہ چل جائے کہ مجھ سے غلط کام ہوا ہے، وہ سیاہ ہو جاتا ہے تو آدمی تمیز ہی نہیں کر سکتا کہ میں چھپا کر رہوں کہ برا کر رہا ہوں؟ دل اندھا ہو جاتا ہے۔

تو پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ کرتے ہم میں تمیز پیدا ہو جائے کہ یہ نیکی ہے یا بدی ہے؟ میں چھپا کر رہا ہوں یا برا کر رہا ہوں؟

نیکی اور برائی کی پہچان:

ایک صاحبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، کہتے تھے: یا رسول اللہ! مجھے کیسے معلوم ہو کہ میں نے اچھا کام کیا ہے یا برا کام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

”أَلْبُرُّ خَيْرٌ مِنَ الْخُلُقِ، وَالْإِثْمُ مَا خَاكَ فِيهِ
ضِدُّكَ وَتَكْرِهَتْ أَنْ يُطْلِعَ عَلَيْكَ الشَّامُ.“ (مشکوٰۃ ص ۴۳۱)
ترجمہ: ”نیکی تو اچھے اخلاق کا نام ہے، (اگر تم نے
کسی کے ساتھ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کیا ہے تو مجھ لو کہ تم نیکی
کے راستے پر ہو) اور برائی وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹک پیدا
کرے اور تجھے یہ اچھاتا لگے کہ لوگوں کو پتہ چلے۔“

جس چیز کو ہم لوگوں سے چھپا کر رکھنا چاہتے ہیں یا کہتے ہیں کہ لوگوں کو پتہ
نہیں چلتا چہ بے معلوم ہو کہ برائی ہے، انسانی بدن کے جو اعضاء کھلتے ہیں،
قوری نہیں چاہتا کہ اس پر کوئی مطلع ہو، ڈھانپ کر رکھتا ہے، پردہ کر کے رکھتا ہے، یہی
طریقہ انسانی اخلاق و اعمال میں جو بیزیر عیب کی ہیں، آدمی نہیں چاہتا کہ کوئی ان پر
مطلع ہو، ورنہ اگر علی الاعلان گناہ کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اللہ کے پردہ
کو خود چاک کر دیا، اللہ تو لوگوں کا پردہ رکھتا ہے اور اس نے ”متر اللہ“ کو، اللہ کے
تامنے ہوئے پردے کو پھاڑ کے پھینک دیا ہے، علی الاعلان گناہ کرتا ہے، مطلب یہ
ہے کہ نہ اس کو نہ لقی سے شرم، نہ مخلوق سے شرم، تو پہلی بات تو یہ کہ ہم میں بدی اور
نیکی کی حس پیدا ہو جائے، جب بھی ہم سے کوئی غلطی اور کوتاہی ہو، ہم جان لیں کہ میں
نے اچھا نہیں کیا، برا کیا ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ جب یہ پتہ چل جائے تو فوراً اپنی غلطی کا اقرار

کر کے اس کا تذکرہ کرے، سب سے آسان اسل تذکرہ یہ ہے کہ اللہ سے معافی مانگتے، توبہ کرے۔

موزیوں سے احتراز:

۳۔ اور پوچھی نصیحت یہ فرمائی کہ: "اغتری من یؤذنبک"۔ جو چیزیں تجھے ایذا پہنچانے والی ہیں ان سے الگ تھلگ رہو، جو کام ایذا پہنچانے والا ہو اس کے قریب نہ جاؤ، کوئی آدمی موزی ہے، تو کوشش کرو کہ اس کے قریب نہ جاؤ، ایذا پہنچانے والا جسم کے اعتبار سے ہو یا ذہنی طور پر ایذا پہنچانے والا ہو، دنیا کے اعتبار سے ہو یا آخرت اور قبر کے اعتبار سے ہو، جو چیز کہ ایذا پہنچانے والی ہے، اس سے الگ رہو، موزی کے قریب نہ جاؤ، موزی انسان ہوں، موزی چیزیں ہوں، یا موزی تمہارے اعمال ہوں، موزیوں سے بچو، ہم دوسروں کو تو موزی سمجھتے ہیں، لیکن اپنے آپ کو نہیں سمجھتے، تمہارے نفس تو موزی نہیں ہے؟ اس سے بچو، کیوں میں کسی کو ایذا تو نہیں پہنچاتی مرنے؟ جہائی میں بٹاکے اس سے بچو، اگر تر نے ایذا پہنچائی یا پہنچنے کی عادت ہے تو قیامت کے دن تمہارا شمار موزیوں میں ہوگا، تر اللہ کی مخلوق کو ایذا پہنچانے والے ہو۔

حدیث مسلسل:

یہ حدیث مسلسل ہے، یعنی مختصر صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر جب بھی مشائخ اس کی سند کی اجازت دیتے ہیں تو وہ خاص کیفیت جو ملحوظ تھی، اس کو ملحوظ رکھتے ہیں، مثلاً حدیث بیان کرتے ہوئے پھر بار بار کھنایہ، کھجور کھائی اور پانی پلا یہ بھی حدیث سنائی، چنانچہ برومکائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے تھے، وہ کہتے ہیں کہ: "مختصر صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کھالی، پانی پلایا، اور یہ حدیث رشاد فرمائی، اس وقت سے ہمارے شیخ تک یہ حدیث مسلسل چلی آ رہی ہے، اسی کے جب

ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ نے ہمیں اس حدیث کی اجازت دی تھی، تو اسی طرح اجازت دی تھی، پہلے سمجھ کر کھائی، پانی پلایا اور پھر ارشاد فرمایا:

"الَّذِينَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ، إِذْ خَمُوا مِنْ هِيَ
الْأَرْضِ يَرْحَمُكُم مِّنْ هِيَ السَّمَاءُ." (ترمذی ج ۲ ص ۱۳)
ترجمہ: "رحم کرنے والوں پر رحمن رحم کرتا ہے۔ تم
زمین والوں پر رحم کرو، آسمان و ملائم پر رحم کرے گا۔"

یہ واضح ہیں جن پر رحمن رحم کرتا ہے، جو اللہ کی مخلوق کو ایذا نہیں پہنچاتے
ان کے مقابلے میں وہ لوگ موزی اور ایذا پہنچانے والے ہیں، قرآن کریم میں ہے:

"إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِ
الَّذِي نَزَّلَ فِي الْآيَةِ وَاعْتَدَ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا." (احزاب ۵۷)
ترجمہ: "... جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے
رسول کو، ان پر اللہ کی لعنت ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی
اور ان کے لئے تیار کر رکھا ہے اہانت آمیز لعن، جس کرنے والا
عذاب۔"

بعض لوگ ایسے موزی ہیں جو اللہ اور رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں، وہ صحابہ
کرام کے بارے میں جو ایسی حدیث مشہور ہے کہ: "اللہ! اللہ! اے اے صاحبی" میرے
صحابہ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو! آگے چل کر اس کا ایک فقرہ یہ ہے

"وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى
اللَّهُ، وَمَنْ آذَى اللَّهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ." (مشکوٰۃ ص ۵۵۴)
ترجمہ: "... جس نے ان کو ایذا پہنچائی، اس نے مجھ کو
ایذا پہنچائی اور میں نے مجھے ایذا پہنچائی اس نے اللہ کو ایذا
پہنچائی اور جو شخص اللہ کو ایذا پہنچائے تو قریب ہے کہ اس کو پکڑ لیا

جائے۔“

بعض لوگ اللہ کو ایذا پہنچاتے ہیں، تو بعض لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایذا پہنچاتے ہیں، اور صحیح بخاری کی حدیث ہے

”مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنَنِي بِالْعُزْبِ.“

(بخاری ج: ۲ ص ۹۹۳)

ترجمہ: ”جو میرے کسی ولی کو ستاتا ہے اور اس سے

مداوت رکھتا ہے، تو میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔“

بعض لوگ اللہ کے مقبول بندوں کو ایذا پہنچاتے ہیں اور بعض لوگ عام مسلمانوں کو ایذا پہنچاتے ہیں، اور ان کو ایذا پہنچانے میں مزہ آتا ہے، یہ سب موزی ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے موزیوں سے محفوظ رکھے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہزار شمار ان موزیوں میں نہ کرے جو اللہ کی مخلوق کو ایذا پہنچاتے ہیں، بہرحال فرمایا: ”اَلْعَبْرُؤُ مَا يُؤْذِيكَ“ جو چیز تمہیں ایذا پہنچائے اس سے الگ تھک رہو۔

اچھا دوست بناؤ:

۵۔ اور پانچویں نصیحت یہ ہے کہ: ”وَعَلَيْكَ بِأَخْلَبِ الصَّالِحِ“ اور لازم پکڑو نیک، ظلیل کو، نیک دوست کو، ”وَقُلْ مَا تَجِدُهُ“ بہت کم ملے گا، آسانی سے نہیں ملتا۔

مولانا رونی کا ایک قصیدہ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کل رات شیخ ہاتھ میں چراغ لئے سڑک پر کوئی چیز ڈھونڈ رہے تھے، میں نے پوچھا کہ حضرت! کیا تلاش کر رہے ہیں؟ فرمایا: ان بھیلڑیوں اور درندوں سے شک آگیا، وہ کسی انسان کو ڈھونڈ رہا ہوں! یہ شکار کرنے والے جانور ہیں، انسان نہیں مل رہے۔ میں نے بہت نیاز مندی سے عرض کیا کہ حضور! ”یافۃ فی شود۔“ وہ تو متا نہیں، میں نے بھی تلاش کیا تھا، انسان

نہیں ملتا، فرمایا جو ملتا نہیں ہے نا اسی کو ڈھونڈ رہا ہوں، اگر مل جاتا تو ڈھونڈنے کی ضرورت کیا تھی؟ تو فرمایا غلیل صانع کو لازم پکڑو، جو دل سے دوستی کرنے والا ہو اور نیک بھی ہو۔ ”ذَقْلٌ مَّا نَجِدُكَ“ بہت کبر سے گا، بہت کم پاؤ گے۔

کس سے مشورہ کیا جائے؟

۱: چھٹی نصیحت یہ فرمائی کہ: ”وَعَاوِزُ فِیْ اَمْرِكَ الْبَیِّنُ یُخَالِفُوْنَ اللّٰهُ“ اور اپنے معاملہ میں مشورہ ان لوگوں سے کرو جو اللہ سے ڈرتے ہیں، کسی معاملے میں مشورہ کرنا ہو تو ایسے لوگوں سے مشورہ کرو جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔

ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ: ”وَلَا تُحَدِّثْ بِهَا اِلَّا لِبَیِّنٍ اَوْ خَبِیْثٍ“ (ترمذی ج ۲، ص ۵۳) یعنی اگر کسی کو خواب آئے تو ہر ایک سے بیان نہ کرے، اپنا خواب یا تو کسی حبیب سے بیان کر دو، جو تم سے محبت کرتا ہے، تمہارا محبوب ہو یا حبیب ہو، یعنی عقل مند ہو، کیونکہ جو ان دونوں صفوں کے ساتھ مصروف نہیں، وہ تو اپنی سیدھی ہانک دے گا۔ لوگ تعبیر پوچھتے ہیں، میں کہتا ہوں میں تو تعبیر نہیں جانتا، تکلف کرنے کا کیا فائدہ؟

یہ ہمارے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کا مذاق تھا جب بھی کوئی خواب لکھتے تو حضرت فرماتے کہ:-

شب ام نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گوئیم

بوں غلام سقاہم ہم از او گوئیم

ترجمہ: ”میں نہ شب ہوں، نہ شب پرست ہوں

کہ خواب کی باتیں کروں، میں تو آفتاب کا غلام ہوں، جو کچھ کہتا

ہوں دن کی روشنی میں کہتا ہوں۔“

حضرت فرماتے ہیں کہ خواب کا اچھے اور برے پر مدار نہیں ہے، تمہاری

بیداری کی زندگی کا اچھے اور برے ہونے پر مدار ہے، مجھ سے تو تعبیریں پوچھو زندگی کی، زندگی کے اعمال کے بارے میں پوچھو، خواب کی تعبیر کیا پوچھتے ہو؟ لیکن میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ بعض خواب اچھے بھی ہوتے ہیں، سچے بھی ہوتے ہیں۔

خواب کی تین قسمیں:

یوں کہا گیا ہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں، کچھ خواب نفسانی ہوتے ہیں، رات کو سوچتے سوچتے سوچے یا آگے بچھے کبھی سوچتے تھے، رات کو وہی خیالات متسلک ہو کر فلموں کی شکل میں آگئے، ان خوابوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور کچھ خواب شیطانی ہوتے ہیں، شیطان القا کرتا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ شیطان گدی پر آ کے جھنڈ جاتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مثال دے کر سمجھا یا جیسے انجکشن لگاتے ہیں نا، ایسے انجکشن کی طرح سوئی ڈال دیتا ہے دماغ کے اندر اور القا کرتا رہتا ہے، گندے گندے خیالات لاتا رہتا ہے، یہ شیطانی خواب ہیں، کیونکہ شیطان برا استاد ہے، لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے اس کے پاس ہزاروں طریقے ہیں۔ یعنی اس دوسری قسم کے خواب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: "فُخُوفُ مِنَ الشَّيْطَانِ" فرمایا ہے کہ شیطان کی طرف سے ڈرانا ہوتا ہے، پریشان کرنا ہوتا ہے، اور یوں فرمایا: "ایسا کوئی ڈراؤنا خواب کوئی دیکھے تو بائیں طرف کو تین بار تھوک دے، اور "لا حول" پڑھ کے کروٹ بدل دے، انشاء اللہ! شیطان نقصان نہیں دے گا، اور تیسرا خواب ہوتا ہے روحانی جو سن جانب اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے القا کیا جاتا ہے، اس کی اہمیت تعبیر ہوتی ہے، بعض اوقات بظاہر خواب بہت گندہ ہوتا ہے لیکن اس کی تعبیر بہت اچھی ہوتی ہے، اور نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! کبھی اس کا الٹ ہوتا ہے۔

علامہ ابن سیرینؒ سے کسی نے آ کر کہا کہ نعوذ باللہ! استغفر اللہ! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں قرآن کریم پر پیشاب کر رہا ہوں، لا حول ولا قوۃ الا باللہ! وہ

یہ چورہ ڈرتا ہوا آیا، در کہنے لگا: میں کافر تو نہیں ہو گیا؟ بے شک خواب دیکھنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا، کیونکہ خواب آدمی کے اختیار میں نہیں ہوتا ہے، فرمایا: پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، تیرے ہاں جتنا ہوگا جو قرآن کریم کا حافظ ہوگا، کیونکہ یہ وہ صاحب پیشاب ہی سے تو پیدا ہوا ہے ناں!

نربیدہ کا خواب:

ایک بار خلیفہ ہارون رشید کی بی بی نربیدہ نے قاضی ابو یوسفؒ کے پاس اپنی لونڈی کو بھیجا کہ جا کے کہو کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ لوگ آ کے مجھ سے بدکاری کر کے جاتے ہیں، زنا کر کے جاتے ہیں، وہ آئی تو حضرت امام ابو یوسفؒ کہنے لگے: بی بی تیرا تو خواب نہیں ہے، یہ تو کسی بڑی اونچی طاقتوں کا خواب ہو سکتا ہے، جب تک بتاؤ گی نہیں کہ کس کا خواب ہے، اس وقت تک تعبیر نہیں دوں گا، وہ چلی گئی، نربیدہ نے خود بلوایا قاضی ابو یوسفؒ کو، اور کہنے لگی کہ خواب تو میرا تھا، مگر مجھے شرم آتی تھی اتنا گندہ خواب ذکر کرتے ہوئے، فرمایا: اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ سے کوئی کام لے گا جس سے ساری مخلوق منقطع ہوگی۔ جس کی تعبیر یہ ہوئی کہ نربیدہ نے نہر خندواہی تھی اور پتہ نہیں صدیوں تک اللہ تعالیٰ نے اس کا فیض جاری رکھا، تو جس طرح خواب کی تعبیر ایک مشکل کام ہے، اسی طرح جب تم اپنا معاملہ کسی کے سامنے رکھو، اس کی تہہ کو پہنچنا اور اس کے مطابق مشورہ دینا یہ بھی ہر ایک کے بس کا روگ نہیں ہے، اس لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مشورہ کرو تو نیک آدمی سے مشورہ کرو، جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو، ایک تو وہ اپنی نیکی اور پارہ سائی کی وجہ سے بات کی حقیقت کو پہنچ سکے گا اور دوسرے نہیں غلط مشورے نہیں دے گا، کیونکہ اس کو یہ فکر ہوگی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ باز پرس کریں گے کہ تو نے میرے بندے کو غلط مشورہ دے کر گمراہ کیا تھا، اس لئے مشورہ کرنا چاہئے، اور اپنے ہر معاملہ میں مشورہ کرو، خود راہی سے کام نہ لو اور دوسرے استعارہ کرو،

استخارہ کا مطلب اللہ تعالیٰ سے مشورہ کرنا ہے۔ بہت سے لوگ بیعت کے لئے کہتے ہیں، میں نے کہا: استخارہ کیا؟ کہتے ہیں: استخارہ تو نہیں کیا! میں نے کہا: اللہ کے بندے! بغیر استخارے کے بھی کوئی کام کیا کرتے ہیں! بیٹے! بیٹی! نکاح کرنا ہو، رشتہ کرنا ہو، اس کے لئے استخارہ کرو، سفر پر جانا ہو، اس کے لئے استخارہ کرو، ہر اہم کام یہ کرنا ہو، اس کے لئے استخارہ کرو اور کسی ایسے آدمی سے مشورہ کرو جو معاملہ فہم ہو، اس معاملہ کو جانتا ہو، بعض لوگ کاروبار کے بارے میں آکر مجھ سے مشورہ کرتے ہیں، میں کہتا ہوں: بھائی! میں کام چاہتا نہیں ہوں، میں اس دامن کا نہیں تو تمہیں کیا مشورہ ہوں گا؟ کوئی انجینئر آکر مجھ سے پوچھے کہ حضور! یہ نقش کیسے بنائیں؟ میں کا مجھے کیا معلوم ہے! تم جانو یا اس فن کے کسی ماہر سے پوچھو، ہاں جائز، جائز مجھ سے پوچھو، اور جو چیزیں میرے دائرے میں آتی ہیں، میں ان کے بارے میں مشورہ دے سکتا ہوں، تو مشورہ کرو کسی عقل مند سے اور مشورہ کرو کسی ماہر سے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

وَرَبِّكَ رَحِيمٌ ﴿١﴾ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢﴾

حضرت علی کرم اللہ وجہہ
شہادت، فضائل و مناقب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خير عباد الله وأزواجه الطيبين الطيبات أجمعين

«أَخْرَجَ ابْنُ سَعْدٍ عَنْ هَبِيرَةَ قَالَتْ: لَمَّا تَوَقَّيْ عَلَى
 مِنْ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَامَ الْخَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ
 اللَّهُ عَنْهُمَا. فَضَعَدَ الْمَبْنَرُ فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ! لَقَدْ قُبِضَ
 اللَّيْلَةُ رَجُلٌ لَمْ يَسْبِقْهُ الْأَوَّلُونَ وَلَا يُدْرِكُهُ الْآخِرُونَ، قَدْ
 كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَقُّ الْمَيِّتَ
 فَيُخَفِّفُهُ جِبْرَائِيلُ عَنْ يَمِينِهِ وَمِيكَائِيلُ عَنْ شِمَالِهِ فَلَا
 يَتَّبِعُ حَتَّى يَفْتَحَ اللَّهُ لَهُ وَمَا تَرَكُ إِلَّا سَبْعِمِائَةَ دَرَاهِمٍ أَرَادَ
 أَنْ يُسْتَوْرَى بِهَا خَادِمًا وَلَقَدْ قُبِضَ فِي اللَّيْلَةِ أَلْفَى عُرْجٍ
 فِيهَا يَرْوَجُ عَيْنِي بَن مَرْزُومٍ لَيْلَةَ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ مِنْ
 رَجَبِضَانَ. وَزَادَ فِي ذَوَابِئِهِ أُخْرَى: مَا تَرَكَ صَفْرَاءَ وَلَا
 بَيْضَاءَ إِلَّا سَبْعِمِائَةَ دَرَاهِمٍ فَضَلَّتْ مِنْ عَطَانِهِ.

وَعَنْدَ أَبِي يَعْنَى وَابْنِ جَبْرِ وَأَبْنِ عَسَاكِرَ: عَنْ

الْحَسَن ... أَنَّهُ قُتِلَ عَلِيُّ بْنُ رِضَى اللَّهِ عَلَيْهِ قَامَ خَطِيئَةً
 فَحَبَسَهُ اللَّهُ وَأَتَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ! قَالَ: وَاللَّهِ لَقَدْ
 قَتَلْتُمُ اللَّيْلَةَ رَجُلًا فِي لَيْلَةٍ نَزَلَ فِيهَا الْقُرْآنُ، وَفِيهَا رَفِيعُ
 عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَفِيهَا قَتَلَ يَوْشَعَ بْنِ نُونٍ
 لَنِي مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَفِيهَا تَبَّ عَنْهُ بَنِي إِسْرَائِيلَ
 ... وَرَأَيْتُمْ قَالَ: مَنْ عَرَفْتُمْ فَقَدْ عَرَفْتُمْ وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْتُمْ
 فَإِنَّا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ رَدَّ هَذِهِ
 آيَاتِي قَوْلُ يُوسُفَ: "وَأَتَيْتُ بِهَا آيَاتِي بِمَرَايِمِهِ وَإِسْحَاقَ
 وَيَعْقُوبَ." ثُمَّ أَخَذَ بِي كِتَابِ اللَّهِ ثُمَّ قَالَ: إِنَّا إِنَّمَا نُبَشِّرُ
 مَنْ لَمْ يَتَدَبَّرْ وَأَنَا إِنَّمَا إِنَّمَا إِنَّمَا الدَّاعِي إِلَى اللَّهِ
 بِإِذْنِهِ. وَأَنَا إِنَّمَا الشَّرَاحُ الْمُبِينُ وَأَنَا إِنَّمَا أَتَيْتُ لِرُفْعِ
 رَحْمَةِ تَعَالَمِينَ، وَأَنَا مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ الَّذِينَ أَهْلَبَ اللَّهُ
 عَنْهُمْ الرَّجْسَ وَطَهَّرَهُمْ تَطْهِيرًا، وَأَنَا مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ
 الَّذِينَ يَقْرَأُ اللَّهُ عَنْ وَجْهِ مُؤَدَّتِهِمْ وَدَلِيلَتِهِمْ وَقَالَ بِنَا
 أَنْزَلَ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لَا تَسْأَلُكُمْ
 عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا التَّوَدُّ فِي الْقُرْبَى "

(حیاتِ اصحابہ، ج ۶ ص ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱

نہیں بچھلے لوگ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کو بھیجتے تھے کسی مہم کے لئے تو فرشتے ان کے ساتھ ہوتے تھے، جبرائیل دائیں جانب، میکائیل بائیں جانب، وہ لوگ نہیں تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے فتح کر دے اور انہوں نے نہیں چھوڑی کوئی چیز سوائے سات سو درہم کے کہ ان مہموں سے خادم خریدنے کا ارادہ رکھتے تھے اور وہ قبض کئے گئے اس رات میں جس میں اوپر لے جایا گیا روح اللہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو، یعنی رمضان المبارک کی ۱۷ رات۔

اور ابن سعد کی دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے کوئی سونا، چاندی نہیں چھوڑا، سوائے سات سو درہم کے، جو ان کے وظیفے سے بچ گئے تھے۔

ابو یعلیٰ ابن جریر اور ابن عساکر نے حضرت حسنؑ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضرت حسنؑ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: اما بعد! اللہ کی قسم تم نے قتل کر دیا آج کی رات اس آدمی کو، اس رات میں جس میں قرآن نازل ہوا تھا اور جس میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو اٹھایا گیا اور جس میں حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو قتل کیا گیا، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم تھے اور جس میں بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہوئی۔

طبرانی نے ابو یعلیٰ سے ایک اور روایت نقل کی ہے، اس میں یہی روایت ہے، آگے اتنا اضافہ ہے کہ: پھر آپؑ نے فرمایا: جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہے اور جو مجھے نہیں جانتا میں

اسے بتانا چاہتا ہوں کہ میں حسن بن محمد ہوں (مسی اللہ علیہ وسلم) پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قول ہے: ”اور میں نے جیروی کی اپنے باپ (ارادہ ابراہیم، احمق اور یعقوب) (یوسف الصلوٰۃ والسلام) کے مذہب کی۔“ پھر قرآن کریم کی تلاوت فرماتے رہے، اس کے بعد فرمایا: میں بشیر کا بیٹا ہوں، میں نذیر کا بیٹا ہوں، میں نبی کا بیٹا ہوں، میں واثی امی اللہ کا بیٹا ہوں، میں سرایا منیراً کا بیٹا ہوں، میں اس ذات کا بیٹا ہوں جن کو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا گیا تھا، میں انا اہل بیت میں سے ہوں جن سے اللہ تعالیٰ نے رحمت اور گندہی کو دور کر دیا، اور ان کو خوب پاک کر دیا اور میں اس اہل بیت کا فرد ہوں جن پر اللہ عز و جل نے ان کی دوستی اور ولایت کو تم پر فرض کر دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا مگر اتنا کہتا ہوں کہ قرابت کی دوستی کا لحاظ رکھو۔“

خلافت راشدہ کا تہذیب:

خلفہ راشدین چار ہیں، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ عنہم اور پانچویں خلیفہ راشد حضرت حسن بن علی ہیں، امام حسنؑ اور ان کی خلافت حقیقت میں تہذیب خلافت راشدہ تھی، وہ چھ مہینے خلیفہ رہے، چالیس کا سن ہونے میں چھ مہینے باقی تھے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا جیسا کہ اس سے پہلے آچکا ہے، لوگوں نے آخری وقت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کے صاحبزادے کو آپ کا جانشین بنادیا جائے؟ یعنی حضرت حسنؑ کو۔ حضرت علی رضی اللہ

عہد نے فرمایا: نہ میں اس کا تمہیں حکم کرتا ہوں اور نہ اس سے منع کرتا ہوں۔ آپؐ سے کہا گیا کہ: آپؐ کسی کو اپنی جگہ تاحزو کر جائیں، فرمایا: میں کسی کو تاحزو نہیں کرتا۔ میں تمہیں اسی طرح چھوڑ کر جانا چاہتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چھوڑ گئے تھے، ہر کیف حضرت علیؑ کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے نواسے ہیں، سبط اکبر ہیں، ان کو خلیفہ بنایا گیا، اور یہ خلیفہ تھے اس حصہ پر جس حصے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکومت تھی اور اس وقت ملک کا بیشتر حصہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر نگیں آچکا تھا، چھوڑا اس حصہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس رو گیا تھا، پھر مہینے کے بعد جبکہ چالیس کا سن پورا ہوا تو اکتالیسویں سال میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنی اور حکومت ان کے سپرد کر کے خود دستبردار ہو گئے، اس لئے اکتالیسویں سن کو اسلامی تاریخ میں عام الجساع کہا جاتا ہے حتیٰ وہ سال جس میں سارے مسلمان متفق ہو گئے اور دگرودہ اور دو جماعتیں نہیں رہیں۔

حضرت حسنؑ کی حضرت معاویہؓ سے صلح:

صحیح بخاری کی حدیث ہے، اور یہ حدیث شیعہ کتابوں میں بھی موجود ہے، جس کو میں نے "شیعہ کی اختلافات اور صراطِ مستقیم" میں نقل کر دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا تھا، جبکہ حضرت حسنؑ بچے تھے، فرمایا:

”إِنِّي هَذَا نَبِيٍّ، وَلَقَدْ قَالَ اللَّهُ أَنِّي يُصْلِحُ بِهِ بَيْنَ

فَتَنَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔“ (صحیح بخاری ج ۱، ص ۵۳۰)

ترجمہ: ”یہ میرا پیٹا سید ہے، مجھے اللہ تعالیٰ سے

امید ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو جماعتوں

کے درمیان جوڑ پیدا کر دیں گے اسے صلح کر دیں گے۔“

میں نے شیعہ کی مستند کتابوں کے حوالے سے اس میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی تو ایک تحریر لکھ کر دی تھی:

”هَذَا مَا ضَالِحٌ عَلَيْهِ خَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَمُعَاوِيَةُ بْنُ

سُفْيَانَ“

ترجمہ..... ”یہ وہ تحریر ہے جس پر کہ حسن بن علی اور

معاویہ بن سفیان نے صلح کی۔“

یعنی یہ وہ معاہدہ ہے کہ حضرت حسن حکومت سے دستبردار ہوتے ہیں اور حکومت حضرت معاویہ کے سپرد کرتے ہیں اور یہ ہے کہ ان سے عہد لیتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کریں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی چوہ ماہ خلافت یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ترجمان تھا، اس لئے خلفائے راشدین چار ہی کہلائے ہیں، مشہور چار خلفائے راشدین ہیں اور حضرت حسن کو بھی خلفائے راشدین میں بائیں معنی شامل کیا جاتا ہے کہ ان کی خلافت ان کے والد حضرت علی کی خلافت کا ترجمان ہے۔

حضرت علی کا مقام:

امیرہ کہتے ہیں کہ جب حضرت علی کا انتقال ہوا مہینہ کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ فجر کی نماز کے وقت عبدالرحمن بن ملجم نے حضرت علی پر حملہ کیا تھا اور اس سے وہ زخمی ہو گئے تھے، رات میں جا کے انتقال ہو گیا، تو حضرت حسن مہاجر پر تشریف لے گئے اور خطبہ پڑھا اور اس میں فرمایا:

”لوگو! آج رات ایک ایسے آدمی کا انتقال ہو گیا ہے

کہ پہلے لوگ اس سے آگے نہیں نکلتے تھے اور پچھلے لوگ نہیں پا

سکس ہے۔“

بالکل صحیح فرمایا، یہ آخری خلفائے راشدین و خاتمہ الخلفائے المہدیین تھے۔

خلفائے راشدین کا درجہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اس صف کے آدمی تھے، جب ایک لائن میں امام کے پیچھے کھڑے ہوں، تو ایک آدمی بھی ان میں سے آگے نہیں ہیں اور نہ پیچھے، یہ حضرات اپنے اپنے درجے کے اعتبار سے الگ الگ ہیں لیکن صف ایک ہے، یہ چاروں خلفائے راشدین اپنے اپنے مراتب اور اپنی اپنی افضلیت کے باوجود ایک لائن کے اور ایک صف کے آدمی ہیں اور وہ صف خلافت راشدہ کی صف ہے، اس لئے پہلے لوگوں میں سے ایک آدمی بھی اس سے آگے نہیں نکل سکا کہ اس سے اگلی صف میں چلا جائے، آگے صف بھی نہیں ہے، آگے تو امام کا صلی ہے، اور امام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ کے پیچھے سب سے پہلی صف خلفائے راشدین کی ہے۔

پوری امت کے اولین اہل کرمیابی کی شان کا مقابلہ نہیں کر سکتے:

فرمایا کہ پچھلوں میں سے ان کو کوئی پائیں سکے گا، یہ بات بھی بالکل سچا ہے، ساری امت کے اولین ائمہ، جبرائیل علیہ السلام، شاد عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ، خواجہ مصطفیٰ الدین چشتی رحمہ اللہ، صرف اس سطح کے بزرگ نہیں بلکہ اس سے بھی اوپر کے امام حسن بصری، امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور دوسرے اکابر تابعین، یہ سارے کے سارے مل جائیں، کسی ایک صحابی کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتے۔

مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے اور یہ صحیحین کے حوالے سے یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالے سے ہے:

”ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ فَيَغْزُو فِتْنَامٌ مِنَ النَّاسِ فَيَقُولُونَ: هَلْ فِيكُمْ مَنْ صَاحَبَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمْ! فَيُفْتَحُ لَهُمْ. ثُمَّ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ فَيَغْزُو فِتْنَامٌ مِنَ النَّاسِ فَيَقَالُ: هَلْ فِيكُمْ مَنْ صَاحَبَ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمْ! فَيُفْتَحُ لَهُمْ. ثُمَّ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ فَيَغْزُو فِتْنَامٌ مِنَ النَّاسِ فَيَقَالُ: هَلْ فِيكُمْ مَنْ صَاحَبَ مَنْ صَاحَبَ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمْ! فَيُفْتَحُ لَهُمْ. مُنْفَقٌ عَلَيْهِ.“ (مشکوٰۃ ص: ۵۵۳)

ترجمہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: لوگوں پر ایک وقت آئے گا کہ ایک مجاہد فوج جہاد کے لئے جائے گی (کافروں سے مقابلہ ہو رہا ہے اور صورتحال پیچیدہ ہو رہی ہے) تو لوگ کہیں گے: (علاش کرو) تم میں کوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہے؟ (یعنی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو، جس کی ظاہری نظر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ الور پر پڑی ہوں، کوئی ہے تم میں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تلاش کرنے پر ایک آدمی مل جائے گا، جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیع الور کے جمال جہاں آرا کو دیکھا تھا) لوگ کہیں گے: جی ہاں! (لوگ اس کے طفیل سے دعا کریں گے کہ یا اللہ! یہ حیرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، ان کی برکت سے ہمیں فتح عطا فرماوے۔۔ ناقل) پس اللہ

تو فی فتح عطا فرمادیں گے۔ اس کے بعد ایک اور فوج جائے گی
 کافروں کے مقابلہ میں (یہاں بھی بنی سو رحمان پیچیدہ ہوگی) تو
 لوگ کہیں گے کیا تم میں سے کوئی ایسا آدمی ہے جس نے حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دیکھنے والے کو دیکھا ہو؟ (اس کو تاہی
 کہتے ہیں، کوئی ایسا خوش نصیب انسان جس نے صحابہ کرام کی
 زیارت کی ہو، فرمایا: تلاش کرنے پر دو مل جائے گا، اس کے طفیل
 سے لوگ دعا کریں گے۔ نقل) اور اللہ اس کو فتح عطا فرمائیں
 گے۔ پھر ایک تیسرا لشکر جائے گا (کسی زمانے میں ان کافروں
 سے مقابلہ ہوگا) تو لوگ کہیں گے تم میں سے کوئی ایسا آدمی ہے
 جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کے دیکھنے
 والوں کو دیکھا ہے؟ (یعنی صحابہ کے دیکھنے والوں کو دیکھا ہو،
 تابعین میں سے کسی کو دیکھا ہو، ان کو کہتے ہیں تابعین، فرمایا
 حاشا کرنے پر مل جائے گا، لوگ اس کی برکت سے دعا کریں
 گے فتح کی، اللہ تعالیٰ ان کو فتح عطا فرمادیں گے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ ساری امت کے اولیاء اور اکابر مل کر، کسی صحابی کے
 ساتھ قدم ملا کر نہیں چل سکتے، چل ہی نہیں سکتے، لیکن اب نہیں اور سارے صحابہ کرام مل
 جائیں تو حلقے راشدین کو نہیں پہنچ سکتے، تو بعد والے حضرت جن کو کیسے مل جائیں
 گے؟

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا موازنہ:

شیعوں کی کتاب ہے "نسخ ابانہ" جس کو سید شریف رضی نے جمع کیا ہے،
 اس میں کتب بہت کی گئی ہے لیکن خیر اس میں امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا

ایک خط نقل یہ ہے (اور اس کو بھی میں نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے)، جس کا ترجمہ یہ ہے: ”زمانے کی ہوالجھی دیکھو کہ میرے مقابلہ میں معاویہؓ کو لایا جاتا ہے۔“ اور واقعی یہ ہوالجھی تھی زمانے کی، کوئی شک نہیں، کہیں حضرت علیؓ اور یہاں حضرت معاویہؓ، دونوں کا کوئی جوڑ نہیں ہے، سچی روئے ہیں اس میں شک نہیں ہے لیکن امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ "السا بقون الاولون" میں سے ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں میں سے ہیں، جن کو ظاہر کہا جاتا ہے، کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَفْطَبُوا فَاَتَتْهُمُ الطَّلَقُ۔" (یعنی جاؤ تم سب آزاد ہو)، بالکل صحیح فرمایا، بالکل بجا ارشاد فرمایا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی کریم اللہ وجہہ کے ساتھ جوڑنا، ان کا ان کے ساتھ موازنہ کرنا، زمانے کی ستم ظریفی اور ہوالجھی ہے، بھائی! ان دو آدمیوں کو تو لا جاتا ہے جن کے درمیان دو قدریں مشترک ہوں، دونوں کا باپ تو ایک ہو۔

حضرت معاویہؓ اور بعد کے لوگوں کا موازنہ:

میں نے حضرت امیر المؤمنینؓ کے اس قول کی شرح کرنے کے بعد لکھا کہ جس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں لانا اور ان سے موازنہ کرنا، زمانے کی ستم ظریفی اور ہوالجھی ہے، اسی طرح بعد کے لوگوں کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے برابر لانا اور ان سے موازنہ کرنا یہ بھی ستم ظریفی اور ہوالجھی ہے، بعد کے لوگوں کا حضرت معاویہؓ سے کیا مقابلہ؟ تو حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ آج رات دو آدمی اللہ کو پورا ہو گیا کہ پہلے لوگ اس سے آگے نہیں نکل سکے، ایک اسی صف میں کھڑے ہیں، مرتبہ کے اعتبار سے عند اللہ آگے پیچھے ہوں گے، مگر ہم تو سب کو ایک لائن میں کھڑا دیکھتے ہیں، چاروں ایک لائن میں کھڑے ہیں اور پچھنے لوگ اس کو پا نہیں سکتے، پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ان کو بھیجتے تھے کسی بہم پر، یعنی جہاد کے لئے تو دائیں جانب جبرائیل ہوتے تھے اور بائیں جانب میکائیل ہوتے تھے اور وہ آتے تھے تو فتح کر کے آتے تھے۔
فتح خیبر کا قصہ:

حضرت محی رضی اللہ عنہ خیبر کی جہاد سے مشہور ہیں، خیبر کا دروازہ توڑنے والے تھے۔ لوگوں نے کچھ اس میں اپنی طرف سے بھی ملادیا ہے، مگر بھی دیتے ہیں زیب و استر کے لئے، لیکن اتنی بات ہے کہ خیبر کا قلعہ فتح نہیں ہوا، پہلے دن حضرت ابو بکرؓ کو بھیجا گیا مگر قلعہ فتح نہیں ہوا، دوسرے دن حضرت عمرؓ کو بھیجا گیا مگر قلعہ فتح نہیں ہوا، ایک دن میں فتح نہیں ہوا کرتا، بعض دفعہ کسی قلعے کو فتح کرنے میں مہینوں لگ جاتے ہیں، پہلے دن تو یوں کہو کہ تدبیروں میں گزار جاتے ہیں کہ کس طرح کیا جائے، تو شیخینؓ نے جو کچھ کیا تھا وہ امیر المؤمنینؓ کے لئے کیا تھا، ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”لَا عَظِيمَ هَذِهِ الرَّابَّةُ وَجَلَا يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَيَّ يَدِيهِ
يَجِبُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَيُجِبُهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ... قَالَ فَلَمَّا
أَصْبَحَ النَّاسُ عَدُّوا عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كُلُّهُمْ يَرْجُو أَنْ يُعْطَاهَا فَقَالَ آيُنَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ؟
فَقَالُوا: هُوَ يَا رَسُولَ اللَّهِ يُشْكِي عَيْنَهُ قَالَ: فَارْشَلُوا
إِلَيْهِ، فَأَتَنِي بِهِ فَبَصَّقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي
عَيْنِهِ وَدَعَا لَهُ فَبَرَأَ عَنِّي كَانَ لَمْ يَكُنْ بِهِ وَجَعٌ فَأَعْطَاهُ
الرَّابَّةَ ... قَالَ: ثُمَّ أَدْعَاهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ ... فَوَاللَّهِ
لَأَنْ يُهْدِيَ اللَّهُ بِكَ وَجَلَا وَاجِدًا خَيْرَ لَكَ مِنْ أَنْ
يَكُونَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ“ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۹)

"وَقُلْنِي وَزَايَةَ قَالَ إِبْرَاهِيمُ وَلَا تُلْقِيْنِي حَتَّى يَفْتَحَ اللَّهُ
عَلَيْكَ قَال فَسَارَّ عَلَيْنِي فَمِنْ أَيْنَ لَوْ أَنِّي لَبْتُكَ فَقُضِيَ
بِأَرْسُولِ اللَّهِ عَلَيَّ مَاذَا أَقَابِلُ النَّاسَ؟ قَالَ: قَاتِلْهُمْ حَتَّى
يُشْهِدُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ.... الخ."

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۹)

ترجمہ: "میں نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ تم میری بیوی اور اس کے رسول کے رسول سے محبت رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس سے محبت رکھتے ہیں، جب صبح ہوئی صحابہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور ہر ایک نے اس امید میں تھا کہ جہنم اس کو دیا جائے گا، توگ سر اوٹھا کر کے دیکھنے لگے کہ کس کو دیا جاتا ہے، (اور امیر المؤمنین عمرؓ فرماتے ہیں کہ: "وَاللَّهِ مَا أَخْبَيْتُ إِلَّا خَافَةَ إِلَّا يُؤْتِيهِ" اللہ کی قسم! میرے بچنے کی کبھی خواہش پیدا نہیں ہوئی تھی، سوائے اس دن کے، تو لوگ گردن اونچائی کر کے دیکھنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ہم پر پڑے، آپؐ نے نظر دوڑائی) اور فرمایا: "اِنَّ عَلَيْنِي" اے علی کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! ان کی تو آنکھیں پھوٹی ہوئی ہیں، آشوب چٹھر ہے، آنکھیں دکھتی ہیں، فرمایا: ان کو لاؤ، ان کے خیمے سے ایک آدمی ان کا بازو پکڑ کر لایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو فرمایا: قریب ہو جاؤ! معترت علی رضی اللہ عنہ قریب ہو گئے، احباب مبارک نے کر دھوئی آنکھوں پر لگایا، امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! اسی لمحہ آنکھیں ٹھیک ہو گئیں، اور

پھر ساری محکمہ مجھے آنکھوں کی شکایت نہیں ہوئی۔ لہذا ان کے ہاتھ میں دیا، اور فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ سے ایک آدمی کو ہدایت عطا فرمادیں، تو یہ میرے لئے سربا اوتوں سے بھر ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھنا، حضرت علیؓ میں ہے، ہاتھ لٹکاتے، ابھی چند قدم پہنچے تھے کہ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کو بات پوچھنے کی ضرورت پیش آئی، مگر اسی طرف ہے پیچھے نہیں لوٹے، کہنے لگے یا رسول اللہ! اس بات پر لوگوں سے قیاس کروں؟ آپ علیؓ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ اللہ کے عاودہ کوئی معبود نہیں... الخ۔“

تو کوئی شک نہیں کہ اللہ کے فرشتے ان کے دائیں بائیں ہوتے ہوں، یہ جہاں کہہ سکتے تھے اور بھی ایسا نہیں ہوا کہ میں اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کسی چیز پر بھیج دیا اور اللہ نے فرشتے عطا فرمائی ہو۔

حضرت علیؓ کو شیخین پر فضیلت:

یہاں بھی تو یہ دہم نہیں ہونا چاہئے کہ شیخین پر فضیلت ثابت ہوئی، ان پر اتر بحث کروں گا تو بات بہت لمبی ہو جائے گی اور میں یہاں سے دوسری طرف نکل جاؤں گا، بہر حال ایک خاص فضیلت جو اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو عطا فرمائی ہے، اس کا نہ دوسروں سے مقابلہ ہے اور نہ اس سے ان کا ان کا بر سے بے نیل ہونا لازم ہے۔

فضیلت شیخین اور حضرت علیؓ:

میں پہلے بتا چکا ہوں کہ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کو کئے مہر پر چنے کر اپنے

امیر المؤمنین ہونے کے زمانے میں فرمایا کرتے تھے کہ:

"إِنْ خَيْرٌ هَذِهِ الْأُمَّةُ بَعْدَ نَبِيِّهَا يُؤَيِّدُكُمْ وَغَضَرُ"

(الہدایہ، النہایہ ج ۸ ص ۱۲)

ترجمہ: "... اس امت میں سب سے افضل ترین

انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ ہیں۔"

اور میں نے یہ بھی نقل کیا تھا کہ منبر سے اترتے ہوئے فرمایا: "قُولُوا شَيْئًا"

أَقُولُ ثَالِثًا: "اگر میں چاہوں تو تیسرے کا نام بھی لے سکتا ہوں، کسی نے پوچھا ہوگا

کہ وہ تیسرا کون ہے؟ فرمایا: "عثمان۔"

محمد بن حنفیہ ان کے صاحبزادے ہیں، ان کا قول بھی نقل کر چکا ہوں کہ:

"قُلْتُ لِأَبِي أَيْ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: أَبُو بَكْرٍ! قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ:

عُمَرُ! وَخَبَيْتُ أَنْ يَقُولَ عُثْمَانُ، قُلْتُ: ثُمَّ أَنْتَ! قَالَ: مَا

أَنَا إِلَّا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ." (بخاری ج ۱ ص ۵۱۸)

ترجمہ: "میں نے اباجون سے پوچھا کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل آدمی کون ہے؟

حضرت علیؓ نے فرمایا: (بے تم جانتے نہیں؟ میں نے کہا: نہیں!)

حضرت ابوبکرؓ! میں نے کہا پھر کون افضل ہیں؟ فرمایا عمر! میں

نے کہا اگر پھر میں نے "ثُمَّ مَنْ؟" کہہ دیا کہ اور کون؟ تو یہ

حضرت عثمانؓ کا نام لیں گے، اس لئے میں نے سوال بدل دیا

اور کہا: "ثُمَّ أَنْتَ؟" پھر آپ؟ فرمایا: میں تو مسلمانوں کی

جماعت کا ایک آدمی ہوں۔"

یہ حضرت عیسیٰ رضی اللہ عنہ کی تواضع تھی (میں مسلمانوں کی جماعت کا ایک

آدی ہوں، میری کیا بات)۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے افضلیت کا تاج تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سر پر سجایا ہے، مگر ان کے افضل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے سے افضلیت کی نئی ہو رہی ہے۔

حضرت علیؓ کا زہد:

اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ دنیا سے اس شان سے مجھے ہیں کہ صرف سات سو درہم باقی تھے اور یہ ان کے عصبے میں سے باقی تھے اور وہ بھی ایک خادم خریدنے کے لئے رکھے تھے، یہ حضرت امیر المؤمنینؓ کا زہد تھا، کوئی چیز ساتھ نہیں تھی، یہ سات سو درہم کسی ضرورت کے لئے رکھے تھے، ورنہ ان کو بھی نمنا دیتے، جیسے سن سے پہلے دونوں بھائیوں نے نمنا دیئے تھے۔

شیخینؓ کا زہد:

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جس دن گئے ہیں، دامن جہاد کر گئے ہیں، حضرت ابوبکرؓ کا معمول شریف یہ تھا کہ ہر مہینے بیت المال میں جہاد و دوا دیتے تھے کہ کوئی چیز پڑی نہ رہے، آپؓ کو معلوم ہے یہ تو پیسے آچکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو روز کے روز نمنا دیتے تھے، اگلے دن کے لئے نہیں رکھتے تھے، یعنی مسلمانوں کے دل سے بھی اسی دن نمنا دیتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زہد:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن کروٹیں بدلتے رہے تھے، نیند نہیں آرہی تھی، میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا بات اور کیا پریشانی ہے؟ تنگی کے نیچے سے سات درہم نکالے (سات تھے یا کم و بیش تھے)، فرمایا کہ: یہ آج خرچ ہونے سے رو گئے ہیں، اور مجھے قمر کب رہی ہے کہ اگر اسی رات میں میرا انتقال ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھائیں گا کہ نبی صاحب

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ
مُسْلِمٍ يَمُوتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَفَاهُ اللَّهُ
فِيهِ الْفَيْزُ.“ (مشکوٰۃ ص ۴۱)

ترجمہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا شب جمعہ میں یا جمعہ کے دن میں جس مسلمان کا انتقال
ہو، اگر اسے قبر کا صواب، کتاب نہیں دیا، لا الہ الا اللہ تعالیٰ نصیب
فرمائے، انہی موت نصیب فرمائے اور موت کے لئے اچھا وقت
نصیب فرمائے یہ شخص اللہ تعالیٰ کی دعا ہے۔“ (قل ۱۰)

حیات و رفیع حسین علیہ السلام:

دوسرا مسئلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اٹھنا یا نہ اٹھنا اس مسئلے میں مسلمانوں کو
مرزائی بہت دھوکہ دیتے ہیں۔ مسلمانوں کی عام فہم میں یہ مسئلہ بھی نہیں آتا، نہ کبھی
دھوکہ میں، نہ کبھی منہ پر، اس کا تذکرہ ہی نہیں آتا مسلمان غالی اللہ تعالیٰ ہوتے ہیں،
مرزائی کہتے ہیں کہ جی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ و آسمان پر اٹھالیا،
ایضاً اور ساتھ ہی کہتے ہیں کہ سوالیٰ تو کہتے ہیں اٹھالیا، لیکن سوال یہ ہے کہ کیسے
اٹھالو؟ اس طرح اٹھ سکتے ہیں؟ جدید سائنس تو یہ بھی ہے کہ آسمان ہے ہی نہیں۔

قادیانی و عقل:

ہمارے عزم ہے کہ ہر قسم کی چیز سے واقف نہیں، کہتے ہیں کہ جہلی
آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے اور قادیانی یہ بھی کہتے ہیں کہ انھیں ان نوازوں کا عقیدہ
جیسا یوں عوام ہے، جیسا ہی بھی کہتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کے پہلو میں جا کر بیٹھ گیا اور
یہ سنا بھی یہی کہتے ہیں (نہو با اللہ! استغفر اللہ!)

کیا بات یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

بھانے کے لئے زمین میں کوئی جگہ نہیں ملی تھی کہ اللہ پاک ان کو آسمان میں لے گئے۔ جو شخص کافر ہو، وہ جو چاہے بکھارے۔

حیات و رفیع الی السماء کا عقیدہ قرآن و سنت سے ثابت ہے:

میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کا مسئلہ، مولوی کا مسئلہ نہیں ہے، قرآن کا مسئلہ ہے، حدیث شریف کا مسئلہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک تمام بڑے بڑے علمائے امت و اکابرین کا مسئلہ ہے، ایک عالم کا، ایک بزرگ کا بھی اس میں اختلاف نہیں ہے۔

حیات عیسیٰ اور قرآن:

ساتویں پارے کے شروع میں جو پہلا رکوع چلتا ہے، اس میں بنی اسرائیل پر، یہودیوں پر اللہ تعالیٰ نے کئی فرد جرم عائد کئے ہیں، ایک نمبر، دو نمبر، تین نمبر، چار نمبر، ایسے چلتے گئے۔ اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وَوَعَدْنَاهُمْ إِنَّا فَعَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ وَنُؤْتِيهِ الْهَلْوَ" ان پر ایک فرد جرم یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ ہم نے قتل کر دیا عیسیٰ بن مریم رسول اللہ کو، (نعوذ باللہ من ذالک)، قرآن کریم نے یہ ان کا دعویٰ نقل کیا، اس کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ هُبِنَ لَهُمْ وَإِنَّ
الْبَدِيعَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَقِيَ شَكَّ فَتَنَهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا
اتِّبَاعَ الظُّلُمِ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ
غَزِيرًا خَكِيمًا" (المائدہ ۱۵۷، ۱۵۸)

ترجمہ: "..... انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا، نہ
سولی پر چڑھایا، بلکہ ان کو ہتھیار ہو گیا، جو لوگ اس مسئلہ میں

اختلاف کر رہے ہیں وہ خود شک میں پڑے ہوئے ہیں، ان کو کوئی علم نہیں حقیقت حال کا، محض انکل بچہ خیالات کی پیروی کر رہے ہیں، (بتا دیا کہ ان کو علم نہیں جو کچھ بھی ان کی کوئی رائے دہی ہے، محض انکل بچہ ہے، اس کی بنیاد یقین پر نہیں ہے اور اسے پھر دہرائے ہیں) اور فرماتے ہیں: انہوں نے قتل نہیں کیا عیسیٰ علیہ السلام کو یقینی طور پر، بلکہ اٹھالیا ان کو اللہ نے اپنی طرف اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔“

ہمارے حضرت مولانا نور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ کوئی تشریح نہ کرے آیت کی اپنی طرف سے، ایک عام مسلمان کے سامنے اس آیت کو پڑھو اور پڑھ کر اس سے پوچھو کہ کیا مطلب سمجھ اس آیت کا؟ انہوں نے قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے ماردیا ہے، کیا آیت کا یہ مطلب ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انہوں نے قتل نہیں کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قطعی طور پر، یقینی طور پر، بلکہ اللہ نے اٹھالیا ان کو اپنی طرف۔ ہم نے نہیں اللہ نے اٹھالیا:

دینی یہ بات کہ کیسے اٹھالیا؟ اور وہ آسمان پر کیسے جاسکتے ہیں؟ بھائی! ہم نے سب کہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام خود گئے تھے، ہم تو کہتے ہیں کہ اٹھالیا تھا، یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ اٹھا سکتا ہے کہ نہیں؟

رفع کی حکمت:

اور یہ دعویٰ کرنا کہ ان کے بچانے کے لئے کیا زمین پر کوئی جگہ نہ ملی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ملی ہوگی لیکن اللہ کو منظور ہی یہ ہوگا کہ وہاں رکھیں، چنانچہ فرمایا: اور اللہ تعالیٰ ہے بہت بڑا زبردست اور بڑی حکمت والا، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سارے اعتراضات کا جواب دے دیا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زندہ و بچدہ آسمان

پراغھایا جاتا، قرآن کا مسئلہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ ہے، تمام صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے اور پوری امت کا اس پر اجماع ہے۔ اب اگر کوئی اس کو نہیں مانتا ہے، اور دو کفر کی ولایت میں گرنا چاہے تو گرے، لیکن اسلام کا مسئلہ یہ ہی رہے گا۔

رفع عیسیٰ کے منکر معراج کے منکر کیوں نہیں؟

یہ لوگ کہتے ہیں کہ جیسے اٹھایا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو یہ بتایا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر کیسے تشریف لے گئے تھے؟ مشہور قصہ ہے کہ ایک کافر نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا تھا کہ وہ تمہارے دوست دعوئی کرتے ہیں کہ وہ اوپر تشریف لے گئے تھے، تو فرمایا کہ وہ کہتے ہیں تو ٹھیک ہی کہتے ہیں، کہا کہ جیسے ٹھیک کہتے ہیں؟ وہ اوپر کیسے جا سکتا ہے؟ تو فرمائیے کہ ہم اس سے بڑی بات کو مانتے ہیں کہ اوپر دولے ان کے پاس آتے ہیں، تم عجیب آدمی ہو، یہ تو پھوٹی بات ہے کہ ان کو اوپر لے گئے، ہر تو اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام ان کے پاس آتے ہیں، کیا فرشتے نہیں آتے؟ تو جو اللہ تعالیٰ جبرائیل و میکائیل اور دوسرے ملائکہ کو ان نبیوں کے پاس بھیج سکتا ہے وہی نبیوں کو اگر اوپر لے جانا چاہے تو کیوں نہیں لے جا سکتا؟

اسی پر بس سرتہ ہوں۔

وآخر دعوانا انہ (لحمہ فہم ارس) انعام



دو بڑے بد بخت!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رحمہ اللہ (سلا) علی عارۃ (نزدک ارضعنی)!

”عن عبد اللہ بن سبیح قال حفظنا علی رضی اللہ عنہ فقال: وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبْلَ وَبَرَأَ الْمُسَخَصِ لَتُحْضِرُنَّ مِنْ هَذِهِ. قَالَ: قَالَ النَّاسُ فَأَعْلَمْنَا مِنْ هُوَ؟ وَاهِ لَنَسِيرٍ جَنَّتِهِ. قَالَ: ائْتَدُّكُمْ بِاللَّهِ نِي يَقْتُلُ غَيْرَ قَاتِلِي قَاتِلُوا. إِنَّ نَحْنُ قَدْ غَلَبْتُ ذَٰلِكَ سَتُخَفِّفُ إِذَا. قَالَ: لَا؟ وَلَكِنْ ائْتَدُّكُمْ إِلَيَّ مَا وَكَلَكُمْ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ (سند احمد ج ۱ ص ۱۵۶)

ترجمہ: ”عبداللہ بن سبیح رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں خطاب دیا اور فرمایا اس ذات کی قسم جس نے دانے کو چیرا اور روح کو پیدا کیا ہے، الیہ تکلیم ہو جائے گی یہ (اورھی) اس (مردن کے خون) سے، لوگوں نے کہا ہمیں بتائیے کون ہے؟ ہم اس کی سل اولاد کو بھی ہلاک

کر دیں گے۔ فرمایا: تم کو قسم دیتا ہوں اللہ کی کہ میرے قاتل کے سوا کسی دوسرے کو قتل نہ کیا جائے، انہوں نے کہا: اگر آپ کو علم ہو گیا ہے اس کا تو پھر کسی کو اپنا جانشین بنادیتے، فرمایا: نہیں! لیکن میں تم کو سپرد کرتا ہوں اسی چیز کی طرف جس کے سپرد کیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔“

حضرت علیؑ کا خطبہ:

یہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا آخری دنوں کا خطبہ ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک مشہور قول کے مطابق ۶۳ سال ہو گئی تھی، ایک دن اپنے رفقا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کتنی تھی؟ رفقا کہنے لگے: ۶۳ سال! فرمایا: اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی؟ کہا: ۶۳ سال! اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی؟ کہا: ۶۳ سال، پھر فرمایا: میرے بھی ۶۳ سال پورے ہو رہے ہیں۔

حضرت علیؑ کو اپنی شہادت کی پیشگی اطلاع:

پھر آپؑ نے منبر پر خطبہ دیا اور اس خطبے میں یہ بات بھی ارشاد فرمائی کہ اللہ کی قسم اسی گردن کے خون سے یہ داڑھی رنگین ہو جائے گی، لوگوں نے کہا کہ آپؑ بتائیے ایسا کون شقی ہے، ہم اس کے پورے گھرانے کو ہلاک کر دیں گے، فرمایا: میں تم کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ میرے قاتل کے سوا کسی کو کچھ نہ کہا جائے، لوگوں نے کہا کہ جب آپؑ کو قرب اجل کا پتہ چل گیا ہے کہ اب وقت قریب آیا جاتا ہے تو کسی کو اپنا جانشین مقرر کر دیجئے اور خلیفہ بنادیتے، فرمایا: نہیں! میں تمہیں اسی حالت کے سپرد کرتا جاتا ہوں جس حالت کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سپرد کر کے گئے تھے، یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو متعین طور پر صراحت کے ساتھ خلیفہ بنا کر نہیں گئے تھے، بعد میں ہم نے بنایا۔

حضرت علیؑ کی شہادت کی خوشخبری:

اب اس خطبہ شریف میں چند چیزیں قابلِ غور ہیں، ایک حضرت امیر المومنینؑ کا یہ کہنا کہ اللہ کی قسم یہ داڑھی اس خون سے رنگین ہو جائے گی، یہ علم ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تھا، کیونکہ متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا تھا کہ:

”عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ:
اتَّبِعْنِي مَنْ أَتَّبَعَنِي أَتَّبَعَنِي الْأَوَّلِينَ؟ قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ! قَالَ:
غَائِرُ النَّافَةِ. قَالَ: أَتَّبَعْنِي مَنْ أَتَّبَعَنِي الْأَخِيرِينَ؟ قُلْتُ: اللَّهُ
وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ! قَالَ: قَبْلَكَ.“ (قرطبی ج: ۴ ص: ۷۹)

ترجمہ: ”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (اے علی!) کیا تو جانتا ہے کہ سب سے پہلا بد بخت کون ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: دو اونٹنی کی کوچیں کاٹنے والا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: (اے علی!) کیا تو جانتا ہے کہ سب سے آخری بد بخت کون ہے؟ میں نے کہا کہ: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: حیرا قاتل!“

دنیا کا بڑا بد بخت:

گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا کے سب سے بڑے بد بخت دو ہوئے ہیں، ایک حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کرنے والا، اس کی کوچیں کاٹنے والا، یہ سب سے بڑا بد بخت تھا جس نے اپنی پوری قوم کے لئے عذاب الہی کو

دعوت دی، خود بھی مرا، قوم بھی مری جبکہ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو آگاہ کر دیا تھا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: "لَقَدْ آتَيْنَاهُم بَقَرَةً مِّنْ لَّدُنَّا فَيَكْفَرُونَ بِهَا وَيَقُولُونَ إِنَّا نُفْسُهَا" (القصص: ۱۳) پس کہا ان کو اللہ کے رسول نے یہ اللہ کی خاص عطا کی ہوئی اونی ہے اس کو تکلیف اور گزند پہنچانے سے بچ، اور اس کی پانی کی باری کے معاملہ میں بھی ڈرو، اس کو روکو نہیں۔

تو سب سے بڑا بد بخت اٹھا اور اس نے اپنے رکھتا کے ساتھ مل کر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اس کو قتل کر ڈالا۔

اور دوسرا سب سے بڑا بد بخت وہ ہوگا جو تیری اس داڑھی کو اس گردن کے خون سے رنگین کرے گا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتا دیا تھا اور حضرت امیر المؤمنین محسن فرماتے تھے کہ اس کا اب وقت آگیا ہے اس لئے خطبے میں یہ بات ارشاد فرمائی۔

بڑا بد بخت کیوں؟

اب رہی یہ بات کہ یہ سب سے بڑا بد بخت کیوں ہے؟ واللہ اعلم! اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ابھی بتایا تھا کہ وہ بد بخت جس نے ناقہ صالح کو قتل کیا تھا اس نے اپنی پوری قوم کے لئے اللہ کے عذاب کو دعوت دی تھی، اور اس دوسرے بد بخت عبدالرحمن ابن ملجم خارجی نے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شہید کر کے خلافت نبوت کا خاتمہ کر دیا۔

خلفائے راشدین چار ہیں، حضرات ابوبکر، عمر، عثمان و علی رضی اللہ عنہم، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت جو چھ مہینے رہی یہ حضرت علیؑ کی خلافت کا ختم تھا، اس بد بخت نے حضرت امیر المؤمنین خلیفہ راشد کو شہید کر کے امت کو خلافت نبوت سے محروم کر دیا، کچھ وہ بد بخت تھے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور

حضرت عثمانؓ کو شہید کرنا، سب سے پہلا رخنہ تھا جو اسلام کی دیوار میں ڈالا گیا اور آخری رخنہ جو خلافتِ نبوت کی پائی راہی تھی اس کو حضرت علیؓ کی شہادت سے ختم کر دیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہایت پابست زمانہ تھا اور تمام سعادتمندوں اور برکتیں حق تعالیٰ شانہ نے اس زمانے میں جمع کر دی تھیں۔

زمانہ نبوت کا بقیہ:

حضرات خلفائے راشدین کا زمانہ گویا بقیہ نبوت کا زمانہ تھا، اس لئے کہ حضرات خلفائے راشدین ٹھیک ٹھیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہاج پر تھے۔

شہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "ازلہ الخلفاء" میں لکھتے ہیں کہ:

"ایام خلافت بقیہ ایام نبوت بود و است، گویا در ایام

نبوت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تعریضاً بزبان میفرمود:"

ترجمہ: "خلافت راشدہ کا زمانہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے زمانے کا بقیہ تھا، فرق صرف اتنا تھا کہ جب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس تشریف فرما تھے تو اپنی

زبان مبارک سے احکامات صادر فرماتے تھے۔"

اور شاہ صاحبؒ کے الفاظ میں اس خلافت راشدہ کے زمانے میں:

"ماکت نشت بدست و سر اشارہ میفرماید۔" (خلافت راشدہ کے زمانہ میں آپؐ

خاموش بیٹھے گویا سر اور آنکھوں کے اشاروں سے سمجھا رہے تھے) سمجھنے والوں نے

آپؐ کے اشاروں کو سمجھا اور اس کے مطابق عمل کیا، عام لوگ نہیں سمجھ سکتے۔

خلافت علی منہاج نبوت:

تو ان چار خلفائے راشدین کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا ایک عمل بھی منہاج

نبوت سے ملتا ہوا نہیں ہے اور مکمل معجزات میں خلافت راشدہ کے کہ کسی قسم کی کوئی

مکمل معجزہ نہیں ہے اور مکمل معجزات میں خلافت راشدہ کے کہ کسی قسم کی کوئی

صلوات، کوئی تقاضہ وقت اور کسی قسم کی کوئی رعایت ان حضرات کے مد نظر نہیں تھی، ٹھیک ٹھیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقل قدم پر چلنا اور امت کو چلانا یہ ان کے مد نظر تھا، خلافت راشدہ ختم ہوئی تو یہ ساری برکات ختم ہو گئیں، دنیا میں اندھیرا چھا گیا، کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم جیسے لوگ بھی اسے محسوس کرتے ہیں، ان اکابر نے جن کے سامنے یہ واقعات پیش آئے ہوں گے کیا انہوں نے محسوس نہیں کیا ہوگا؟

دنیا اندھیر ہو گئی:

جس دن حضرت مولانا محمد یوسف دہلوی تبلیغ دالوں کے انتقال کی خبر پہنچی ہے، واقعتاً مجھے ایسا محسوس ہوا کہ دنیا تاریک ہو گئی ہے، سورج ڈوب گیا ہے، بالکل بجی قصہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کی وفات پر مجھے پیش آیا تھا، جس دن حضرت کے انتقال کی خبر آئی تھی جمعہ کا دن تھا بس یوں سمجھئے کہ مجھ سے ضبط نہیں ہو رہا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اندھیرا چھا گیا ہے، ذرا غور کرو جس دن امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہوگا اور خلافت راشدہ کا آخری چراغ گل کر دیا گیا، اس دن دنیا میں کتنا اندھیرا چھایا ہوگا؟ اور جس شخص نے امت کو خلافت راشدہ کی ان برکات سے محروم کر دیا اس سے بڑا بد بخت کون ہو سکتا ہے؟

خلافت راشدہ کی دو قسمیں:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خلافت راشدہ کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک خلافت راشدہ خاصہ اور دوسری عامہ۔

شہادت عثمانؓ سے خلافت خاصہ کا خاتمہ:

خلافت راشدہ خاصہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ختم ہو گئی تھی، شاہ صاحبؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ:

”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَلَيْتُ النَّبِيَّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْفَرَاتٍ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَذَبُ
 اللّٰهِ فِيهِمْ بِالْبَرَكَةِ. فَصُفِّهُنَّ ثُمَّ دَعَا لِي فَيَقِيْنُ بِالْبَرَكَةِ
 قَالَ: لَحْمُهُنَّ فَاجْعَلِيْنَ فِيْ مِرْوَدِكِ كَلِمَةً اَزْدَتْ اَنْ تَأْخُذَ
 مِنْهُنَّ شَيْئًا فَاذْجَلِيْ فِيْهِ يَدَكَ فَحُدُّهُ وَلَا تَشْرُفْ نَفْرًا لِّقَدْ
 حَمَلْتُ مِنْ ذَالِكِ الشَّعْرِ كَذَا وَكَذَا مِنْ وَسْطِيْ فِيْ سَبِيْلِ
 اللّٰهِ فَكُنَّ تَأْكُلْنَ مِنْهُ وَيَطْعَمْنَ وَكَانَ لَا يُقَامُ فِيْ حَقْوِيْ خِصِي
 كَانَ يَوْمَ قَتَلِ عُثْمَانَ فَإِنَّهُ انْقَطَعَ " (مشکوٰۃ ص ۵۰۰)
 "وَكَانَ يَقُوْنُ اِمِيْ هُرَيْرَةَ."

بِلَاسِ هُمْ وَبَنِيْ هَمَانَ يَنْهَمُ
 فَمُ الْجَرَابِ وَهَمُ الشَّيْخِ عُثْمَانِ

(مرقاۃ ص ۵۷۹)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند کھجوریں لے کر آیا، میں نے کہا اے اللہ کے رسول! ان میں برکت کی دعا فرما دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کھجوریں میں ان میں برکت کی دعا فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کو لے لیجئے اور اچھے خوشہ دان میں ان کو ڈال لیجئے، جب ان میں سے پینے کا ارادہ ہو تو اس میں ہاتھ ڈال کر لے لیو اور اس کو ہڈیاں نہیں، میں نے ان کھجوروں میں سے اتنے اتنے کھجوریں سے اللہ کے راستے میں (خرچہ کرنے کے لئے) ہم ان میں سے خود بھی کھاتے رہے اور لوگوں کو بھی کھلاتے رہے اور وہ ہمسائی ہیئتہ میرے پاس رہی، یہاں تک کہ جس دن حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو اس دن وہ کہیں گرجی۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ لوگوں کو ایک غم ہے اور میرے لئے دو غم ہیں، ایک قحطی کے غم ہو جانے کا غم اور دوسرا حضرت شیخ عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید کئے جانے کا غم۔“

حضرت ابو ہریرہؓ کی قحطی میں برکت :

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کھجوریں مجھے حنایت فرمائی تھیں، میں نے ان کو قحطی میں، ہسینائی میں ڈال لیا، کھجوریں ڈال کر ہسینائی کو کمر پر باندھ لیا جب ضرورت ہوئی کھا لیتا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بتائیں سکتا کہ کتنے صاع، کتنے فن میں نے ان میں سے کھائے ہوں مگر اور صدقہ کیا ہوگا، لیکن جس دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ وہ قحطی گرجی اور گر کر ایسی گم ہو گئی کہ معلوم نہیں زمین اس کو کھا گئی یا آسمان اس کو اچک کے لے گیا، پتہ ہی نہیں چلا۔

برکات نبوت کا خاتمہ :

حضرت شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ یہ برکات نبوت کے ختم ہونے کی طرف اشارہ تھا، حضرت ابو ہریرہؓ اس دن گھیلوں میں دو تے بھرتے تھے اور فرماتے تھے کہ آج دنیا کو ایک غم ہے اور مجھے دو غم ہیں، ایک اپنی قحطی کے غم ہو جانے کا، اور ایک شیخ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل ہو جانے کا، قحطی کا غم ہو جانا تو کوئی بات نہیں تھی لیکن غم اس کا تھا کہ برکات نبوت ختم ہو گئیں، اور امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے شہید کئے جانے کے بعد یہ برکات نبوت بالکل ختم ہو گئیں، اس لئے بجا فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سب سے بڑا بد بخت یہ شخص ہے جس نے پوری امت کو برکات نبوت

۔ محروم کر دیا ہے۔

خارجی اور تکفیر صحابہؓ

یہ عہدِ ارضین ابنِ سلجم خارجی تھا، یہ خارجیوں کا ایک گروہ تھا ہے جو حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو لڑائی مصلحین میں ہوئی تھی اس کے خاتمے پر پیدا ہوا تھا، اس وقت دو حکم مقرر کر دیئے گئے تھے، پہلا تھا کہ وہ مسلمانوں کے درمیان میں اس اختلاف کا فیصلہ کریں گے، اسی وقت یہ خارجی کھڑے ہو گئے، خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت کے وکلاء عید بن علی میں سے ایک گروہ کٹ کر گئے خارجی بن گیا، وہ کہتے تھے وہ لوگ کافر ہیں، نعوذ باللہ! حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کافر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی کافر، جب دونوں کافر تو باقی سارے صحابہؓ کافر، نعوذ باللہ! یہ سب سے پسرا گروہ ہے جس نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی امانیہ تکفیر کی اور یہ بد بخت ایسے تھے کہ صحابہؓ کے پاس آ جاتے نہیں تھے، ان سے ملنے نہیں تھے۔ اس لئے جو جی میں آج تھا سکتے بناتے تھے۔

حردری خارجی تھے:

مشکوٰۃ اور دوسری احادیث کی کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے کہ ایک شخص نے کہا، اے اللہ! میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی، اور کہنے لگی کہ:

”مَا بَالُ الْخَالِصِ تَقْضِي الصُّوْمَ وَلَا تَقْضِي الصَّلَاةَ“ قَالَتْ غَائِبَةٌ. (آخرُ وَبَيَّةُ آتَتْ) ثُمَّ كَانَ يَصِيئُهَا ذَالِكَ فَلَوْ مَرُّ بِقَضَاءِ الصُّوْمِ وَلَا تَوَمَّرُ بِقَضَاءِ الصَّلَاةِ“

(مشکوٰۃ ص ۱۷۹)

ترجمہ: ”یہ کیا بات ہے کہ خالصہ عورت روزے کی

تفاتی کرتی ہے، اور لڑکی تہہ نہیں کرتی؟ (جب ماہِ رمضان میں

عورتوں کے خاص ایام شروع ہو جائیں تو وہ روزہ نہیں رکھیں گی لیکن ان کی قضا کریں گی، اور ان خاص ایام میں جو نمازیں گزر جاتی ہیں ان کی قضا ان کے ذمہ نہیں ہے، خارجی لوگ یہ فتویٰ دیتے تھے کہ نماز، روزے سے زیادہ اہم ہے، جب روزے کی قضا ہے تو نماز کی قضا کیوں نہیں؟ جاہل کسی عالم کے پاس بیٹھتے تو مسئلہ معلوم ہوتا صرف اپنی عقل دوڑاتے تھے، تو ام المومنین نے اس کے سوال کو سن کر فرمایا: تو حرو یہ (خارجی) ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب ہمیں یہ حالت پیش آتی تھی تو ہمیں روزے کی قضا کرنے کا حکم کیا جاتا تھا، نماز کے قضا کرنے کا حکم نہیں کیا جاتا تھا۔“

حضرت علیؑ کی شہادت کا سبب:

یہ خارجیوں کا گروہ تھا نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! ان کا مشورہ ہوا کہ اس وقت امت میں فساد کے سرغنہ (نعوذ باللہ) تین آدمی ہیں، ایک حضرت علیؑ، دوسرے حضرت معویہ اور تیسرے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم۔ تین آدمی اس کام کے لئے مقرر ہوئے کہ فلاں تاریخ کو ان تینوں کا کام تمام کر دیا جائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے لئے یہ عبدالرحمن بن ملجم بد بخت مقرر ہوا، اور ان دونوں معمرات کو شہید کرنے کے لئے دوسرے آدمی مقرر ہوئے اور طے یہ کیا کہ جب یہ نماز کے لئے آئیں تو آتے ہوئے ان پر حملہ کر دیا جائے، حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی عادت شریفہ تھی کہ جب نماز کے لئے تشریف لاتے تھے تو لوگوں کو اٹھاتے ہوئے تشریف لاتے تھے، الصلوٰۃ! الصلوٰۃ! کہہ کر لوگوں کو اٹھاتے ہوئے آتے تھے، یہ عبدالرحمن بن ملجم بد بخت چھپ کر بیٹھا ہوا تھا، اس نے بھرپور حملہ کیا اور زخم کاری لگایا،

لوگوں نے اس کو پکڑ لیا تو اس نے ایک دو اور آدمیوں کو بھی زخمی کیا، لیکن پکڑا گیا، کہنے لگا کہ اتنے دن ہو گئے ہیں اس تلوار کو زہر میں بھار رہا ہوں۔

حضرت علیؓ کا عدل و احتیاط:

لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس کو قتل کر دیں، فرمایا: اپنے قاتل کو کیسے قتل کروں؟ یہ بھی کبھی سنا ہے؟ پھر ارشاد فرمایا کہ دگر میں بچ گیا اور زخم ٹھیک ہو گیا تو پھر میں اس سے خود معاملہ کروں گا، کوئی اس کو سزا دے دوں گا، اور اگر میں رخصت ہو گیا تو تم لوگوں کو اختیار ہے کہ تم اس کو معاف کر دو یا اس سے قصاص لے لو، لیکن دیکھو قصاص برے طریقے سے نہیں لیتا، جو شریعت کا دستور اور اصول ہے اس کے مطابق قصاص لیتا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

”اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْاِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَاِذَا قُتِلْتُمْ فَاحْسِنُوْا الْفُلَّةُ وَاِذَا ذُبِحْتُمْ فَاحْسِنُوْا الْبَلِيْحُ ... الخ.“ (مسلم ج ۲ ص ۱۵۲)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے معاملے میں احسان کا حکم دیا ہے۔ یعنی حسن سوکھ گا، جب تم کسی کو قتل کرو تو حسن طریق سے قتل کرو اور جب تم کسی پر غور کو ذبح کرو تو اسے نیکو نہیں دو، اس میں بھی حسن سوکھ کرو (یعنی چمیری تیز ہو جا کہ جلدی فارغ ہو جائے)۔“

اسی شریعت کا مسئلہ ہے: ”لَا قُوَّةَ اِلَّا بِالْعُسْفُفِ۔“ (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۹۱)

یعنی قصاص نہیں لیا جائے گا مگر تلوار کے ساتھ۔ یعنی اگر خدا انہما سے کوئی کسی کو قتل کر دے، اس کا قاتل ہونا ثابت ہو جائے اور مقتول کے ولی معاف نہ کریں تو مقتول کے بدلہ میں اس سے قصاص لیا جائے گا، اور اسے قتل کیا جائے گا، لیکن یہ نہیں

کہ ایذا پہنچا کر قتل کرو، بلکہ تلوار سے سر قلم کر دو بس۔

جس رات حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا اسی رات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی جب گھر سے مسجد کی طرف تشریف لا رہے تھے ان پر بھی حملہ ہوا، لیکن الحمد للہ! کارگر نہیں ہوا، تاہم ان کے کوسے پر زخم آیا تھا جس سے ان کی ایک رگ کٹ گئی تھی جس کی وجہ سے پھر اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اولاد نہیں ہوئی، اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اتفاق کی بات یہ ہے کہ اس دن فجر کی نماز کے لئے تشریف ہی نہیں لائے تھے، وہ مصر میں تھے، مصر کے گورنر تھے ان کی جگہ کسی اور آدمی نے نماز پڑھائی اور وہ شہید ہو گیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مسمولی زخم آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو شفا عطا فرمادی، اس کے بعد بیس ساڑھے بیس سال تک وہ ماشاء اللہ حیات رہے، سن ۶۱ھ میں ان کا انتقال ہوا، یہ سن ۴۰ھ کا قصد ہے۔

بہر کیف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے درخت کو چیرا ہے اور روح کو پیدا کیا ہے کہ یہ داڑھی اس خون سے رنگین ہوگی، لوگوں نے کہا کہ اگر قاتل آپ کو معلوم ہے تو پھر ہمیں بتا دیجئے تاکہ ہم صرف اس شخص کو نہیں بلکہ اس کے چارے خاندان کو ہریار کر دیں، فرمایا: نہیں! میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ میرے قاتل کے سوا کسی دوسرے کو کچھ نہ کہنا، جس نے مجھے قتل کیا ہے اگر تم چاہو تو اس سے قصاص لے سکتے ہو، یہ سازش ہے جو تیار کی گئی ہے، لہذا اس سازش کے تمام سرغنوں کو پکڑو اور کیفر کر دو تک پہنچاؤ، مگر کسی دوسرے آدمی کو مارنے کی اجازت نہیں۔

حضرت علیؑ کا جانشین کے تقرر سے انکار:

لوگوں نے کہا کہ حضرت! اگر آپ محسوس فرماتے ہیں کہ اب وقت قریب آیا چاہتا ہے اور خطبے کا یہی مطلب ہے تو پھر آپ کسی کو اپنا جانشین مقرر کر دیجئے کہ

میرے بعد فلاں آدمی ہوگا، فرمایا: نہیں! میں جانشین مقرر نہیں کروں گا بلکہ میں صہبیا
وہی حالت پر چھوڑ کر جاؤں گا جس حالت میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں چھوڑ
کر گئے تھے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا تھا۔
اب یہاں اتنی بات سمجھ لیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً کسی کو
اپنا جانشین مقرر نہیں فرمایا تھا، یعنی جس طرح کہ عام طور سے دستور ہے کہ تحریر کھواوی
بناتی ہے اور اس کا اعلان کروادیا جاتا ہے کہ فلاں آدمی دلی عہد ہے، یعنی ان کے بعد
فلاں آدمی ان کا جانشین ہے۔

عذیرِ خرم میں جانشینی کے تقرر کا قصہ:

لہذا جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم نے اپنا جانشین بنادیا تھا، فلاں وقت پر بنادیا تھا، یا فلاں موقع پر بنادیا تھا۔
وہ غلط ہے۔ میں نے اپنی کتاب ”شیعہ سنی اختلاف اور صحابہ مستقیم“ میں اس مسئلہ پر
تفصیل بحث کی ہے، وہ دیکھتے ہیں کہ عذیرِ خرم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فایضہ بنادیا تھا۔
عذیرِ خرم کیا ہے؟

عذیرِ خرم کیا ہے؟ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ آتی ہے جس کا نام خرم ہے۔
وہاں ایک نازاب تھا جس میں بادش کا پانی جمن ہو جاتا تھا، ایسے ہی کوئی نشیبی جگہ ہوگی
اس کو عذیرِ خرم کہتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے واپسی پر وہاں
پر اذان پڑھائی تھی اور وہاں یہ فرمایا تھا کہ:

”مَنْ شَکَّ مَوْلَاةَ فَعَلَىٰ مَوْلَاةٍ“ (مکتوبہ ص ۵۲۳)

ترجمہ: ”جس کا میں مولانا ہوں غلط بھی اس کا مولانا

ہے۔“

حضرت علیؑ کو مولیٰ کہنے کی وجہ:

مولیٰ کے بہت سے معنی آتے ہیں، ان میں سے ایک معنی محبوب کے بھی ہیں۔ مطلب یہ کہ جو شخص کو مجھ سے محبت رکھتے ہو وہ علیؑ سے بھی محبت رکھے، اور یہ بات اس نے ارشاد فرمائی تھی کہ جیہ اولاد سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہیں بھیجا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہیں تکین سے نہ کمرہ نہ کمرے تھے اور وہاں یمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دوسرے حضرات بھی گئے ہوئے تھے، انا کا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا آپس میں ایسی بات پر من لقا ہو گیا اور نبیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کی، میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہو کر جب میری زندگی میں بھی یہ اعتراض نہ ہو رہے ہیں، تو بعد میں یہ ہوگا؟ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کو ایک لڑیٹھ لڑیٹھ کے طور پر امت کے ذمے نہ دینی قرار اسے لیا یہ مطلب ہے اس حدیث: "انھن ثلثت مولانا فعلی مولانا" کا

اور عینیں سے "مولانا علی" کی اعطاف ہیں ہے، اہل سنت اس کو مانتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمارے محبوب ہیں، اور ان کی محبت اور ان کی صلہ و اولاد کی محبت، اہل سنت کے نزدیک لازم ایمان ہے، جو شخص ان کی محبت سے خالی ہو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ ایمان سے لڑیٹھ ہو جائے گا، لغو ہاں!

لڑائی سے رشتے ختم نہیں ہوتے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ در دوسرے اکابر کی لڑکیاں بھی ہوئیں، ان پر غفلت کرنے کا موقع نہیں، لیکن اسی غفلت ہی بات یاد رکھی جائے کہ اس لڑائی کے باوجود محبت باقی تھی، کیونکہ وہاں یہ نبیوں کے درمیان مناقبہ ہو جایا کرتا ہے اور آپس میں دست و پائیاں بھی ہو جاتے ہیں، بالکل وفہ لڑائی تک

نوبت بھی آجاتی ہے، لیکن بھائی! وہ اپنی جگہ ہے، اس کی محبت اپنی جگہ ہے۔

حضرت معاویہؓ کا ہرقل کو انتباہ!

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع پہنچی کہ روم کا بادشاہ ہرقل ہمارے بائیں اختلاف کی وجہ سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے، اسلامی مملکت پر حملہ کرنا چاہتا ہے، اس نے سوچا کہ مسلمان آپس میں لڑ رہے ہیں تو اس وقت ان پر حملہ کرنے کا موقع اچھا ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع پہنچی تو امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو خط لکھا کہ او نصرائی کہتے! یعنی اشتعال دلانے والا خط، تو ہماری لڑائی سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا ہے؟ تجھے یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ اگر تو نے اسلامی مملکت پر حملہ کرنے کی حماقت کی تو میں اپنے بھائی سے صلح کر لوں گا اور ان کے ماتحت ہو کر لڑوں گا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کا سب سے پہلا سپاہی جو تیرے سامنے آئے گا اس کا نام معاویہ ہوگا۔ یہ واقعہ حضرت سفی محمد قنوج صاحب نے اپنی کتاب ”مقام صحابہ“ میں بھی نقل کیا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ حضرت نے جب دو کتاب لکھی تھی، اس کے بعد ہمارے مدرسے میں تشریف لائے تو میں نے حضرت کو مبارکباد دی تھی، میں نے کہا کہ آخری زندگی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ستاب لکھا، یہ انشاء اللہ حسن خاتمہ کی علامت ہے۔ حضرت نے میری اس بات کو بہت پسند فرمایا تھا۔

ہمیں صحابہؓ کے درمیان محاکمہ کی اجازت نہیں:

تو بس اتنی مختصری بات یہاں یاد رکھئے کہ ان کی آپس میں غلط فہمی کی وجہ سے مناقشہ ہو گیا۔ ہمیں اس پر فیصلہ کرنے یا محاکمہ کرنے کی اجازت نہیں، کیونکہ دو بھائیوں کی لڑائی تھی۔ چنانچہ اگر دو شہزادوں کے درمیان لڑائی ہو جائے یا مناقشہ

ہو جائے تو بھٹل کے لڑکے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان کا فعل کرے۔ یا ان کا محاکمہ کرے۔ ان اکابر کے مقابلہ میں ہماری حیثیت تو بھٹیروں کی بھی نہیں ہے کہ ہم ان کے بارے میں اپنی زبان کھولیں اور محاکمہ کریں اور یہ کہیں کہ فلاں حق پر تھا، فلاں باطل پر تھا۔ نہیں! اہل سنت نے ایک چھوٹی سی بات ہمارے لئے محفوظ کر دی کہ ان مشاجرات میں حضرت علیؓ رحمہ اللہ وجہ اولیٰ بالمحق تھے، یعنی حق کے زیادہ قریب تھے یا یوں کہو کہ وہ حق پر تھے اور دوسرے حضرات غلطی اور خطا پر تھے، ان کو خط نہیں ہوئی تھی۔ صحابہؓ کے درمیان حق و باطل کا اختلاف نہیں ہے، بلکہ خطا اور صواب کا اختلاف ہے، تو بہر حال ہمارے لئے اتنی مزنیٰ سی بات ہے کہ وہ کو یاد رکھو، اس کے بعد زیادہ کاوش نہ کرو۔

تین مسئلے جنت میں جا کر بھی نہیں کھلیں گے:

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس سرہ ارشاد فرماتے تھے کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی قدس سرہ کا ارشاد ہے (ان کا قول حضرت نقل کرتے ہیں): کہ تین مسئلے ایسے ہیں جو جنت میں جا کے بھی نہیں کھلیں گے، ان کی حقیقت متکشف نہیں ہوگی، ان میں سکوت ہے، زبان کا بھی سکوت، دماغ کا بھی سکوت، گویا سوچ ہی نہیں فرمایا: ایک وحدۃ الوجود کا مسئلہ ہے، ایک تقدیر کا مسئلہ ہے اور ایک مشاجرات صحابہ کا مسئلہ ہے۔ صحابہ کرامؓ کے اختلافات و بس تقدیر الہی تھی ہمیں زیادہ اس میں کاوش کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم سب کے نام پر ”رضی اللہ عنہ“ دل کی گہرائی سے کہتے ہیں، دونوں بھائی ہیں، ایک باپ ہے، ایک چچا ہے، ہم نہ باپ کی گستاخی کریں نہ چچا کی گستاخی کریں۔

چھوٹوں کو بڑوں کے معاملہ میں قرین بننے کی اجازت نہیں:

حضرت حکیم الامتؒ فرماتے تھے کہ: ایک دفعہ میرے والد ماجد کی میرے

بچا کے ساتھ کچھ رنجش ہو گئی اور رنجش اتنی بڑھی کہ آپس میں بات چیت بند ہو گئی، میں دارالعلوم دیوبند میں پڑھتا تھا، سہ آہ تو دوسرے دن یا تیسرے دن والد صاحب نے پوچھا کہ تم اپنے بچا سے شہ ہوا میں نے کہا ان کی آپ سے بات چیت ٹھیک ہے تو میں کیوں مٹا، حضرت فرماتے ہیں کہ پوری زندگی میں والد صاحب نے مجھے کبھی تھپڑ نہیں مارا، لیکن اس دن میرے ایک تھپڑ مارا اور فرمایا کہ میرا بھائی، جسے میں تو فریون تھا، میرا تو چچا ہے، حضرت ظہیر الاسلام قدس سرہ اپنے والد ماجد کا یہ قصہ نقل کر کے فرمایا کرتے تھے کہ ہاں اور ان کی یوں تربیت کیا کرتے ہیں کہ اب تو لوگ اپنے بھائی کو کرتے ہیں کہ بی اولاد ہو، کہہ دیتے ہیں کہ خیر اماں اور دو بھائیوں کو کہیں کہیں کی، اگر تو خاں سے مراد محلہ اہل حق والہ!

انگریز "شہرت علی اللہ علیہ وسلم" کو اس طرح مجبور کر رہے تھے آپ نے کسی کیفیت پر دست بردار نہیں کیا، لیکن کچھ بخاری میں اور حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی ہے اور شادی اللہ نے تو "ازالہ الخلفاء" میں داخل کے ساتھ اس کو ثابت کیا ہے کہ یہ بات مقررہ تھی کہ

لَعَنَ عَلِيٌّ غَالِبُهُ وَصِيَّ اللَّهِ عَلَيْهِ قَالَتْ قَالَتِي
وَمَنْ لَانَ اللَّهُ صُلَى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرْصَدِ أَدْعَى تِي
أَذَابَكُمْ وَنَحَاكُ حَتَّى انْتَقَبَ كُنَا فَوْنِي اَصْحَابُ اَنْ يَنْتَسِي
ضَمِنَ وَيَقُولُ قَالُوا اَنَا اَوْلَى وَنَابِي اللَّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ اِلَّا
اَلْبَكْرُ

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی کے دل میں مجھے فرمایا کہ اپنے باپ اور اپنے بھائی کو یاد کہ میں قرآن لکھ دوں، یہ نہ کہ نہ کہ کل کوئی کہنے والا کہے اور کوئی تمنا کرنے والا تمنا

کرے کہ میں خلافت کا زیادہ حق دار ہوں، اللہ تعالیٰ اور انبی
ایمان بھی ابوبکرؓ کے سوا کسی اور کو خلیفہ بنانے سے انکار کرتے
ہیں۔"

صدیق اکبرؓ کی امامت اور حکم الہی:

لیکن بعد میں ارشاد فرمایا کہ: مجھے اللہ کے اعتماد پر اور مسلمانوں کی فراست
پر اعتماد ہے اس لئے مجھے تحریر کی ضرورت نہیں رہی اور وہ واقعہ بھی حدیث کی کتابوں
میں موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرضِ الوفا میں جبکہ آپ صلی
اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف نہیں لے سکتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ
نماز پڑھائیں، اور جیسے کہ حضرت عی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ایک جانشین
تھی، حدیث شریف میں آیا ہے۔

”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زُئْفَةَ قَالَ: لَمَّا أَسْتَعِيرَ بِرَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عِنْدَهُ فِي نَفَرٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ
ذُغَابَ بِلَالٍ إِلَى الصَّلَاةِ فَقَالَ: قَرُّوْا مَنْ يُصَلِّيْ بِكُمْ
فَخَرَجَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زُئْفَةَ فَإِذَا عُمَرُ فِي النَّاسِ وَكَانَ
أَبُو بَكْرٍ غَائِبًا فَقُلْتُ: يَا عُمَرُ! قُمْ فَصَلِّ بِالنَّاسِ. فَتَقَدَّمَ
فَكَبَّرَ فَلَمَّا سَمِعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَوْتَهُ
وَكَانَ عُمَرُ رَجُلًا مُّجَهِّزًا. قَالَ: فَأَيْنَ أَبُو بَكْرٍ؟ يَا أَبَى اللَّهِ
ذَالِكَ وَالْمُسْلِمُونَ يَا أَبَى اللَّهِ ذَالِكَ وَالْمُسْلِمُونَ فَبَعَثَ
إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَجَاءَهُ بَعْدَ أَنْ صَلَّى عُمَرُ بِلَالُكَ الصَّلَاةَ
فَصَلَّى بِالنَّاسِ.

وَفِي رِوَايَةٍ: لَمَّا سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ صَوْتٌ غَمَزَ، قَالَ ابْنُ رُمَيْثٍ: مَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى اجْتَلَعَ رَأْسُهُ مِنْ شَجَرَتِهِ ثُمَّ قَالَ: لَا! لَا! لَا! لِيَصْلِيَ لِلنَّاسِ ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ، يَقُولُ ذَلِكَ مُغْضِبًا."

(ابن ماجہ ج: ۳ ص: ۲۸۵)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن زمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شدید ہو گئی تو دوسرے صحابہؓ کے علاوہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باجماعت نماز کی اطلاع دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی کو کہو کہ نماز پڑھائیں۔ حضرت عبداللہ بن زمر باہر آئے تو دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں میں موجود ہیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غائب ہیں، حضرت ابن زمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے کہا: آپ آگے بڑھ کر نماز پڑھائیے، حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور تحمیر تحریرہ کہی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی تو چونکہ حضرت عمرؓ کی آواز (قدرتی طور پر) بلند تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابوبکر کہاں ہیں؟ اللہ نے اس کا انکار کیا اور مسلمانوں نے انکار کیا، اللہ نے اس کا انکار کیا اور مسلمانوں نے انکار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف آوی بیٹھا، حضرت عمرؓ کے نماز پڑھانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے انہوں نے لوگوں کو دوبارہ نماز پڑھائی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی، ابن زمرہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے باہر تشریف لائے، اپنے حجرے سے جھانک کر فرمایا: لا انا! لا انا! لا انا! ابن ابی قحافہ کو چاہئے کہ لوگوں کو نماز پڑھائے، آپ نے یہ بات غصہ میں ارشاد فرمائی۔

ابوبکرؓ ہی نماز پڑھا کریں:

بہر کیف ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہیں تھے، ظہر کا وقت تھا؛ پتہ نہیں کون سا تھا حافظ غلطی کرتا ہے، حضرت ابن زمرہ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ ابوبکرؓ تو ہیں نہیں، آپ نماز پڑھادیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا تم کہو تو پڑھا دوں گا، کہنے لگے چلو پھر حضرت عمرؓ آگے ہو گئے، انہوں نے اقامت کہی، اور جب حضرت عمرؓ نے اللہ اکبر کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامعہ مبارک تک آواز پہنچی، مگر قریب ہی تو تھا، پھر حضرت عمرؓ کی آواز بھی بڑی بلند تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: "لا! لا! لا!" نہیں! نہیں! نہیں! ابوبکرؓ کو کہو لوگوں کو نماز پڑھا کریں، ابوبکرؓ کے سوا کا اللہ بھی انکار کرتا ہے اور اہل ایمان بھی انکار کرتے ہیں، ابوبکرؓ کو کہو لوگوں کو نماز پڑھا کریں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں تو استخفاف فرمایا، مگر یوں نہیں فرمایا کہ تحریر لکھ دی ہو کہ میرے بعد ابوبکرؓ خلیفہ ہوں گے، ان کو دلی عہد مقرر کرتا ہوں۔

حضرت عمرؓ کی جانشینی:

اہل بیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی زندگی میں خلیفہ بنایا، زندگی میں نہیں بلکہ زندگی کے آخری وقت میں، اور استخلاف کی تحریر لکھوائی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تب (لکھنے والے) تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لکھواتے لکھواتے جب یہاں تک پہنچے کہ میں اپنے بعد خلیفہ بناتا ہوں، یہاں تک بولے ہی تھے تو غشی ہو گئی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود ہی لکھ دیا: "عمر کو میں خلیفہ بناتا ہوں۔" غشی سے افتادہ ہوا تو فرمایا پڑھ کر سناؤ کہ کیا لکھا ہے؟ سنا یا تو انہوں نے عمرؓ کا

لفظ بھی ساتھ بول دیا، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اللہ تجھے جزائے خیر عطا فرمائے، تجھے خلیل آیا ہوگا کہ اسی غشی کی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا تو بات ادھر رہ جائے گی، مجھے انہیں کا نام ہی لکھوانا تھا، خیر کہا قصہ ہے۔

خلافت عثمانؓ کے لئے چھ آدمیوں کی شوریٰ.

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد چھ آدمیوں کے درمیان میں مسئلہ دائر ہو گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا گیا، اور امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی سبب کو اختیار کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امت کے حق میں بھلائی سوچی کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی اختلاف ہو جائے اور اگر کسی کو اشکال ہے تو اپنی زندگی میں اس کو حل کر دیں گے، چنانچہ لوگوں نے اور صحابہؓ نے کہا بھی کہ آپ اتنے سخت آدمی کو ہمارے اوپر خلیفہ مقرر کر کے جاتے ہیں، اللہ کو کیا جواب دیں گے؟ فرمایا: مجھے انھار کے بھادو، لوگوں نے بھادیا، ان لوگوں سے کہا تم مجھے میرے رب سے ڈراتے ہو، تم مجھے میرے رب سے ڈراتے ہو، میں اپنے رب سے کہہ دوں گا کہ تیری مخلوق میں جو سب سے افضل تھا ان کو خلیفہ بنا کر آیا ہوں، تو اب خوشی سے سب کی گردنیں جھک گئیں، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ مقرر ہو جانے پر ایک آدمی نے بھی اختلاف نہیں کیا، بیعت عامہ ہوئی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بیعت عامہ ہوئی ایک آدمی نے بھی نہیں کہا کہ مجھے ان سے اختلاف ہے، اور جب حضرت عمرؓ نے چھ آدمیوں کے درمیان خلافت کو دائر کر دیا اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام نامزد کر دیا تو اس پر بھی ایک آدمی نے بھی اختلاف نہیں کیا، یہ خلفائے ثلاثہ ہیں، لوگ کہنے کو جو چاہیں انہیں لیکن تاریخ کا ریکارڈ موجود ہے کہ ایک آدمی کا بھی ان سے اختلاف نہیں ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہی خیر خلفاء عمر و عثمان و معاویہ (جمعہ)

امت کی خیر کے تین زمانے

بسم الله الرحمن الرحيم

(الحمد لله رب العالمين) علي بن عباس (رضي الله عنه)

"عَنْ بَنِي عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ
الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ خَطَبَ بِالْجَنَابَةِ فَقَالَ: قَامَ فِينَا
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامِي فَبُكِّمُ فَقَالَ:
"اسْتَخْضُوا بِأَصْحَابِي خَيْرًا، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ
يَلُونَهُمْ، ثُمَّ بَقِشُوا الْكَذِبَ، حَتَّى أَتَى الرَّجُلَ لِيَبْتَدِيَ
بِالشَّهَادَةِ قِيلَ أَنْ يُسْأَلَ مَنْ أَرَادَ مِنْكُمْ بِخَوَافِ الْجَنَّةِ
فَلْيَتَزِمِ الْجَمَاعَةَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنْ
الْآثِمِينَ أَنْعَدَ، لَا يَخْلُونِ أَحَدُكُمْ بِأَمْرٍ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ
فَالِئْهَا، وَمَنْ سَرَتْهُ حَسَنَةٌ وَمَنَانَةٌ سَتَيْتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ."

(مسند أحمد ج ۱ ص ۸۰)

"عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
خَطَبَ النَّاسَ بِالْجَنَابَةِ فَقَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

غَلِيْهِ وَسَلَّم عَنْ لُبْسِ الْخُرَيْبِيِّ، اِلَّا مَوْضِعَ اَضْعَفَيْنِ اَوْ
ثَلَاثَةٍ اَوْ اَرْبَعَةٍ وَاَشَارَ بِكَفِّهِ " (سنن احمد ج ۱ ص ۵۱)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقام جاہلیہ میں خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ خطبہ دیا تھا، جہاں کہ میں تمہیں خطبہ دے رہا ہوں، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ: میرے اصحاب کے بارے میں خبر کی وصیت قبول کرلو، پھر ان کے بعد جو آئیں گے اور وہ جو ان کے پیچھے ہوں گے، پھر جمہورت پھیل جائے گا، یہاں تک کہ ایک آدمی ابتدا کرے گا شہادت کی اس سے پہلے کہ اس سے سوال کیا جائے، تم میں سے جو شخص جنت کے وسط میں جانا چاہتا ہو، اس کو چاہئے کہ جماعت کو لازم پکڑے، کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور ۱۵۰ سے دور ہوتا ہے، تم میں سے کوئی آدمی کسی غیر مجتہد کے ساتھ خلوت نہ کرے، کیونکہ وہاں تیسرا شیطان ہے اور جس شخص کو اس کی نیکی خوش کر دے اور اس کی برائی اس کو غمگین کر دے وہ مؤمن ہے۔"

"حضرت سدید بن غفلہ" سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اس میں یہ بھی فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا، ہاں وہ انگلی کی مقدار یا تین کی یا چار انگلی کی مقدار کی اجازت ہے۔"

صحابہ کے بارے میں خیر کی وصیت:

حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی خطبے کا حوالہ دیتے ہوئے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کے بارے میں خیر کی وصیت قبول کرو، مطلب یہ کہ میں تمہیں ان کے بارے میں خیر کا گمان رکھنے کی وصیت کرتا ہوں اس وصیت کو یاد رکھو۔

امت میں سب سے بہتر:

امت میں صحابہ سب سے بہتر ہیں اور اس کے بعد دو جوان کے پیچھے ہوں گے، مراد اس سے تابعین ہیں اور پھر وہ جوان سے پیچھے ہوں گے، اس سے مراد تابع تابعین ہیں، پھر فرقہ یا کہ اس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا، یہاں تک کہ ایک آدمی شہادت دینے کے لئے تیار ہوگا، خواہ اس سے شہادت طلب نہ کی جائے۔

صحابی کی تعریف:

”صحابی“ ان لوگوں کو کہتے ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو، مشہور قول عہد کا یہی ہے کہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اس پر پڑی، کوئی نایاب ہے یا جھوٹا شیر خوار بچہ ہے، وہ بھی صحابی ہے، تو ہر وہ شخص جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا ہو، وہ صحابی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس دنیاوی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو۔

صحابی کی شرائط:

اگر کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو وہ صحابی نہیں ہے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

کے بعد کسی کو زیارت ہوئی (اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے) تو وہ صحابی نہیں، صحابی ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ تمام انبیاء کرام کی ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج میں دو مرتبہ ہوئی تھی، ایک مرتبہ زمیں پر جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن انبیاء کرام کو دیتا تھا اور دوسری مرتبہ آسمانوں پر۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انبیاء کرام کا ملاقات کرنا ثابت ہے لیکن وہ صحابی نہیں کیونکہ ان انبیاء کرام نے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے، وہ صحابی ہیں، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی وفات سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں۔

نبی صحابی:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات بھی نہیں ہوئی، وہ زندہ ہیں، اس نے حافظ نے ”ارصابہ“ میں جس میں صحابہ کرام کے حالات جمع کئے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مستقل طور پر تذکرہ کیا ہے اور کہا کہ وہ قلعی صحابی ہیں۔

حضرت فخر کا بھی انہوں نے تذکرہ کیا ہے لیکن یہ کھتا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ صحابی ہیں یا نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زندہ تھے یا نہیں؟ عموماً کہتے ہیں کہ زندہ تھے اور اب بھی زندہ ہیں اور محمد میں کہتے ہیں کہ نہیں! ان کی وفات ہو گئی ہے۔

چار زندہ نبی:

”شرح عقائد“ کے حاشیہ میں علامہ خیالی نے لکھا ہے کہ محقق عمر کے نزدیک چار انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں، حضرت عیسیٰ، حضرت محمد بن مریم علیہما السلام

آسمان پر اور حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام زمین پر، لیکن جیسا کہ میں نے ذکر کیا حضرت خضر، حضرت اور لیں اور حضرت الیاس علیہم السلام کے بارے میں بھی علما کا اختلاف ہے کہ زندہ ہیں کہ نہیں؟

حیات عیسیٰؑ پر اجماع امت:

لیکن حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے زندہ ہونے میں کسی ایک شخص کا بھی اختلاف نہیں، پوری امت میں ایک عالم نے بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا، اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سلامت یا کرامت آسمان میں زندہ ہونا اسلام کا متواتر اور قطعی عقیدہ ہے اور تمام علما امت کا اجماعی عقیدہ ہے، اس کا منکر صرف فاسق اور گمراہ نہیں بلکہ سیدھا سیدھا کافر ہے، تو خیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی صحابہؓ میں شامل ہیں۔

حضرت طہس الدین دہلویؒ کی کتاب ہے، ”تجریۃ اسماء صحابہؓ“ دو جلدوں میں ہے، اس میں زیادہ حالات نہیں لکھے صرف نام لکھے ہیں، صحابہؓ کے ناموں کی تجزیہ کی ہے یا کسی کے بارے میں معلوم ہو گیا تو اس کا سن وقات لکھ دیا۔ اس کتاب میں بھی انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا ہے، حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے کہ چونکہ دن کی ملاقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہوئی ہے، اس لئے وہ نبی بھی ہیں، رسول بھی ہیں اور صحابی بھی ہیں۔

شیخینؒ سے افضل صحابی:

اور ساتھ لکھتے ہیں کہ ایک پہلی پوچھی جاتی ہے کہ بتاؤ وہ کون سا صحابی ہے جو حضرات ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے بھی افضل ہے؟ صحابہؓ کی جماعت میں سب سے افضل تو حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں، بتاؤ وہ کون سا صحابی ہے جو حضرات

ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے افضل ہے؟ اور فرماتے ہیں کہ جواب یہ دیا جاتا ہے کہ وہ حضرت یحییٰ بن مریم علیہ السلام ہیں، اس لئے کہ وہ صحابی ہیں، ان کو صحابی کہنا بھی ٹھیک ہے، لیکن مستقل نبی اور رسول بھی ہیں، اور انہیں کرام علیہم السلام کا حضرات شیعین سے افضل ہونا واضح ہے۔ تو صحابی وہ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو اور زیارت بھی بحالت حیات دنیاوی اور بیداری میں کی ہو۔

صحابی کی دوسری شرائط:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اگر کسی بزرگ کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی لیکن آپؐ سے ملاقات نہیں ہو سکی تو وہ صحابی نہیں، یہ حضرت سید بن غفلہؓ جن کی روایت نقل کی ہے، اس دن یہ مدینہ طیبہ پہنچے جس دن صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر کے ہاتھ جھاڑ رہے تھے، اس لئے صحابی نہ ہو سکے البتہ اکابر تابعینؓ میں سے ہیں، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو دیکھا اور ان سے روایتیں ہیں، لیکن قسمت کی بات کہ ان کے آنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا اور آپؐ کو دفن کیا جا چکا تھا اس لئے صحابی نہ ہو سکے۔

صحابی ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس نے اسلام کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے دو لوگ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی لیکن آپؐ کے زمانے میں اسلام نہیں لائے، بلکہ بعد میں اسلام لائے، وہ صحابی نہیں۔

ایک سوال:

یہاں آپؐ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ تاؤ وہ کون سا آدمی ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور مسلمان بھی ہے، لیکن وہ صحابی نہیں تھا، اس کا

جواب یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمر کی حالت میں دیکھا لیکن آپ کی زیارت اسلام کی حالت میں نہیں ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اس وقت ہوئی جب یہ مسلمان نہیں تھا، اور اسلام لایا اس وقت جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما چکے تھے۔

ارتداد کے بعد اسلام لانے سے شرف صحابیت کا حکم:

صحابی ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا ہو، اگر کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری کی حالت میں، اپنی زندگی میں اور اسلام کی حالت میں دیکھا لیکن نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ بعد میں مرتد ہو گیا، تو وہ بھی صحابی نہیں بلکہ مرتد ہوتا ہے، اب تو وہ مرتدوں کو بھی شبہہ کہتے ہیں، ہاں اگر مرتد ہو گیا تھا اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے ہجر اسلام لانے کی توفیق دے دی اور اس کا خاتمہ ایمان پر ہوا تو درمیان کا جو ارتداد ہے اس کا اعتبار نہیں ہوگا، اس کو بھی صحابہ کی صف میں شمار کیا جائے گا۔

اس میں اشکال ہوتا ہے کہ مرتد ہونے سے تو تمام اعمال حیطہ ہوتے ہیں، نعوذ باللہ پیسے کا کیا کر لیا، سب عارت اور اکارت ہو گیا، اگر حج کیا تھا پھر مرتد ہو گیا تھا تو اسلام لانے کے بعد اس آدمی کو نئے سرے سے دوبارہ حج کرنا ہوگا، مرتد آدمی کا بیوی سے نکاح منحل ہو جائے گا، سہلن ہو گیا تو دوبارہ نکاح کی تجدید بھی کرنی پڑے گی، یدن کی تجدید کرے۔ نکاح کی تجدید کرے اور اپنے اعمال کی بھی تجدید کرے۔ تو اگر کوئی شخص صحابی تھا پھر نعوذ باللہ مرتد ہو گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے دظہیری فرمائی اسلام سے آیا تو اس شخص کو تو صحابی نہیں کہنا چاہئے، کیونکہ درمیان میں کفر آ گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دوبارہ اسلام لانے سے اور اعمال تو نہیں مٹیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا جو شرف تھا وہ دوبارہ لوٹ آئے گا۔

صدقہ حق: گہر کا معیار:

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ مجھ کا یہ ہے کہ ایسے چند آدمی جو حق کی وجہ سے
 اسلام سے ہجر کرنے اور بعد میں مسلمان ہو گئے تھے، ان کے دوبارہ اسلام لانے کے
 بعد صحابہ کرام نے ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو صحابہ کرام سے کیا جا رہا تھا۔ حضرت
 ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں کسی علاقے کا گورنر کسی علاقے کا سپہ
 سالار، کسی لائق دستہ کا سردار، رئیس، کسی جس عت کا امیر، کوئی قاضی یا کوئی عہدہ
 سوائے صحابی کے کسی درویش دیا جا رہا تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ تو بہت
 ہی مختصر تھا، صرف دو سو سات ماہ۔ تو ان کے دور خلافت میں بیٹے بھی پائیلین تھے
 صحابی تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی یہ شرط قائم رہی حالانکہ بہت
 سارے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے تھے اور ان میں تو بعض بہت فاضل بھی تھے،
 لیکن کسی غیر صحابی کو حکومت کا کوئی عہدہ نہیں دیا گیا۔

حالانکہ ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے بارے میں اتنی بات
 معلوم ہو جائے کہ وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں غلام عہدہ پر فخر تھا،
 یا ان کو امیر بنایا گیا تھا، یا قاضی بنایا گیا تھا۔ یا صدقات کی چٹھیس اور دسویں پر
 مقرر کیا گیا تھا یا فلاں نام ان کے پر ہوا تھا، جس شخص کے بارے میں یہ بات ثابت
 ہو جائے تو یقین کر لینا چاہئے کہ وہ صحابی ہے، اس لئے کہ حضرت عمر کے زمانے میں
 سوائے صدقہ پانے کسی اور کو کوئی عہدہ دیا ہی نہیں جاتا تھا۔ یہ ایک مسئلہ: صحابی کا، اس
 کے بعد ہے۔

تابعی کی تعریف:

”تابعی“ اس کو کہتے ہیں جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کو
 دیکھا یعنی مسیہ کو، یحیٰ، پھر ان کے مختلف طبقات ہیں، انہیں ان میں سے پیچھے درجے

کے ہیں جیسے کہ میں نے ابھی حضرت سید بن محمد رحمہ اللہ کا ذکر کیا، اگر ایک دن پہلے پہنچ جاتے تو صحابہؓ کے زمرے میں داخل ہو جاتے، لیکن اب تابعینؓ کے زمرے میں داخل ہیں، یہ اکابر تابعی ہیں اور کچھ تابعین درمیانے طبقے کے ہیں اور کچھ چھوٹے طبقے کے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ تابعی:

ہمارے امام ابو حنیفہؒ حضرات تابعینؓ کے اسی طبقے میں ہیں کیونکہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو جن کی رہائش بصرہ میں تھی ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور حضرت مالک بن حویرس رضی اللہ عنہ کو جن کی رہائش کوفہ میں تھی، ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، دو صحابہؓ کو دیکھنا تو قطعاً طور پر ثابت ہے، ان کے علاوہ کوئی دس صحابہؓ ایسے تھے جو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے زمانے میں حیات میں تھے، ان سے ملاقات کرنا اور ان کو دیکھنے کا اہتمام ہے، بہر حال اس پر محدثین متفق ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ تابعی ہیں، یعنی صحابہؓ کرامؓ کے دیکھنے کی وجہ سے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درشاد کے مطابق اس فضیلت میں داخل ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ" (مشکوٰۃ ص ۵۵۳)

ترجمہ: "میری امت کا سب سے بہتر طبقہ میرا طبقہ ہے، یعنی صحابہؓ، ان کے بعد وہ لوگ جو ان کے پیچھے آ رہے ہیں، یعنی ان کے دیکھنے والے اور ان کے بعد وہ لوگ جو ان کے پیچھے ہوں گے، یعنی تبع تابعین۔"

تو حضرت امام ابو حنیفہؒ اس خوش قسمت جماعت میں شامل ہیں، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کا دیدار حاصل ہے اور جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے خیر ہونے کی سند عطا فرمائی ہے۔

ائمہ ثلاثہ تبع تابعین:

دوسرے درجہ پر ائمہ ابو حنیفہ، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کی جماعت میں سے یہ شرف صرف امام ابو حنیفہؒ کو حاصل ہے اور کسی کو حاصل نہیں، امام مالکؒ تبع تابعین میں سے ہیں، یعنی تابعین کو دیکھنے والے ہیں، اسی طرح امام شافعیؒ ہیں، کیونکہ یہ زمانہ بہت لمبا چلا گیا ہے، یعنی ایک سو سال تک تبع تابعین کا زمانہ ہے، امام احمد بن حنبلؒ کے درمیان اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کم سے کم تین واسطے آتے ہیں، اس سے کم واسطے نہیں۔

امام بخاریؒ کا درجہ:

امام بخاریؒ، امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد کے شاگرد ہیں، اصل میں تو امام بخاریؒ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے شاگرد ہیں، امام شافعیؒ، امام محمدؒ کے شاگرد ہیں، امام محمدؒ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ اتنے واسطوں سے امام بخاریؒ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں، لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ بڑا استاد لمبی عمر والا مل گیا، چنانچہ خوش قسمتی سے امام بخاریؒ کو بھی ایک لمبی عمر والے استاد مل گئے تھے، جن کا نام ہے، کبھی ابن ابراہیمؒ، یہ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں، انھارہ حدیثیں صحیح بخاری میں ملاتی ہیں، یعنی امام بخاریؒ کے درمیان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہیں، صحابی، تابعی اور تبع تابعی اور بس، تو امام بخاریؒ سے لے کر امام شافعیؒ تک اس طبقہ کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین واسطوں سے شاگرد ہیں، یعنی ان کے درمیان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کم سے کم تین واسطے ہیں، امام مالکؒ مقدم ہیں کہ وہ امام شافعیؒ کے استاد ہیں، ان کے درمیان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کم سے کم دو واسطے ہیں، ایک تابعی کا، ایک صحابی کا، البتہ امام ابو حنیفہؒ کے

درمیان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف ایک یعنی صحابی کا واسطہ ہے، اگرچہ بعض رواجوں میں دو دو، تین تین، چار چار واسطے بھی آجاتے ہیں، تو یہ شرف امام ابو حنیفہ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔

افضل صحابہ؟

اس میں اعتراض ہوا ہے کہ تابعین میں سے افضل کون ہے؟ اور صحابہ کی جماعت میں سب سے افضل کون ہے؟ تو حضرات صحابہ کرامؓ میں سے حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علی رضی اللہ عنہم اجمعین، اس کے بعد مشرکہ مشرکہ حضرات عیسیٰؑ، زیدؑ، عبدالرحمن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابوجہیدؓ، بن الجراحؓ، سعید بن زیدؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین، کو مکر مشرکہ مشرکہ بن جاتے ہیں، جو سب کرامؓ میں سے افضل ہیں۔

افضل تابعی؟

لیکن اس میں اختلاف ہوا ہے کہ تابعین میں سب سے افضل کون ہے؟ کسی نے کہا کہ اولیں قرنی ہیں، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مر رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی تھی کہ یہ صاحب آئین تھے ان سے اپنے لئے مغفرت کی دعا کروان، تو بزرگ کیا کہ حضرت مرؓ جیسے آدمی کو کہا جائے کہ ان سے دعا کرو اور

بعض نے کہا کہ سیدان یعنی حضرت سعید بن مسیبؓ ہیں۔ کسی نے چھ لیا، اور کسی نے چھو کہا اور چلتے چلتے بات یہاں تک آگئی کہ فضیلت کے معنی کیا ہیں؟ اگر فضیلت کے معنی شرف ثواب ہیں تو امام ابو حنیفہؒ سے براہ تر کوئی نہیں ہے، اگرچہ چھوٹے درجہ کے تابعی ہیں، ایک دو صحابہؓ کو دیکھا یا پانچ سات کو دیکھا، لیکن ان سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے کہ ان کے بعد آنے والی دو تہائی امت ان کے مذہب پر عمل کرتی ہے اور یہ شرف کسی اور کو حاصل نہیں۔

سفیان بن عیینہ کی شہادت:

امام سفیان بن عیینہ دو چیزوں کے بارے میں بڑے بڑے سے کہتے تھے کہ میرا خیال تو یہ تھا کہ کوفے کے پل سے آگے نہیں جائیں گی یہ تو آسمانوں کے کناروں تک پہنچ گئی ہیں۔ ایک امام ابوحنیفہؒ کی فقہ دوسرے امام عاصمؒ کی قرأت، قرآن کریم کی یہ قرأت جو ہم پڑھ رہے ہیں یہ امام عاصمؒ کی قرأت ہے، ان کے ربوی امام مفضلؒ ہیں، حضرت سفیان بن عیینہؒ کہتے تھے کہ میرا خیال تھا کہ اس قرأت کو کوئی نہیں لے گا اور کوفے کے اندر ہی رہے گی، لیکن انہوں نے تو پورے آفاق کو تار دیا۔ کہہ یہ تھا کہ بندوں کو وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ جو کچھ بھی ہوا محتاج اللہ ہوا، کسی بندہ کا اس میں دخل نہیں ہے۔

معاندین کی کوشش:

بہت سارے لوگ بلکہ ایک مستقل طبقہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے زمانے سے لے کر آج تک چاقو چھری لے کر یہ اعزاز چھیننے کے لئے امام ابوحنیفہؒ کے پیچھے پڑا ہوا ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں ایسے ایسے گندے فتوے دیئے گئے ہیں کہ کوئی حد نہیں، اور ایسے ایسے الزامات عائد کئے گئے ہیں کہ عقل حیران ہے کہ کوئی دماغ میں مغز رکھنے والا آدمی یہ سوچ سکتا ہے؟ لیکن بہر حال الزام لگائے گئے ہیں، ان تمام مخالفتوں کے باوجود دیکھنے والوں نے دیکھا اور آج تک دیکھ رہے ہیں کہ امت کی دو تہائی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر عالم ہے، اور یہ بات صرف ہمارے کہتے سب نے کہی ہے، شافعی بھی مانتے ہیں، مالکی بھی مانتے ہیں اور حنبلی بھی مانتے ہیں، تو جب دو تہائی امت کے لوگ فتنہ فتنی پر عمل پیرا ہیں تو اس میں کوئی تو اللہ تعالیٰ کا راز تھا اور دو تہائی امت کا ثواب ان کے ذمہ عمل میں نکلا جا رہا ہے، کیونکہ استاد کے نامہ عمل میں شامرو کے اعمال لکھے جاتے ہیں، تو اس لئے لکھنے والوں نے تحیک کہا اور کچھ غلط نہیں

کہا کہ اگر فضیلت سے کثرتِ ثواب مراد ہے تو یہ کہنے کی اجازت ہے۔ دیکھئے کہ افضل
التابعین امام ابوحنیفہؒ ہیں، اس لئے کہ مستقل طور پر اتنی بڑی امت ان کے مذہب پر
عمل کر رہی ہے جس کا ثواب ان کو پہنچ رہا ہے۔

ایک لطیفہ:

مجھے ایب لطیفہ یاد آیا ہے، پہلی التحیات میں عبدہ و رسول تک تشہید پڑھا جاتا
ہے، اور اس کے بعد اٹھ جاتے ہیں، اگر کوئی شخص درود شریف پڑھ لے حالانکہ اس کو
انھن تھا، لیکن وہ درود شریف پڑھ لے اور صرف "اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی" تک ہی پڑھا تھا
کہ اس کو یاد آگیا کہ مجھے تو پختا تھا اور پھر وہ اٹھ جائے تو اس پر مجدد سب واجب نہیں،
لیکن "مختص" کہہ دیا تو مجدد سب واجب ہو جائے گا۔ تو ایک دفعہ امام ابوحنیفہؒ کو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میرا
نام لینے پر مجدد سب واجب کر دیتے ہو؟ فوراً عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کا نام اگر
غفلت سے لیا جائے تو مجدد سب واجب کرتا ہوں، اس جرم میں کہ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کا نام غفلت سے کیوں لیا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جواب سے بہت خوش
ہوئے۔ مسئلہ تو یہ ہی تھا کہ بھول کر، غفلت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے
رہا ہے، جہاں نام نہیں لینا چاہئے تھا۔

تابع تابعین کی تعریف:

اب ان کے بعد "تابع تابعین" یعنی وہ تمام حضرات جنہوں نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں کو دیکھا، یہ تیسرے درجے میں
آجئے، ان تین لوگوں کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں فتویٰ
دیتا ہوں کہ یہ امت میں سب سے بہتر تھے اور میری تائید اور وصیت ان کے بارے
میں بہتری کی ہے، اس کو قبول کرو۔

خیر القرون کا عمل حجت ہے:

نہیں اب امت کی بد قسمتی یہ ہے کہ سب سے زیادہ تنقید انہیں تین طبقوں پر ہوتی ہے، صحابہ کرام پر، تابعین پر، تبع تابعین پر، میں نے عرض کیا کہ امام احمد بن حنبل تک تبع تابعین کا زمانہ پورا ہو جاتا ہے، یہ تین زمانے خیر کے زمانے ہیں، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جو عمل صحابہ کرام کے زمانے میں روانہ کیا گیا، صحابہ نے اس پر تکمیل نہیں فرمائی، جو عمل تابعین کے زمانے میں رونق پانگیا اور اکابر تابعین نے اس پر تکمیل نہیں فرمائی اور اسی طرح تبع تابعین کے زمانے میں جو عمل رونق پانگیا اور اس عہد کے اکابر نے اس پر تکمیل نہیں فرمائی، اس پر نوکا نہیں کہ غلط کر رہے ہو، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شریعت کا یہ مسئلہ برحق ہے، اس لئے کہ یہ تین طبقے ایسے تھے کہ شریعت کے خلاف بات کو برداشت کر ہی نہیں سکتے تھے، اس کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں۔

خیر القرون اور غیر شرعی عمل:

پانچ مسئلہ میں حدیث ہے:

"عَنْ غُضَامَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ أَنَّهُ رَأَى بِشْرَ بْنَ مَرْوَانَ عَلَى الْمَنَسْبَرِ رَافِعًا يَدَيْهِ، فَقَالَ: قَتَبَ اللَّهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ، لَقَدْ زَانَتْ زَمْزُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَزِيدُ عَلَيَّ أَنْ يَقُولَ بَيْنَهُ هَكَذَا وَأَمَّا زَانِ بِأَصْبَعِهِ الْمُسَبَّحَةَ"

(مشکوٰۃ ص ۱۳۳)

ترجمہ: "حضرت غمامہ بن رویہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بشر بن مروان کو دیکھا کہ خطبہ دے رہا تھا (اور جس طرح غمامہ سے خطیبوں کو آپ نے دیکھا ہوگا، دہر دہر ہاتھ مار رہے ہوتے ہیں، وہ بھی اسی طرح ہاتھوں کو مار رہا تھا) یہ

صحابی بھی اس خطبے میں موجود تھے، کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ دونوں ہاتھوں کو برا کرے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے تھے تو ایک انگلی کے اشارے سے زیادہ ہاتھ کو حرکت نہیں دیتے تھے، یعنی انگلی سے اشارہ کر دیا کرتے تھے۔

اتنی بات پر بھی صحابہ تکبر فرما رہے ہیں کہ یہ خطبہ دیتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف کر رہا ہے۔

بلا طلب شہادت:

اس کے بعد فرمایا پھر کچھ اور ٹوک آئیں گے، ان سے شہادت مانگی نہیں جائے گی بلکہ شہادت دینے اور گواہی دینے کے لئے تیار ہوں گے۔

اور دوسری روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مہربی ہے کہ حضرت عمرؓ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ہی کا حوالہ دے رہے ہیں:

”لَمْ يَأْتِي قَوْمٌ قَسَبِي شَهَادَتُهُمْ يَعْزِلُهُ وَبَيْنَهُ مِنْ شَهَادَتِهِ“

ترجمہ: ... ”پھر ایک قوم آئے گی کہ یہ قسم کھانے سے پہلے شہادت دینا چاہیں گے اور شہادت دینے سے پہلے قسم کھانا چاہیں گے، یعنی جھوٹی گواہی دیں گے اور جھوٹی قسمیں کھا لیں گے۔“

عدل و انصاف کا معیار:

یہاں پر ایک بات عرض کروں کہ عدل و انصاف کا مدار صحیح فیصلہ پر ہے، اور صحیح فیصلہ کا مدار صحیح شہادت پر ہے، کیونکہ سامنے ریکارڈ پر بھی شہادتیں آئیں گی،

قاضی اسی کے مطابق فیصلہ کرے گا، تو عدل و انصاف کا مدار ہے صحیح فیصلے پر اور صحیح فیصلے کا مدار ہے صحیح شہادت پر، اب آپ ہی انصاف فرمائیں کہ جس معاشرے میں چائے کی پیالی پر اور سگریٹ کی ذبیہ پر گواہ مل سکتے ہوں، اس معاشرے میں شہادت کا معیار کیا ہوگا؟ اور جب شہادت کا معیار یہ ہے تو صحیح فیصلے کیسے ہوں گے؟ اور جب فیصلوں کا معیار یہ ہے تو عدل و انصاف کیسے قائم ہوگا؟

سب سے پہلے انصاف کا قتل ہوگا:

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا عاونا مسند احمد کے حوالے سے جو صحیح معنی میں یہ روایت موجود ہے کہ اسلام کے تمام حلقوں کو ایک کر کے توڑ دیا جائے گا، سب سے پہلے جس چیز کو توڑا جائے گا وہ انصاف کے مطابق فیصلہ کرنا ہے، یہ چیز سب سے پہلے توڑ دی جائے گی اور آخر میں جو چیز ٹوٹے گی وہ نماز ہے، اب تو مدت ہو چکی نماز بھی ٹوٹ چکی ہے۔

موجودہ عدالتیں:

عدالتوں کے نام سے بڑی بڑی بلڈنگیں بنائیں اور قاضیوں کو، جج حضرات کو، موٹی موٹی تنخواہیں دو اور پریٹنڈ کر دو، اھول چلنا کہ ہمارے یہاں عدلیہ آزاد ہے جبکہ آزاد نہیں ہے، لیکن کچھ بھی کر لو یہاں انصاف نہیں مل سکے گا۔ اس لئے کہ پولیس نے جو مقدمہ بھی قائم کرنا ہو اسے گواہی کے لئے آدمی مل جاتے ہیں، اس کے لئے نہیں ملے گا، رکھے ہوئے ہیں، ان کو دھمکانے کی ضرورت نہیں، یہ عدالتیں بھی جاتی ہیں کہ دلیل صاحب سب سے پہلے جھوٹ بواتے ہیں، ایک مقدمہ بھی ایسا نہیں ہوگا جس میں ساٹھ فیصد جھوٹ نہ دلا گیا ہو، یا بدلی اور سائنس نے اپنی درخواست میں کہہ دیا کہ ساٹھ فیصد جھوٹ نہ ملایا ہو اور بعض دفعہ تو ایک سو ایک فیصد جھوٹ دیتا ہے، یعنی جو جھوٹ ہے اس میں مزید دلیل اضافہ ہوتا ہے، گواہ بدلتے جاتے ہیں،

دیکھیں جو جرح کرتے ہیں وہ جھوٹی ہوتی ہے اور شیخ فیصلہ لکھتا ہے وہ جھوٹا ہوتا ہے، مگر نام رکھا جاتا ہے۔ انصاف، یہ تو بات نیچے سے بگڑی ہوئی ہے۔

نیچے سے اوپر تک رشوت:

میرے ایک دوست چند دن پہلے آئے کہنے لگے میرا لڑکا، ٹیچنر ہے، اور اس کو ملازمت مل رہی ہے، میں نے اس کو کہا کہ چنا رشوت نہیں لوگے، وہ لڑکا بھی ساتھ آیا تھا، یہ کہہ رہا ہے کہ میں نہیں لوں گا، مگر اوپر والے جو مانگیں گے اس کا میں کیا کروں گا؟ ہر اورے میں میکی ہوتا ہے۔ رشوت صرف رشوت لینے والا نہیں لیتا بلکہ وزیر صاحب تک اور اُس پر یہ کہا جائے کہ صدر صاحب تک یہ رشوت جاتی ہے تو بالکل سچا ہے، ہاں تو یہ مسئلہ وزیر تک پہنچتا ہے، نیچے چڑا اسی سے لے کر اوپر تک ہے، یہ جتنی ناقانونیت ہو رہی ہے، کیا یہ ساری ہی ساری چھوٹے کر رہے ہیں؟ لاخون و ناقوۃ الا بائعہ! ان کی کیا مجال ہے؟ بلکہ یہ لاقانونیت بڑے اعلیٰ افسروں کے ذریعہ سے ہو رہی ہے، جن کو قانون نافذ کرنا ہے اور جو قانون کے مخالف ہیں وہ قانون شکنی کر رہے ہیں۔

برے دور کی علامت:

تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ ان تین زمانوں کے بعد پھر کچھ ایسے لوگ آئیں گے کہ شہادت دینے سے پہلے قسم کھانا چاہیں گے اور قسم کھانے سے پہلے گواہی دینا چاہیں گے، یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگا کہ قسم پہلے کھانا چاہتا ہے یا گواہی پہلے دینا چاہتا ہے۔

لیکن ایک بات یاد رکھو! بدگمانی کا ازالہ کرونا چاہتا ہوں کہ امت میں ٹمڑے ہوئے افراد ہیں، دور یہ بگاڑ دن بدن بڑھتا جا رہا ہے، ایک زمانہ تھا کہ بگڑے ہوئے لوگ تھوڑے تھے، اب بگڑے لوگ زیادہ تھے، اور پھر چلتے چلتے بگڑے ہوئے لوگوں کا گراف اونچا ہوتا گیا اور جیسے لوگوں کا گراف نیچے ہوتا گیا اور اب اکثریت میں بدی

کے جرائم مجھے ہیں۔

اس حق اب بھی باقی ہیں:

لیکن یہ مطلب نہیں ہے کہ اب چوری کی پوری امت عیٰ امیں ہے، نہیں، بلکہ اب بھی کچھ اچھے ضرور ہیں، اس لئے کہ یہ بات ذہن میں رکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مگر یہ ہے:

”الَا تَرَوُنَّی حَافِظَةً مِّنْ اَعْتَصٰی قَانَصَةً یٰۤاَمْرٌ ؕ لََّا یُضِلُّهُمْ مِّنْ خَلْقِهِمْ اَوْ یُخَلِّفَهُمْ ... الطبع“

(ترجمہ احمد رضا ص ۱۰۱)

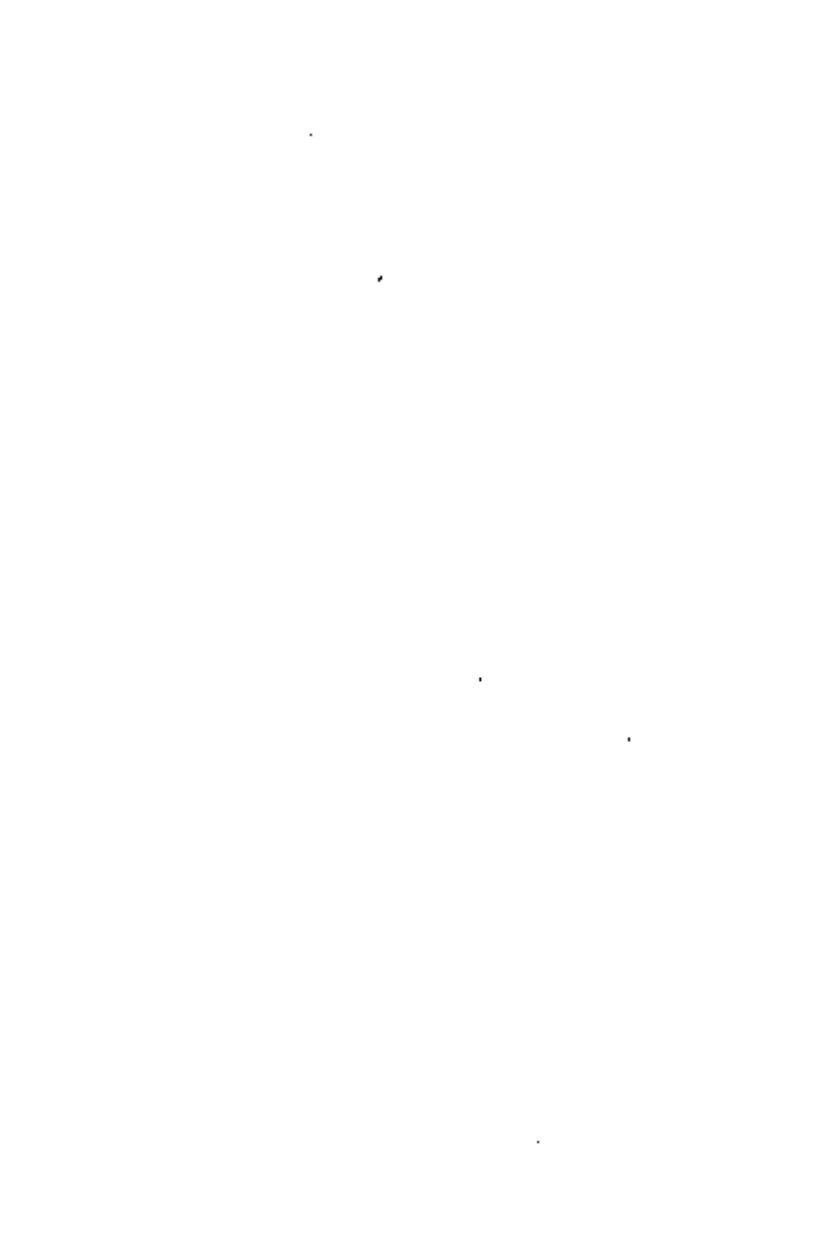
ترجمہ ... امیر امی امت میں فلیہ ہدایت برقرار رہے گی
یہ قائل رہے گی (قوان، عملاً، یہ نفاذ اور اخلاقاً)، جو ان کی مخالفت
کرنے یا اس کی مدد سے ہاتھ لگنے سے ان کا کچھ نہیں رہے گا
(دو اپنا کام کرتی رہے گی) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے
اور میں یہ اسلام مانوں، جو چاہیں۔

کیونکہ معنی علیہ السلام کا آنا یہ قیامت کی ملامت ہے تو قیامت تک ایک
جماعت حق پر قائم رہے گی، عقیدہ و نئے اعتبار سے بھی، عمل سے اعتبار سے بھی، امت و
اخلاقی کے اعتبار سے بھی۔ طور و صریح کے اعتبار سے بھی، اس لئے اس قسم کی بات
اس کریمانی پوری امت کو نہ پسند پائے، اچھے لوگ بھی ہیں، اور بے زمانے میں رہتے
ہیں، اگرچہ ان بدن قصور سے ہوتے جا رہے ہیں، ان میں کمی آتی چوری ہے اور یہ
جیسے لوگ بڑھ رہے ہیں، لیکن بھی قسم نہیں ہوئے۔ ہیساکہ اکبر الہامی نے کہا ہے۔

خدا کی یاد میں دینے والوں سے منہ جو سڑے ہیں

وہاں انسان اچھے ہیں مگر انہوں نے قصور ہے ہیں

وہی زلفہ نعلیٰ علی سحر مخدع معسر دراز و دروغ و دروغ



جہاد میں
صحابہؓ کی مدد کو فرشتوں کا آنا

تمہارے لئے اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اس کے ساتھ اور مدد نہیں ہوتی مگر اللہ کے پاس، جو بڑا زبردست، بڑی حکمت والا ہے، تاکہ وہ کاٹ ڈالے اور ہلاک کر ڈالے ایک حصہ ان کافروں کا یا ان کو ذلیل کرے، پس وہ لوہیں مجھے نامراد اور ناکام ہو کر۔"

بدر میں فرشتوں کی تعداد:

اس سے قبل میں نے عرض کیا تھا کہ جنگ بدر میں کتنے فرشتے نازل ہوئے تھے، اس سلسلے میں سورۃ الانفال میں تو وعدہ فرمایا تھا کہ ایک ہزار فرشتے نازل کریں گے اور یہاں دو وعدے ہیں، ایک وعدہ تو غیر مشروط یعنی اللہ تعالیٰ تین ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائیں گے۔ اور دوسرا وعدہ مشروط ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر تم صبر سے کام لو، تقویٰ اختیار کرو، بشرطیکہ وہ تم پر فوری طور پر حملہ آور ہوں تو اللہ تعالیٰ پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائیں گے۔

پانچ ہزار کا وعدہ کس غزوہ کے لئے؟

اب اس میں غٹگو ہوتی ہے کہ پانچ ہزار فرشتے نازل کرنے کا یہ وعدہ جنگ بدر سے متعلق ہے یا جنگ احد سے متعلق ہے؟ اور پھر یہ کہ یہ پانچ ہزار فرشتے نازل کئے گئے یا نہیں؟

بعض اکابر اس طرف گئے ہیں کہ یہ وعدہ غزوہ احد سے متعلق تھا، تین ہزار فرشتے نازل کرنے کا وعدہ تو جنگ بدر میں ہوا اور پانچ ہزار فرشتے نازل کرنے کا وعدہ جنگ احد سے متعلق تھا جو کہ ان تین مذکورہ بالا شرطوں کے ساتھ مشروط تھا لیکن اس میں مسلمانوں میں سے بعض افراد نے تھوڑا سا بے صبری سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ مدد نہیں آئی اور مسلمانوں کو ظاہری طور پر شکست ہوئی، لیکن عام خلفاء کا قول یہ ہے کہ یہ

تیسرا وعدہ بھی جنگ بدر سے متعلق ہے، گویا تین وعدے ہوئے۔

پہلا وعدہ:

پہلا وعدہ تھا ایک ہزار فرشتے نازل کرنے کا جو کہ سورہ الانفال میں ذکر کیا گیا وہ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے استغاثہ پر یعنی ان کے فریاد کرنے پر نازل فرمائے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: "اِذْ نَسْتَفِيزُنْكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ"۔ جب تم اپنے رب سے فریاد کیا کر رہے تھے تو انہوں نے تمہاری فریاد کو سن لیا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ "مُزَيَّدِينَ" جو دکاتر، پے در پے آ رہے تھے۔

دوسرا وعدہ:

دوسرا وعدہ بھی جنگ بدر سے متعلق ہے اور اس سلسلے میں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے فرما رہے تھے کہ کیا تم کو کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتوں سے بن کو آسمان سے نازل کیا جائے گا۔ اگرچہ زمین میں فرشتے بہت ہیں، ان سے بھی مسلمانوں کی مدد کا کام لیا جاسکتا تھا، لیکن یہ حق تعالیٰ شانہ کی خاص عنایت تھی کہ آسمان سے فرشتے نازل فرمائے تو یہ تین ہزار فرشتے بھی نازل ہوئے۔

تیسرا وعدہ:

رہا تیسرا وعدہ پانچ ہزار فرشتے نازل کرنے کا، یہ اس وقت سے متعلق ہے جبکہ مسلمانوں کو اطلاع پہنچی کہ ایک ہزار مکہ کے کافر تو جنگ بدر میں آئے ہوئے ہیں لیکن کچھ باہر کے سردار اور رئیس بھی ان کافروں کی مدد کے لئے آ رہے ہیں، ظاہر بات ہے کہ اس خبر سے مسلمانوں کو مزید پریشانی ہوئی، قرظ بن جابر کے بارے میں اطلاع پہنچی کہ وہ بھی کافروں کی مدد کے لئے شکر لے کر آ رہا ہے تو اس وقت وعدہ

فرمایا گیا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ہم پانچ ہزار فرشتے بھیج دیں گے۔ تو یہ ایک ہزار اور تین ہزار اور پانچ ہزار یہ کل مجموعی تعداد ہوئی۔

فرشتوں کی مجموعی تعداد:

مطلب یہ ہے کہ پہلے ایک ہزار تھے، پھر دو ہزار مزید نازل ہوئے تین ہزار ہو گئے، پھر دو ہزار مزید نازل کرنے کا وعدہ فرمایا تو پانچ ہزار ہو گئے، تو مجموعی تعداد کو ذکر فرمایا ہے ورنہ کل تعداد تو نو ہزار فرشتوں کی بنت جاتی ہے، لیکن یہ شرط کیوں نہیں پائی گئی جب یہ ہے کہ وہ کافر (جس کے بارے میں اطلاع ملی تھی کہ وہ بھی ان کی مدد کے لئے آ رہے، وہ نہیں آیا، کیونکہ اس کو) وہاں اطلاع پہنچی تھی کہ وہ کافر تو رکھا رہے ہیں اس لئے اس نے ہمت بار دی، ان کو شکست ہو رہی ہے تو وہ بھی ڈر گیا اور نہیں آیا، اس لئے پانچ ہزار فرشتوں کے بھیجنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

فرشتوں کی آمد کا مقصد:

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان ایک ہزار یا تین ہزار یا پانچ ہزار فرشتوں کے بھیجنے کی ضرورت کیا تھی؟ فرشتہ تو ایک ہی کافی ہے، اللہ تعالیٰ نے جب حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قوم موطیٰ کی بستیاب اپنے کا حکم فرمایا تھا تو اکیلے حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام علاقے کو ایک انگلی پر اٹھالیا تھا، اور شہر سدوم کو ایک انگلی پر اٹھا کر مٹا دیا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر فرشتوں کو مدد کے لئے بھیجا جائے تو فرشتے آکر جنگ میں لڑیں تو پھر سدوم، فوں کو لڑنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟ ایک ہی فرشتہ سارے کافروں کو مار دے؟۔ جواب اس کا یہ ہے کہ فرشتوں کو لڑنے کے لئے نہیں بھیجا جاتا، بلکہ مسلمانوں کی تقویت کے لئے، ان کی ڈھارس بندھانے کے لئے اور ان میں قوت پیدا کرنے کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

عزوات شریفہ میں فرشتے نازل ہوتے تھے لیکن ان سے لڑائی کا کام نہیں لیا گیا۔

البتہ بعض اذیٰ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں فرشتے لڑے تھے، تو عابد فرشتوں نے مسلمانوں کی مدد کی ہوئی جنگ بدر ہی میں "اَفْعِدُمُ حَبِیْرُوْمَ" کی آواز صحابہؓ نے سنی تھی، "حَبِیْرُوْمَ" حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھوڑے کا: مر تھا، سمجھنے لگے آواز سنی کہ "اَفْعِدُمُ حَبِیْرُوْمَ" حیزوم آگے بڑھو، یہ جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز تھی، صحابہؓ نے فرشتوں کو دیکھا بھی تھا اور ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کہ عجیب بات تھی کہ کوئی آدمی لڑنے والا اور قتل کرنے والا نظر نہیں آتا تھا، لیکن کافر کا سر کٹ گیا۔ بہر حال فرشتوں کی تائید و مدد اصل لڑائی کے لئے نہیں ہوتی بلکہ مسلمانوں کی تقویت کے لئے ہوتی ہے، ہو سکتا ہے کہ جنگ بدر میں فرشتوں نے کاروائی بھی فرمائی ہو لیکن اُس فرشتے لوگوں کو قتل کرنے لگیں تو ایک بھی آدمی نہ بچا۔

اور تیسرا سو فی یہ ہے کہ انسانوں سے انسانوں کو لڑنا چاہئے، یہ فرشتے کیوں بھیجے گئے؟ اس کا جواب اللہ تعالیٰ خود دے رہے ہیں: "وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ" اور نہیں بنایا اللہ نے اس کو جنی فرشتوں کے بھیجنے کو مگر خوشخبری تمہارے لئے، تمہیں اس کا احساس ہو کہ کافر اگر مقابلے میں بہت کثیر تعداد میں ہیں تو کوئی پریشانی کی بات نہیں، اللہ تعالیٰ ہماری مدد کے لئے آسمان سے فرشتوں کو بھیج رہے ہیں، تمہیں خوشخبری ہو "وَنُظَمِّمِنۡ فَلَؤَبۡدُکُمۡ بَدَ" اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اس خوشخبری کے ساتھ اور تمہارے دلوں کو سکون ہو جائے، پناہ سوره الکافر میں فرمایا گیا ہے:

"اِذۡ یُوحٰی رَبِّکَ اِلَی الْمَلَائِکَۃِ اَنۡیۡ نَعۡمَکُمۡ
فَقَبِلُوْا الذِّبۡنَ اِنۡمَوۡا سَالَفَیۡ فِیۡ قُلُوۡبِ الذِّبۡنِ تَخۡفَرُوۡا الرُّعۡبَ
..... الخ۔"

ترجمہ: "جب اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو وحی فرما

رہے تھے یعنی حکم فرما رہے تھے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم ذرا
مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کرو، میں کافروں کے دلوں میں
دعوت ڈال دوں گا۔“

تم لوگ ذرا مسلمانوں کو ثابت قدم رکھو اور ان کے دلوں کو اطمینان دلاؤ تو
ملائکہ اللہ کے آثار کی وجہ سے مسلمان اتنے بہادر اور اتنے جری ہو گئے کہ پہاڑوں
سے ٹھرا چائیں، کافر کیا ہوتے ہیں؟ یہ مقصد تھا فرشتوں کو نازل کرنے کا تاکہ تمہارے
دلوں کو ثابت نصیب ہو، اطمینان ہو، تمہاری پریشانی جاتی رہے۔ تم پر سکینت نازل
ہو جائے، ”وَمَا اَنْتُمْ بِالْاٰمِنِيْنَ بِحَبْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ“۔ باقی جہاں تک مدد کا
تعلق ہے وہ صرف اللہ رب العزت کی جانب سے ہوتی ہے، چنانچہ فرمایا: ”اور نہیں
ہوتی مدد مگر اللہ کی جانب سے، جو بڑا زور بردست ہے، بڑی حکمت والا ہے۔“ اس کو تو
فرشتوں کی بھی ضرورت نہیں ہے اور تمہاری بھی ضرورت نہیں ہے۔

غزوات سے مقصد:

یہ دنیا دار الابطال ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی غزوات میں
بجاہدے کروائے گئے اور آپ کو صدقات بھی پہنچے، دنانیر مبارک بھی شہید ہوئے، زخم
بھی لگے، یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیع درجات کے نئے دور یہ بتانے
کے لئے کہ یہ راستہ مجاہدے کا راستہ ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ تو محتاج نہیں ہے قلوب کو پھیر
سکتے ہیں، وہ بڑے زبردست بھی ہیں، لیکن ساتھ ہی ساتھ حکیم بھی ہیں، اپنی حکمت
کے مطابق معاملہ فرماتے ہیں، تمہاری محدود عقل کے مطابق نہیں، ”لِيَقْطَعَ خُلُوْفًا مِّنَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا“ اللہ تعالیٰ نے ایسا اس لئے کیا تاکہ قطع کر دے، ”قطع“ کے معنی
کاٹ ڈالنا، تاکہ کاٹ ڈالے، اور ”طرف“ کے معنی حصہ کے ہیں، تاکہ کاٹ ڈالے
کافروں کے ایک حصے کو، مطلب یہ ہے کہ ان کی جماعت میں سے ایک حصے کو ہلاک

کروے، قتل کروے، ختم کروے، چنانچہ جنگ بدر میں موسیٰ موسیٰ نے کافر اللہ تعالیٰ نے قتل کروائے جو کہ کفر کے رئیس تھے، تو گویا یوں کہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں سرکات دیا تھا اس لئے قطع کا لفظ یہاں استعمال فرمایا کہ کات ڈالے "لَا يُرْبِكُهُمْ" یا ان کو بچا کر دے، ناکام کر دے، ذلیل کر دے، "فَيَنْقَبِضُوا حَقَابِيْنِ" وہ بے سرو ہو کر لوٹیں۔

سمجھنے کی باتیں:

اب یہاں پر ایک دو باتیں مزید کہنے کی ہیں وہ یہ کہ میں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کی تین نعمتیں ذکر فرمائی ہیں، جن کو آسمان سے نازل فرمایا گیا: ۱۔ سورہ النازل میں ایک ہزار فرشتوں کے لئے "مردفین" کا لفظ آیا ہے، "مردفین" کے معنی پرہیزگار باندھ کر آئیں گے، لگاتار آئیں گے، اور جب فرشتے پہ در پہ آتے ہوئے محسوس ہوں گے تو سسناؤں کو تقویت زیادہ ہوگی۔

۲۔ اور تین ہزار فرشتوں کے لئے فرمایا گیا، "ممنزین" جن کو آسمان سے نازل کیا جائے گا، ان کا کھتہ میں عرض کر چکا ہوں، ایک تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے یہ خدمت زمین کے فرشتوں سے نہیں لی بلکہ آسمان سے فرشتے بھیجے، یہ خاص طور پر مسلمانوں کے ساتھ منیت تھی۔

مقرئین سے مقرئین کی مدد:

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ آسمان کے فرشتے ملائکہ مقرئین کہلاتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مدد کے لئے ملائکہ مقرئین کو نازل فرمایا، کوئی شک نہیں کہ یہاں مقرئین انسان موجود تھے۔

کائنات میں سب سے زیادہ مقرب، حتیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد حضرات اہل بدر سب سے زیادہ

مترہاں خداوندی تھے، تو ان کی مدد کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرب فرشتوں کو نازل فرمایا۔

وروی والے ملائکہ:

۳۔۔۔ اور پانچ ہزار فرشتوں کے لئے ”موسمین“ کا لفظ آیا ہے، ”موسمین“ کا معنی خاص علامت والے، جس طرح کہ فوجی دستوں کے مختلف نشانات ہوتے ہیں، مختلف وردیاں ہوتی ہیں، مختلف ان کی علامتیں ہوتی ہیں، اسی طرح ان فرشتوں کی بھی مختلف علامتیں تھیں، مختلف وردیاں تھیں، احادیث میں آتا ہے کہ کچھ ملائکہ سفید عمامے پہنے ہوئے تھے، اور کچھ ملائکہ سیاہ عمامے پہنے ہوئے تھے، اور کچھ ملائکہ زرد عمامے پہنے ہوئے تھے، گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے مختلف طبقات بنادیئے تھے اور ہر ایک کی ایک الگ الگ علامت مقرر کر دی تھی، اس لئے فرمایا: ”موسمین“ ان پر نشان لگے ہوئے ہوں گے، نشان زدہ ہوں گے، یعنی ان کی خاص وردی اور خاص علامت ہوگی۔

انبیاء اور امتوں کے ایمان کا فرق!

اور دوسری بات یہ سمجھنے کی ہے کہ مسلمان کا عقیدہ تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے مدد آتی ہے، لیکن بشریت کی بنا پر اور ظاہری اسباب کی بنا پر آدمی کو اس وقت اطمینان قلب ہوتا ہے جبکہ کچھ ضروری اسباب بھی مہیا ہوں اور حضرات انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام، وجود اس کے کہ ان کا تعلق حق تعالیٰ شانہ کی ذات کے ساتھ بہت ہی قوی ہوتا ہے، غیر نبی کے ایمان و یقین کو انبیاء کے ایمان و یقین کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں ہے، منصباً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان اور ان حضرات کی نظر اسباب پر نہیں ہوتی تھی۔

حضرت ابراہیمؑ کا اعتماد علی اللہ:

جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ پیچھے گزر چکا ہے کہ جب

خمرود نے ان کو آگ میں ڈالا تھا تو آگ میں ڈالے جانے سے ایک لمحہ پہلے جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس پہنچے اور عرض کیا: ”مدد کر سکتا ہوں!“ فرمایا: ”بھیسے ہوئے آئے ہو یا اپنے آپ“ بھیسے ہوئے“ کہا کہ: ”بھیسے تو نہیں گیا لیکن اجازت لے کر آیا ہوں۔“ فرمایا: ”پھر تمہاری ضرورت نہیں ہے!“

غرض یہ ہے کہ ان حضرات کا ایمان تو اتنا قوی ہوتا ہے کہ اسباب و وسائل پر بالکل ان کی نظر نہیں ہوتی، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جانتے ہیں کہ کرنے والے اللہ تعالیٰ ہی ہیں لیکن حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم پوری امت کے لئے ہوتی ہے اور امت میں چونکہ طاقتور بھی ہوتے ہیں اور کمزور بھی ہوتے ہیں، قوی الایمان بھی ہوتے ہیں اور ضعیف الایمان بھی ہوتے ہیں، اعلیٰ درجے کے مضبوط طبیعت کے مالک بھی ہوتے ہیں اور چھڑو لک قسم کے آدمی بھی ہوتے ہیں، اس لئے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ضعف امت کو ساتھ لے کر چلتے ہیں، تو ملائکہ کا آسمان سے نازل کیا جائے یہ اس لئے تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں، تاکہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اور تمہیں خوشخبری دو جائے کہ فرشتے نازل ہو رہے ہیں ہم تمہارا نہیں ہیں، اگر فرشتے نازل نہ کئے جاتے تو تم سمجھتے کہ ہم اکیلے ہیں۔

یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اسباب کو ترک نہیں کرنا چاہئے اور قوی آدمی کو ضعف کی رعایت کرتے ہوئے چلنا چاہئے، اپنی قوت کے مطابق عمل درآمد نہیں بلکہ اپنے ساتھیوں کی رعایت کرتے ہوئے عمل کرنا چاہئے۔

رحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم: صبر عظیم معہم ورنہ یرحمہم اللہ (رحمہم اللہ)

عقائد میں
حق و باطل کا معرکہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على خير خلق الله، وآلِهِ الطَّيِّبِينَ)

١. "عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: مَا
بِكُفِّهِمْ إِلَّا ضَيْفٌ وَمَالُهُ غَارِبَةٌ وَالضَّيْفُ مُرْتَجِلٌ وَالْغَارِبَةُ
مُؤَذَّاةٌ إِلَى أَهْلِهَا." (طريق الأئمة ج ١ ص ١٣٣)

٢. "عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ
عَنْ أَبِيهِ قَالَ: أَنَا وَرَجُلٌ، فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ! عَلِمْنِي
كَلِمَاتٍ بِمَوَاقِعِ نَوَاقِعِ. فَقَالَ: أَعْبُدِ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكْ بِهِ
شَيْئًا، وَزَلْ مَعَ الْقُرْآنِ خَوْفُكَ زَالٍ وَمَنْ جَاءَكَ بِالْخَفِيِّ
فَأَقْبَلْ بِهِ، وَإِنْ كَانَ يَبْعِدُكَ يَغْنَمُكَ وَمَنْ جَاءَكَ بِالْبَاطِلِ
فَارْذَلْ عَلَيْهِ، وَإِنْ كَانَ حَبِيبًا قَرِيبًا." (طريق الأئمة ج ١ ص ١٣٣)

٣. "عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ:
الْحَقُّ نَقِيبٌ مَرِيٌّ وَالْبَاطِلُ خَلْفِيٌّ زَيْتٌ وَزَيْتٌ شَهْوَةٌ
تُورِثُ حُرْقًا طَوِيلًا." (طريق الأئمة ج ١ ص ١٣٣)

ترجمہ:۔۔۔ ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے ارشاد فرمایا کہ: تم میں سے ہر شخص مہمان ہے اور اس کا مال عاریت کا ہے، مہمان کو بیع کرنے والا ہے اور عاریت یعنی ماسکے کی چیز اس کے مالکوں کو واپس کر دی جائے گی۔“

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ: اے ابوبکر! مجھے چند کلمات کی تعلیم دیجئے جو بہت جامع اور نافع ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ: اللہ کی عبادت کیا کر، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا اور قرآن کے ساتھ چل جس طرف وہ چلے اور جو شخص تیرے پاس حق بات کو لے کر آئے اس کو قبول کر، اگرچہ وہ کتنی دور کا اور ناپسندیدہ آدمی کیوں نہ ہو اور جو شخص تیرے پاس باطل لے کر آئے اس کو واپس لوٹا دے اگرچہ وہ تیرا دوست اور قریبی ہی کیوں نہ ہو۔“

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ: حق جو جھل ہے لیکن خوشگوار ہے اور باطل بلی پھٹکی چیز ہے لیکن بد بھٹی پیدا کرتی ہے اور بہت سی شہوتیں ایسی ہیں جو طویل فہم کو حتم لیتی ہیں۔“

دنیا مہمان خانہ:

پہلے ارشاد میں اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے کہ تم میں سے ہر آدمی یہاں

دنیا میں مہمان ہے ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آیا، خواہ کسی کو عمر نوح عطا کر دی جائے، اس کو بھی بہر حال یہاں سے رخصت ہونا ہے اور اس کے پاس جتنا مال ہے وہ اس کا اپنا نہیں ہے، ذاتی نہیں ہے، بنگا مانگ کر لیا ہوا ہے، مہمان کو رخصت ہو جانا ہے اور یہ مانگے کی چیز اس کے مالکوں کو واپس کر دی جائے گی۔

سامان سو برس کا:

یہی دنیا کی حقیقت ہے۔ یہاں آنے کے بعد آدمی ایسا تصور بٹھاتا ہے جیسا کہ مجھے یہاں ہمیشہ ہی رہنا ہے، ”سامان سو برس کا پن کی خبر نہیں۔“ اور اپنے مال کو اپنا ذاتی مال سمجھتا ہے، یہ دونوں غلط فہمیاں یہاں پیدا ہو جاتی ہیں، اور ہم میں سے اکثر لوگوں کو ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہاں کی چیزوں میں رغبت رکھی ہے، آدمی یوں سمجھتا ہے کہ میں ہمیشہ رہوں گا۔

سب کچھ یہاں رہ جائے گا:

جیسے دہائی ہمیشہ نہیں رہتی، اسی طرح آدمی کی عمر بھی ہمیشہ نہیں رہتی، جوئی کے زمانے میں آدمی کو یہ خیال ہی نہیں کہ مجھے بوڑھا بھی ہونا ہے اور یہ قوتی، مجھ سے طلب کر لئے جائیں گے، صحت اور عمر کے زمانے میں آدمی کو خیال ہی نہیں رہتا کہ مجھے مرنا بھی ہے، حق تعالیٰ شہ نے یہاں کی چیزوں کو ہماری ملک بنادیا ہے، فلاں آدمی مالک ہے، فلاں آدمی مالک ہے لیکن ساتھ ہی قرآن کریم نے فرمایا دیا: ”معاذ الحبوة اندنھا۔“ یہ دنیا کی زندگی میں نفع اٹھانے کا سامان ہے، حقیقتہً تم اس کے مالک نہیں ہو، نفع اٹھالو، جتنا اٹھاؤ ہے، اس کی قسمیں اجازت دی گئی ہے۔

اور یہ بہت واضح بات ہے کہ جس کے پاس اپنا ذاتی مال ہو وہ اس کو جہاں چاہے لے جا سکتا ہے، لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ جب بھر جاتا ہے تو کچھ بھی ساتھ نہیں لے جاتے، نہ مکان ساتھ لے جاتے ہیں، نہ اور چیزوں کو ساتھ لے جاتے

ہیں، ہاں اپنی زندگی میں پہلے آگے بھیج دیں تو دوسری بات ہے۔

ہمارا تصور آخرت:

جب بھی دنیا اور آخرت کا مقابلہ ہوتا ہے تو ہماری ترجیح دنیا ہوتی ہے آخرت نہیں، ہمارا تصور یہ ہے کہ اگر آخرت ہماری دنیا میں کوئی نقصان نہ کرے تو بجا ہے، درست ہے، کوئی حرج نہیں، آخرت بھی چلے اور دنیا بھی چلے، لیکن جہاں کہیں آخرت ہماری دنیا پر ضرب لگاتی ہو وہاں آخرت کی خاطر دنیا کے نقصان کو ہم برداشت نہیں کرتے، اللہ ما شاء اللہ!

آخرت کے یقین کی کمزوری:

جنت و جہنم اور جزا و سزا اخروی پر ہمارا یقین کمزور ہو گیا ہے، اور یہ اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ بے چارہ حس و حرکت ہی نہیں کرتا، اتنا بیمار ہے جیسے تپ دق کا مریض جو آخری درجہ میں ہو، وہ بے چارہ اتنا کمزور ہو جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں بھی حرکت نہیں کرتے، زندہ ہے، روح اس میں بھی موجود ہے، لیکن وہ اتنی کمزور اور مستحضر ہو چکی ہے کہ اس کے لئے کوئی حس و حرکت نہیں، ایسے ہی ہمارے یقین بھی کمزور اور بیمار ہو گئے ہیں۔

دنیاوی نفع و نقصان پر یقین:

اگر یقین قوی ہو تو آدمی آخرت کی ہلاکت سے بھی ایسے ہی بچتا، جیسے دنیا کی ہلاکت سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، مثلاً ایک آدمی کے سامنے آگ جس رہی ہو اور اس شخص کی آنکھیں کھلی ہوئی ہوں، تو وہ کبھی بھی اس آگ میں چھلانگ نہیں لگائے گا، اگر کوئی اسے کہے کہ ایک ہزار روپے دیں گے، اس آگ میں چھلانگ لگا دو، تو وہ کہتا ہے: نہ بھائی! اگر اس سے کہیں کہ اچھا تمہیں امریکہ کا صدر بنا دیں گے، چھلانگ لگا دو، تو وہ کہے گا کہ جب میں چھلانگ لگا دوں گا تو مسلات کس کو دوں گے؟ تم بھی

میرے ساتھ مذاق کرتے ہو۔ اسی طرح اسے کہیں کہ تمہیں مگورز بنا دیں گے، وزیر اعظم بنا دیں گے، صدر بنا دیں گے یا اسے پیسے دیں گے وغیرہ، لیکن کبھی کوئی عقلمند آدمی آگ میں چھلانگ لگانے کے لئے تیار نہیں ہوگا، کیونکہ اسے یقین ہے کہ جلی جاؤں گا، مگر جن اعمال پر اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کی وعیدیں سنائی ہیں، ان اعمال کو ہم کرتے رہتے ہیں، آخر کیا بات ہے؟ لگتا ہے کہ ہمیں ان ارشادات پر کمال یقین نہیں۔

ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے: "الْإِيمَانُ ثَلَاثَةٌ كَيْفٌ" (بخاری ج: ۶، ص: ۶) (ایمان تو تین یقین کا نام ہے)۔

گناہوں کا اثر:

جہاں تک گناہوں کی ہلاکت خیزی کا تعلق ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ جب آدمی زنا کرتا ہے، چوری کرتا ہے یا اور کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو ایمان دل سے نکل کر سائبان کی طرح ہو جاتا ہے، اس وقت دل میں ایمان نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے:

"لَا يَزْنِي الزَّانِيُ جَنَّتْ بَيْتُهُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَسْرِقُ جَنَّتْ مَسْرِقُهُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔"

(صحیح مسلم ج: ۱، ص: ۵۶)

ترجمہ: ... زانی جب زنا کرتا ہے، مؤمن نہیں ہوتا،

چور جب چوری کرتا ہے، مؤمن نہیں ہوتا۔

دوسرے علما تو اس کی تاویل کرتے ہیں، لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس وقت ایمان دل سے نکل کر سایہ ظن ہو جاتا ہے، جن اس حالت میں مرجائے تو بے ایمان مرے گا، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے!

یقین و استحضار کی ضرورت:

حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے کسی صاحب کو بد نظری کے لئے علاج لکھا کہ جب بھی نامحرم پر نظر پڑے، تو فوراً نظر کو روک لیا کرو، جب بھی نامحرم سامنے آئے تو فوراً نظر نیچی کرو۔ اس آدمی نے دوبارہ لکھا کہ حضرت! بات یہ ہے کہ عمل تو کرتا ہوں، لیکن پوری طرح اس پر عمل نہیں ہوتا ہے، پھر بھی دیکھ لیتا ہوں۔ حضرت نے جواب میں ایک لفظ لکھ دیا کہ: ”اگر میں تمہارے پاس ہوں تو اس وقت بھی دیکھو گے؟“ اس نے جواب میں لکھا کہ: ”حضرت! بس سمجھ میں آگئی بات۔“

اپنے شیخ و مرشد کے سامنے بھی اس جرم کا ارتکاب کرو گے؟ نہیں! حالانکہ شیخ و مرشد بے چارہ غریب کیا کرے گا؟ وہ خود بہت ہی زیادہ کمزور ہے، جب اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں، تو پھر کیسے ارتکاب کرتے ہو گناہ کا؟

استحضار کی مشق:

اسی لئے پہلے زمانے میں حضرات صوفیا اسی کی مشق کرواتے تھے کہ اپنے مریدوں کو غلوٹ میں اور تنہائی میں بٹھا دیتے تھے کہ کوئی تمہارے پاس نہ آئے اور کاش یکسوئی کے ساتھ تصور کرو کہ اللہ مجھے دیکھتا ہے۔

جنید بغدادیؒ کا استحضار:

حضرت جنید بغدادیؒ ابھی نابالغ تھے، ان کی والدہ ماجدہ نے اپنے بھائی جان حضرت سعد بن عبداللہ تضرعیؒ سے کہا کہ: بھائی جان! اس بچے کی بھی کچھ ذرا تربیت کیا کیجئے! فرمایا: بہت اچھا! جنیدؒ سے کہا کہ بیٹا آج سے ہر چیز، ہر موقع، ہر وقت اور ہر لمحہ یہ خیال کر کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اور پھر آٹھ دن کے بعد مجھے بتاؤ۔ آٹھ دن کے بعد ماموں جان کی خدمت میں گئے، کہنے لگے کہ: حضرت! اور تو خیر ہے، لیکن پیشاب، پاخانہ بھی مشکل ہو گیا ہے، کیسے کروں؟ اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا

استحضار کا بلاھ گیا ہے کہ ستر کھولنا بھی مشکل ہو گیا، ماموں جان نے فرمایا بس تمہارا کام بن گیا، ہو گیا کام۔

یقین بڑی دولت ہے:

اگر یہ یقین دل میں پیدا ہو جائے تو سب سے بڑی دولت یہی ہے اور یہی حقیقت میں ایمان ہے، اور جہاں غفلت پائی جاتی ہے، وہاں ایمان کے اوپر گرد و غبار آ جاتا ہے، پردہ آ جاتا ہے، بادل آ جاتے ہیں، تم دیکھتے نہیں ہو کہ جب دوپہر کا وقت ہو اور بادل سورج کے سامنے آ جائے تو سورج بھی چھپ جاتا ہے، اس کی روشنی اور اس کی تپش ختم ہو جاتی ہے، اسی سے سوچو کہ جب گناہوں کا پردہ، معاصی کا پردہ، غفلت کا پردہ، ایمان پر آئے گا تو ایمان کی نورانیت کیسے باقی رہے گی؟ اور یقین کو وہ کیفیت کیسے حاصل رہے گی؟ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح یقین نصیب فرمائے۔

ایک گونہ غفلت بھی نعمت:

ہمارے حضرت حکیم امامت قدس سرہ اشارہ فرماتے تھے کہ: ایک گونہ غفلت بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، آپ درجہ میں تھوڑی غفلت رہے: یہ بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، درز میاں! ہر وقت استحضار رہے تو جینا بھی مشکل ہو جائے، حق تعالیٰ کی عزائیں ہیں کہ نعمات عطا فرماتے ہیں، تو غلاف میں لپیٹ کر عطا فرماتے ہیں۔

ایمانیات میں شک کفر ہے:

اس کے بعد فرمایا: "وَالرَّيْبُ مِنَ الْكُفْرِ" اور حقائق الہیہ اور ایمانیات میں شک و شبہ کرنا: یہ بھی کفر ہے۔

شک و یقین کے درجے:

یقین درجے ہوتے ہیں، ایک یہ کہ کسی چیز کے ہونے کا یقین ہو، اور ایک یہ

کہ نہ ہونے کا یقین ہو، اور ایک یہ کہ تردد کی کیفیت ہو، یعنی نہ یقین ہے، نہ ہے یقینی ہے، اس درمیانی حالت کو شک کہتے ہیں اور اگر یقین غالب آجائے، یعنی ایک طرف کو جھک جائے تو اس کو غلبہ ظن کہتے ہیں۔ جبکہ اس صورت میں دوسری طرف کا بھی کچھ احتمال ہوتا ہے کہ یقینی یہ بھی ہو سکتا ہے، ورنہ غائب خیال تو یہی ہے، اس کو کہتے ہیں غلبہ ظن، اور اگر ایک طرف کا اتنا یقین بڑھ جائے کہ دوسری طرف کا احتمال ہی نہ ہو، تو اس کو کہتے ہیں عقیدہ، جب ہم کہتے ہیں کہ میرا عقیدہ یہ ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ: "الْبَقِيَّةُ الْمَحْذُوبَةُ لَا يَقْبَلُ الشُّكَّ بِكَ مُشَكِّكٍ"۔ وہ پختہ یقین کہ کسی شک میں ڈالنے والے کی تکلیک کو بھی قبول نہیں کرتا، ایسا کچا یقین نہیں ہے کہ کوئی دوسرے ڈالے اور شبہ ڈالے تو ختم ہو جائے، یہ ہے عقیدہ۔

جہالتِ جدیدہ کی ظلمت:

اب لوگوں کے عقائد محزول ہو گئے ہیں، نئی ہوا کی وجہ سے نئی روشنی یا نیا اندھیرا کہہ دو، لوگ تو اسے نئی روشنی کہتے ہیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ جاہلیتِ جدیدہ کی ظلمت ہے، جنہیں اگر روشنی نصیب ہوتی تو تم حقائق کو ان کی اصل حالت پر دیکھتے۔ آگے آ رہا ہے: "العقد اللازم الجازم الذی لا یقبل الشک بک مشکک"۔ اس کا نام عقیدہ ہے، یعنی ایک طرف کا اتنا پختہ یقین ہے کہ دوسری طرف کا احتمال ہی نہیں، اور اس میں کسی شک ڈالنے والے کی شک اندازی کی گنجائش ہی نہیں، جیسے "لا الہ الا اللہ" (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کیا اس میں اوئی بال برابر بھی احتمال ہے دوسری طرف کا؟ کہ نحوذ باللہ ہو سکتا ہے کہ خدا کوئی دوسرا بھی ہو؟ اور "محمد رسول اللہ" (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں) اس میں بھی بال برابر شک نہیں، بال کا بھی لاکھوں حصہ کر لو، کیا اس کا احتمال ہے کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اور نبی نہ ہوں؟ نہیں، نہیں! بالکل اس کا شک نہیں! اسی کا نام ہے یقین اور عقیدہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي." (ترمذی ج: ۱ ص: ۴۵)

ترجمہ..... "میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

یہ اسکی حقیقت اور ایسا یقین ہے کہ کسی مسلمان کا دل اس کے خلاف کو قبول ہی نہیں کر سکتا۔

مدعی نبوت سے معجزہ کا مطالبہ:

اسی لئے ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ ایک آدمی نے نبوت کا دعویٰ کیا، لوگ پوچھتے ہیں کہ تیرا معجزہ کیا ہے؟ فرمایا: میں سے معجزہ کا سوال کرنے والے بھی کافر ہیں! کیوں؟ اس لئے کہ معجزہ ہوتا ہے اصل نبوت، اور کسی شخص میں معجزے کا احتمال نہ تو تو نبوت کا احتمال ہے، اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلمؐ خاتم النبیین ہیں، آپؐ کے بعد کسی کے نبی بننے کا احتمال ہی نہیں تو معجزے کا کیا سوال؟ معجزہ کا مطلب یہ ہے کہ نعوذ باللہ! یہ کوئی شعبہ دکھا دے گا، تو ہم اس کو نبی مان نہیں گئے؟

مدعی نبوت کے صدق و کذب کے لئے استخارہ بھی کفر ہے:

غلام احمد قادیانی نے اور دوسرے جھوٹوں نے لوگوں کا ایمان اسی طرح برباد کیا ہے، شیطان خواب میں بزرگ کی صورت میں آکر کہتا ہے، بہت ہی نورانی شکل میں آکر کہتا ہے کہ: "میں تمہیں خوشخبری دینے کے لئے آیا ہوں کہ غلام احمد چاہے، اس کو مان لو،" صبح اٹھ کر قادیانی ہو گیا، لا حول ولا قوۃ الا باللہ! نعوذ باللہ! استغفر اللہ! اللہ کی پناہ! اور تمام احمد قادیانی کے زمانے میں مرزا کی بہتے تپھیں کیا کرتے تھے، اب تو پتہ نہیں یہ تپھیں کرتے ہوں گے کہ نہیں؟ چنانچہ جب وہ کسی مسلمان سے ملے تو

کہتے کہ استخارہ کرلو، مرزا صاحب کے بارے میں استخارہ کرلو، اور استخارہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دونوں پہلو برابر ہیں، میں کس کو اختیار کروں؟ اللہ سے مشورہ کرنا ہے۔ کبھی کسی نے مشورہ نہیں دیا کہ استخارہ کرلو کہ میں تو کھالوں کہ نہ کھاؤں؟ کیا اس بارے میں کبھی کسی نے استخارہ کیا؟ کیوں نہیں کیا؟ کیا کبھی کسی نے استخارہ کیا کہ میں نماز پڑھوں کہ نہ پڑھوں؟ جن چیزوں کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں فیصلہ فرما دیا ہو، وہیں استخارہ کی کیا گنجائش؟ استخارہ تو اس چیز میں ہوتا ہے کہ جس میں ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے کہ یہ خیر ہے یا نہیں؟ تو جب تم نے کادیانی کے بارے میں یا کسی اور بے ایمان کے بارے میں استخارہ کیا، تو ایمان تو تمہارا اسی وقت سلب ہو گیا۔ "وَالرَّيْبُ مِنَ الْكُفْرِ" اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ادنیٰ سے ادنیٰ شک و شبہ کا ہو جانا، یہ کفر ہے، اب لوگوں کو نہ تو علم صحیح ہے، نہ اللہ کے بندوں کے پاس جا کر کبھی بیٹھے، نہ عین، نہ ایمان، نہ علم، نہ عمل، اللہ کی مخلوق اسی لئے گمراہ ہو رہی ہے۔

دل کا اندھا پن:

"وَضَرَبَ النُّعْمَىٰ غَضَى الْقَلْبِ" (در مشورہ ج ۵ ص ۲۲۵) اور سب سے بہترین اندھا پن، اس کا اندھا ہو جانا ہے، دل اندھے ہو جائیں، نعوذ باللہ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ:

"فَاتَّخَذُوا لَهَا نَصْرًا لَّيْسَ بِالنَّصْرِ الَّذِي ظَنُّوا"

النَّبِيُّ فِي الضُّلُوفِ" (الحج: ۴۶)

ہات یہ ہے کہ تمکینیں اندھی نہیں ہوئیں، آنکھیں تو کھلی ہوئی ہیں، لیکن سینوں کے اندر جو دل ہوتے ہیں وہ اندھے ہو گئے ہیں، اللہ تعالیٰ رلوں کے اندھے پن سے محفوظ فرمائے، جیسا کہ آدمی کو ظاہری بینائی سے چیزیں نظر آتی ہیں، سیاہ اور

سفید کے درمیان فرق کرتا ہے۔ اور جیسا کہ یہ ظاہری میانی مختلف درجات رکھتی ہے، بعض لوگوں کی نظر اتنی تیز ہوتی ہے کہ ان میں تاریے دیکھ لیتے ہیں، اور بعض کی اتنی کمزور ہوتی ہے کہ تیسویں کا چاند بھی نظر نہیں آتا، پھر کسی کو دور کی چیزیں نظر نہیں آتیں، نزدیک کی نظر آتی ہیں، اور کسی کو نزدیک کی چیزیں نظر نہیں آتیں، دور کی چیزیں صحیح نظر آتی ہیں، مختلف درجات ہیں، مختلف کیفیات ہیں، کچھ یہی قصہ دل کے اندر سے پن کا بھی ہے، دلوں کے اندر بھی روشنی ہوتی ہے، جیسا کہ آنکھوں کے اندر روشنی ہوتی ہے، اور دلوں کے اندر بھی روشنی کم و بیش ہوتی ہے، جیسا کہ آنکھوں کے اندر یعنی کم و بیش ہوتی ہے، ظاہری روشنی سے چیزوں کو دیکھا جاتا ہے، رنگوں کی پہچان ہوتی ہے، اور دل کی روشنی سے حق و باطل کو پہچانا جاتا ہے۔

اور جب ظاہری میانی اور آنکھوں کی روشنی نہ رہے تو آدمی کو ناپنا کہتے ہیں، اور جب دل کی روشنی نہ رہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "خُفِيَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ" (البقرہ: ۷) (میرا لگا دی اللہ ہے ان کے دلوں پر)۔ "كَمَثَلِ زَانٍ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا تَكُونُوا يَتَّبِعُونَ" (المطففين: ۱۳) (سن رکھو کہ ان کے دلوں پر زنجب لگ گیا ہے، ان کی ہڈیلیوں کی وجہ سے)۔ جی ہد علی نے موقوف کر دیا ہے دلوں کو۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے، اللہ تعالیٰ دل کی بصیرت نصیب فرمائے۔

دونوںوں کی ضرورت ہے:

علماء فرماتے ہیں کہ دونوں ملتے ہیں، تو راستہ نظر آتا ہے، ایک آنکھوں کے اندر کا نور، اور ایک باہر کا نور، آدمی کی نظر صحیح ہے، لیکن اگر اندھیرا ہو تو نظر نہیں آتا، کیونکہ باہر کا نور نہیں، اور باہر کا نور موجود ہو لیکن آنکھوں میں چٹائی نہ ہو تو نظر نہیں آتا کیونکہ اندر کا نور نہیں ہے، اسی طرح دل کی بصیرت کے لئے بھی دونوںوں کی ضرورت ہے، ایک دل کا نور ایک باہر کا نور، دل کا نور وہ کیفیت ہے جو اللہ تعالیٰ قلب میں القا

فرماتے ہیں، جیسا کہ کھگوں میں روشنی پیدا فرماتے ہیں، اور باہر کا نور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نائی ہوئی روشنی ہے، اور انبیاء کرام کے آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد تو آفتاب نبوت طلوع ہے، سورج چمک رہا ہے، دوپہر کی روشنی ہے۔

آفتاب نبوت کی شعاعیں:

شاہ ولی محدث دہلوی فرماتے ہیں: دوسروں کے چراغ تو گل ہو گئے لیکن ہمارا آفتاب کبھی بے نور نہیں ہوگا، قیامت تک چمکتا رہے گا، تو باہر آفتاب نبوت کی شعاعیں موجود ہیں، روشنی موجود ہے، روپیہ ہے، دن چڑھا ہوا ہے، لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ دلوں میں روشنی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نور قلب عطا فرمائے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم واپس روشنی ہمارے لئے انشا اللہ جہالت و رست کا ذریعہ بنے گی۔

جامع اور نافع نصیحت:

دوسرے ارشاد میں فرماتے ہیں کہ ایک صاحب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ: اے ابو عبد الرحمن! مجھے چند کلمات تعلیم فرمائیے جو بہت جامع ہوں اور نافع ہوں، مجھے ان کلمات سے نفع پہنچے۔ ارشاد فرمایا کہ بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ قرآن جس طرف ہے، اس طرف چلو، یعنی قرآن کریم جس قسم کا حکم دے اس حکم کی تعمیل کرو۔

حق قبول کرو:

اور تیسری بات یہ کہ جب کوئی شخص تمہارے سامنے حق بات پیش کرے تو اس کو قبول کرلو، چاہے وہ آدمی کتنا اچھی ہو، دور کا ہو، تمہاری اس کے ساتھ جان

پہچان نہ ہو، یا وہ آدمی کتنا ہی ناپسندیدہ ہو، تمہیں اس سے نفرت اور بغض ہو لیکن اگر وہ حق بات کہے تو قبول کرلو، اور بمقابلہ اس کے جو شخص تمہارے سامنے باطل پیش کرے اس کو قبول نہ کرو بلکہ اس پر رد کردو، اس کے منہ پر مار دو، چاہے وہ کتنا ہی قریبی دوست ہو، اور کتنا ہی قریبی رشتہ دار ہو۔

قبول حق کا نتیجہ خوشگوار ہے:

اور تیسرے فقرے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ حق عقل ہوتا ہے، یعنی جو شخص ہوتا ہے لیکن وہ خوشگوار ہے، اس کا نتیجہ بہت اچھا نکلتا ہے، ایک کہ نا جب آدمی اس کو کھاتا ہے تو بد ذائقہ ہوتا ہے، کھانا نہیں جاتا، لیکن صحت کے لئے بہت مفید ہے، جیسے کڑوی دوائی ہوتی ہے، جیسے کہ موائنا روٹی فرماتے ہیں کہ: "شفا یافتہ داروئے تلخ نوش۔" اگر تمہیں شفا چاہئے تو کڑوا دارو استعمال کرو، یہی مثل حق کی ہے کہ حق پر عمل کرتے ہوئے اور اس کو قبول کرتے ہوئے بڑی تکلیف ہوتی ہے، بہت دشواری ہوتی ہے، اور وہ کسی طرح بھی گھٹے سے نیچے نہیں اترتا، لیکن "سری" ہوتا ہے، یعنی خوشگوار ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس کا نتیجہ بہت اچھا نکلتا ہے۔

باطل کی ظاہری لذت مہلک ہے:

اس کے مقابلہ میں باطل بہت لطیف ہوتا ہے، بڑی فساد از سے اس کو نیچے اتاراجہ سکتا ہے لیکن وہ دہل جان ہوتا ہے، اس سے پیٹ کی خرابی پیدا ہوتی ہے، خنہ ہو جاتا ہے، بد بھٹی ہو جاتی ہے، ہینہ ہو جاتا ہے، اور بالآخر اس سے موت واقع ہو جاتی ہے، یہی مثال باطل کی ہے کہ یہ زہر آلود کھانا ہے، زہر آلود خورہ ہے، بہت ہی لذیذ معلوم ہوتا ہے لیکن نادان نہیں سمجھتا کہ اس کے اندر زہر ملا ہوا ہے، بہت مزیدار سمجھ کر اس کو کھاتا رہا ہے، وہ حلق سے نیچے اترے گا تو انتڑیوں کا شہر شروع کر دے گا۔

حق و باطل کا معرکہ:

یہ حق اور باطل دو متقابل چیزیں ہیں، ”حق“ اللہ کی جانب سے ہے اور ”باطل“ کی تعلیم شیطان دیتا ہے، حق اور باطل کا معرکہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے چلا آرہا ہے، اور یہ لڑائی زندگی کے ہر میدان اور ہر شعبہ میں ہے، عقائد کے باب میں بھی حق اور باطل ہے کہ کون سا عقیدہ رکھا جائے اور کون سا نہ رکھا جائے؟ یہاں حق اور باطل کا معرکہ ایسا ہے کہ جو حق کو اختیار کرے گا، نجات پائے گا اور جو باطل کو اختیار کرے گا، وہ ہمیشہ کے لئے ہلاک ہو جائے گا۔ یہاں حق کو قبول کرنا بہت مشکل ہے، اور باطل کو قبول کرنا بہت آسان ہے۔ آپ امداد فرمائیجئے کہ اہل اسلام کہتے ہیں؟ اور ان کے مقابلے میں اہل باطل کہتے ہیں؟ اور ان کے کیا کیا نظریات ہیں؟ اور انہوں نے ان نظریات کو کیوں قبول کیا؟ بت پرست قومیں اپنے ہاتھ سے پتھر تراشتی ہیں اور ان کو سجدہ کرتی ہیں، ان کو نفع اور نقصان کا مالک سمجھتی ہیں، ان کو داتا اور دیوی سمجھتی ہیں، الگ الگ بتوں کے لئے الگ الگ محلے تجویز کر رکھے ہیں، چنانچہ ان کا ایک ان داتا ہے، دوئی دینے والا، ایک جل داتا ہے، پانی دینے والا، ایک شفا کی دیوی ہے، شفا دینے والی، وغیرہ وغیرہ، حالانکہ اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے پتھر کے بت ہیں، ”لَا يَنْفَعُ وَلَا يَضُرُّ“ نہ کسی کو نفع پہنچائیں نہ نقصان، لیکن شیطان نے عقیدے میں یہ بات داخل کر دی کہ یہی نفع و نقصان رکھتے ہیں۔

عیسائیوں کو شیطان کی پٹی:

عیسائیوں کو شیطان نے پٹی پڑھادی کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، نعوذ باللہ! استغفر اللہ! لا حول ولا قوۃ الا باللہ! اور ان کو صلیب پر لٹکا دیا گیا، اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کے گناہوں کی گھٹری باندھ کر اپنے بیٹے کے سر پر رکھ دی اور اپنے بیٹے کو قربان کر دیا، عیسائیوں کے یہاں یہ نجات کا مسئلہ ہے کہ جو شخص ”سمیٹ“ کا

عقیدہ رکھے گا، تین خدا مانے گا، اس کی بخشش ہو جائے گی، اور جو شخص یہ عقیدہ نہیں رکھے گا اس کے لئے بخشش نہیں، اس کے لئے نجات نہیں ہے، اور کتنے مذاہب ہیں دنیا میں، یہ حق اور باطل کا معرکہ ہے۔

صراطِ مستقیم:

پھر جہ فرماتے اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، ان میں بھی حق اور باطل ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

”وَإِنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السَّمِيلَ فَتَفْرَقَ بَيْنَكُمْ عَنْ صَبِيلِهِ“ (الانعام: ۵۳)

ترجمہ: ... ”اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے، سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔“

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ہے میرا راستہ سیدھا، جبریلؑ سبک انامک کی سیدھ جاتی ہے، اسلام کا راستہ اللہ تعالیٰ تک بالکل سیدھا جاتا ہے، اس میں کوئی کجی نہیں، کوئی نشیب و فراز نہیں، اور یہ وہ راستہ ہے جس پر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام چلے، یہ وہ راستہ ہے جس پر تمام صدیقین چلے، تمام اولیاء اللہ چلے، بزرگانِ دین چلے، اکابر امت، مجددین ملت چلے، احمد دین چلے، ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”أَمَرْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ ثِيَابٍ تَكْنَهَا دَهَا“ (اتحاف: ج ۱ ص ۱۸۱) یعنی تمہیں ایک روشن راستے پر چھوڑ کر جا رہا ہوں، اس کے دن اور رات ایک ہیے ہیں۔ رات کو چلو، دن کو چلو۔

گمراہی کی چمکند ٹریاں:

لیکن آج کتنی شاخیں نکل آئیں؟ کتنے نظریات کھڑے کئے؟ اور شیطان نے کن کن راستوں سے لوگوں کی راہ ماری؟ عقل حیران ہو جاتی ہے۔
لوگوں کو راستہ مشتبہ ہو گیا:

میں معافی چاہوں گا! بہت سے لوگوں کے ذہن میں راستہ ہی مشتبہ ہو گیا ہے، اور کبھی کبھی اس کا اظہار اپنی زبان سے یوں کرتے ہیں کہ جی! سو کوئی لڑتے جھگڑتے ہیں، کس کے پیچھے چلیں؟ کس کو سچا سمجھیں؟ ان مسکینوں کے سامنے ابھی تک راستہ ہی واضح نہیں ہوا، چلیں گے کیا؟ راستہ تو پہلے کے لئے ہوتا ہے، راستہ بذات خود مقصود نہیں ہوتا، اس پر چلتا مقصود ہوتا ہے، آپ کو کسی جگہ جانا ہو اور آپ کو راستہ معلوم نہ ہو، آپ پوچھتے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے نئے نئے نظریات ایجاد کر لئے، اپنے اپنے راستے الگ کر لئے، الگ الگ چمکند ٹریاں بنالیں، اور ایک عالم کا عالم اس حیرت میں مبتلا ہو گیا کہ کس راستے پر چلیں؟ ان بیچاروں کو ابھی تک یہ نہیں معلوم ہوا کہ راستہ کیا ہے؟ اندازہ فرمائیے کہ حق و باطل کا معرکہ کتنا سخت ہے!!

صراطِ مستقیم کی نشاندہی:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے اور صحیح حدیث

ہے کہ:

”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ:
خَطَّ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَطًّا، ثُمَّ قَالَ:
هَذَا سَبِيلُ اللَّهِ، ثُمَّ خَطَّ حَطًّا مَطًّا عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ،
وَقَالَ: هَذِهِ سُبُلٌ عَلَى كُلِّ سَبِيلٍ مِنْهَا حَيْطَانٌ يَنْذَعُوكَ إِلَيْهِ
..... الخ.“ (مشکوٰۃ ص: ۳۰)

ترجمہ:۔۔۔ "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھا خد کھینچا اور اس کے دائیں بائیں چھوٹی چھوٹی لکیریں بنادیں، پھر فرمایا: یہ جو میں نے لکیر کھینچی ہے، یہ سیدھا خط تو اللہ کا راستہ ہے، (حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے چلا آرہا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا، حضرت عمر صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے چلا آرہا ہے، ہم تک پہنچا اور ہم سے آگے انشاء اللہ قیامت تک سیدھا جائے گا، کوئی ادھر ادھر اس میں سوڑ نہیں۔ ناقل) اور یہ جو دائیں بائیں خطوط ہیں، یہ وہ راستے ہیں کہ ہر راستے پر شیطان موجود ہے، جو اپنی طرف جلا رہا ہے۔"

شیطان کے ایجاد کردہ راستے:

یعنی یہ وہ راستے ہیں جو شیطان نے ایجاد کئے ہیں، اس میں سے شامیں نکال دیں اور جب چلنے والا چلے تو ہر سوڑ پر ایک شیطان کھڑا ہے، پوچھتا ہے کہاں جاتا ہے؟ اللہ تک پہنچتا ہے؟ حق راستہ ادھر جاتا ہے، وہ راستہ جو سیدھا جا رہا ہے وہ چھوڑ دو، یہ راستہ چر رہا ہے چند قدم آگے چلے، ایک سوڑ پر اور شیطان مل گیا، پوچھتا ہے کہ کہاں جاتا ہے؟ کہا: اللہ تک پہنچتا ہے۔ شیطان نے کہا: ادھر سے جاتا ہے حق پر چنا کتنا مشکل بنادیا ہے شیطان نے؟ حق کے راستے کو پنا اور حق اور باطل کا فیصلہ کرنا کتنا مشکل بنادیا ہے؟ حالانکہ حق اتنا واضح ہے کہ نظر آ رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جا رہے ہیں، صحابہ کرام جا رہے ہیں، انکار امت کا قافلہ چل رہا ہے، لیکن شیطان لوگوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر کبھی دائیں کا اور کبھی بائیں کا مشورہ دیتا ہے، اور یہ وہ راستے ہیں جو کھنڈے میں جا کر گر گرتے ہیں، اور لوگ ایسے عجیب و غریب دلائل

پیش کرتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔

طوفان بدتمیزی:

خاص طور پر موجود دنیا میں، کیونکہ لوگوں کی ہمتیں صرف دنیا کی طرف متوجہ ہو گئی ہیں، دین کا صحیح فہم ہی اٹھ گیا، جس کے منہ میں جو آتا ہے، ہلکا ہے، اور اس کے لوگ ظلم پر جو آتا ہے کھٹتا ہے، رسالے، اخبارات چھاپنے کے لئے تیار ہیں، ایسا لگتا ہے بدتمیزی کا ایک طوفان برپا ہے، کسی کو حق و باطل سے بحث ہی نہیں ہے، جو کچھ حضرت لکھ رہے ہیں بس وہی حق ہے، باقی سب باطل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پیش کیجئے، تو کہتے ہیں: غلط ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حوالہ دیجئے تو وہ بھی قابل قبول نہیں ہے، مفسرین ہیں، محدثین ہیں، ائمہ دین ہیں، مجددین ہیں، ان کی نظر میں کسی کی کوئی قیمت ہی نہیں، اللہ مجھے معاف فرمائے۔

امام احمدؒ کو گمراہ کہنے والے، گمراہ ہیں:

میں نے مستقل طور پر ایک تحریر دیکھی ہے کہ امام غزالی رحمہ اللہ گمراہ تھے، مجدد الف ثانی رحمہ اللہ گمراہ تھے، ائمہ دین کو گمراہ کہا جا رہا ہے، امام احمد بن حنبلؒ امام بخاریؒ کے استاد ہیں، ان کے زمانے سے آج تک ان کو اللہ تعالیٰ نے راہ مستقیم کا نشان منزل بنا دیا ہے، ان کے بارے میں اکابر فرماتے ہیں کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ دو امام احمد بن حنبلؒ کی تنقیص کرتا ہے تو سمجھ لو کہ گمراہ ہے، اور یہی بات امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں بھی کہی گئی تھی کہ: ”امام ابوحنیفہؒ سے محبت نہیں رکھنے کا عترت پرست آدمی، اور ان سے بغض رکھنے کا عتر باطل پرست آدمی۔“ میں نے اپنی کتاب ”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ میں یہ فقرہ باحوال نقل کیا ہے، تو خبر میں عرض کر رہا ہوں کہ آج ایک جماعت پڑھے لکھوں کی موجود ہے جو امام احمد بن حنبلؒ سے ملے کر

آج تک تمام دنیا کو گمراہ کرتی ہے۔

حزب اللہ اور جماعت المسلمین:

یہ توحیدی پارٹی کیپٹن مسعود گنا ہے، جو اپنے آپ کو ”حزب اللہ“ کے نام سے موسوم کرتی ہے، اور کراچی میں کبوتری میں ان کا مرکز ہے، یہ کہتے ہیں گویا امام بخاری صحیح مکر امام بخاری کا استاد علم، اور ایک ”جماعت المسلمین“ بنائے پھر رہے ہیں، ان کے نزدیک ساری دنیا غلط، ان کے نزدیک کسی کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، ایسے ایسے عجیب و غریب لوگوں کے نظریات پڑھتا ہوں، عقل دنگ رہ جاتی ہے، عقل حیران رہ جاتی ہے کہ ان کو کیا ہو گیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ حق و باطل کا معرکہ اس کا پیدا میدان عقائد و نظریات ہیں۔

اُردو خواں مجتہد:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بیان فرمائی تھی کہ: ”وَأَمَّا آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ فَأُولَٰئِكَ“ (ترمذی ج: ۲، ص: ۴۴۴) یعنی اس امت کا آخری حصہ امت کے پہلے حصہ پر لعنت کرے گا۔ نعوذ باللہ پہلے سب بے وقوف تھے، جن کی پوری کی پوری زندگی دین کی خدمت کرتے ہوئے گزری، کہا جاتا ہے کہ وہ قرآن کو نہیں سمجھتے تھے، حیرت ہے کہ ان لوگوں نے تو قرآن کو سمجھا جنہوں نے اردو ترجمے یا انگریزی ترجمے کی مدد سے قرآن کے مفہوم کو معلوم کیا، اور نعوذ باللہ ایہ تو قرآن کو جانتے ہیں اور وہ نہیں جانتے تھے، غلام احمد پرویز بھی یہی کہتا تھا کہ انجیلی سازش ہے، پورے دین کو انجیلی سازش کہتا تھا، اور بے شمار لوگ ہیں جو اس احمق کے مقلد ہیں، اور یہ لوگ برملا کہتے ہیں کہ حدیثیں بعد میں نکلتی گئی ہیں، اس لئے یہ قائل اعتماد نہیں۔

گمراہوں کے ہاتھوں ملنے والا قرآن کیونکر صحیح ہے!

میرے پاس ایک ساتھی آئے، جو میرے دوست ہیں اور اسٹیل مل میں رہتے ہیں، انہوں نے کہا کہ منکرین حدیث بہت خفیہ طور پر بہت شریک ہیں، لوگوں کو انہار حدیث پر مکی کر رہے ہیں، ان کو کیا کہا جائے؟ میں نے ان کو باطل فرقوں کے مقابلے میں ایک چیز ایجا کرنی، الحمد للہ! ایک عیانتھیار مجھے اللہ تعالیٰ نے سکھلا دیا اور اسے دیا ہے، اس ہتھیار کے مقابلے میں کوئی بھی نہیں ٹھہرے، وہ ہتھیار یہ ہے کہ یہ جتنے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، حتیٰ کہ منکرین حدیث بھی، حتیٰ کہ شیعہ اور رافضی بھی، منکرین صحابہ بھی، یہ سارے کے سارے دھوکے کرتے ہیں کہ ہم قرآن کو ماننے ہیں، قدیانی بھی کہتے ہیں کہ ہم مولویوں کی بات نہیں، نئے، میں نے کہا: بہت اچھا! تم درمیان کے واسطوں کو نکال کر اور ان سے عدم امتداد کا اعلان کر کے دلیل کے ساتھ یہ ثابت کرو (جس کا میں بھی قائل ہو جاؤں، جو ساتھ بیٹھا ہوا، وہ بھی قائل ہو جائے) کہ یہ قرآن وہی قرآن ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، اور میں دلیل سے ثابت کرتا ہوں کہ تمہارے عقیدے کے مطابق (نعوذ باللہ!) یہ قرآن باطل ہے، مخالف سمجھنے! میں کہہ رہا ہوں، سوچ لیجئے! ان کے عقیدے کے مطابق کہہ رہا ہوں اپنے عقیدے کے مطابق نہیں کہہ رہا، اس لئے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو دیا، جبریل علیہ السلام نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیا، صحابہؓ نے تابعینؓ کو دیا، تابعینؓ نے تبع تابعینؓ کو دیا، انہوں نے اپنے بعد والوں کو دیا، اس طرح صدی در صدی یہ منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے، جو تاج ہم تک پہنچا اور قیامت تک جائے گا، ایک مرتبہ یہودیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ کے پاس وحی کون لاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبریل علیہ السلام! یہودیوں نے کہا

کہ ہم نہیں۔ نئے قرآن کے منکر ہو گئے، جبریل کا حوالہ دے کر قرآن کے منکر ہو گئے، قریش کے نے کہا کہ ہمیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اعتقاد نہیں، لہذا ہم قرآن کو نہیں مانتے، رافضیوں نے کہا کہ ہمیں صحابہ پر اعتقاد نہیں، لہذا ہم قرآن کو نہیں مانتے، اور تم لوگوں نے کہا کہ تمام مولوی مثلاً یہ بھی سازش کا شکار ہو گئے، تو پوری کی پوری امت چودہ صدیوں کی جب گمراہ ہوئی، تو تم بتاؤ کہ گمراہوں کے راستے سے جو قرآن کریم ہم تک پہنچا، وہ برحق کیسے ہو سکتا ہے؟

میں قادیانیوں سے بھی کہتا ہوں، منکرینِ حدیث سے بھی کہتا ہوں، جہادمتِ اہلسلیم والوں سے بھی کہتا ہوں، ان توحیدوں سے بھی کہتا ہوں، تمام گمراہوں کے لئے میرا ایک ہی جواب ہے، تمہارے نزدیک امت کی صدیوں کی صدیاں گمراہ ہو گئیں، نور حق کسی کو بھی مستحق نہیں کرتے، تمہارنی نظر میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں جو حق پر ہو، تو یہ قرآن گمراہوں کے راستے سے آیا ہے، انہی کے ہاتھوں سے تمہیں ملا، یہ قابلِ اعتماد کیسے ہو گیا؟ حدیث تو قابلِ اعتماد نہیں، کیونکہ تمہارے نزدیک راوی کمزور ہیں، تو قرآن بھی تو روایت اور نقل ہوتے ہوئے آیا ہے۔

چیلنج

قرآن کریم میں یہ آیت لکھی بار تکی ہے: "وَمَا أَهْلُ لَغَيْرِ اللَّهِ" (البقرہ: ۱۷۳) اور "وَمَا أَهْلُ لَغَيْرِ اللَّهِ بِهِ" (المائدہ: ۳) ایک جگہ "بہ" پہلے اور باقی جگہ "بہ" بعد میں آتا ہے، قرآن الٰہی سے ثابت کرو کہ یہاں "بہ" پہلے ہے اور یہاں بعد میں، قرآن کا ایک ہی لفظ ہے، پہلی جگہ سورہ بقرہ میں جہاں آیا ہے، وہاں "وَمَا أَهْلُ لَغَيْرِ اللَّهِ" "بہ" کو پہلے لائے ہیں، اور باقی جگہ جہاں یہ لفظ آیا ہے وہاں "وَمَا أَهْلُ لَغَيْرِ اللَّهِ بِهِ" "بہ" بعد میں ہے، یہاں کیوں ہے؟ کوئی منکر حدیث، کوئی قادیانی مجھے بتا دے کہ "بہ" یہاں پہلے کیوں ہے اور، ہاں بعد میں کیوں

ہے؟ اور اس پر دلیل قائم کر کے دکھا دیں۔

مجموعہ امت معصوم ہے:

میں دلیل دیتا ہوں، میں کہتا ہوں کہ جس امت نے اس قرآن کو نقل کیا ہے وہ برحق ہے، وہ جھوٹی نہیں ہو سکتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی معصوم تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں، آپ کی زبان مبارک سے جو لفظ نکلا، جس طرح نکلا وہ ٹھیک ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی معصوم نہیں، لیکن مجموعہ امت معصوم ہے، یہ ممکن نہیں کہ ساری کی ساری امت ایک گنہگار ہو جائے، ممکن ہی نہیں، اس لئے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشین ہے، وہ انہی کو آگے دین پہناتا ہے، مجھ سے غلطی ہو سکتی ہے، میں معصوم نہیں، بڑے سے بڑے عالم سے غلطی ہو سکتی ہے، وہ معصوم نہیں، اور ہمارے عقیدے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی معصوم نہیں، بہنو صحابہؓ کو بھی معصوم نہیں کہتے، معصوم صرف ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے، نہ بارہ معصوم، نہ تین، نہ چودہ، ایک ہی معصوم مانتے ہیں، لیکن جس طرح یہ بات بجا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے یا زبان مبارک سے کوئی غلط لفظ نکلے، اسی طرح ممکن ہے کہ پوری کی پوری امت کسی غلط بات پر متفق ہو جائے، یہ ممکن نہیں ہے۔

سچے کی نقل سچی اور جھوٹے کی جھوٹی:

میں نے اس دوست کو یہ بات سمجھائی کہ جو تم سے یہ بحث کرتا ہے، اس کو ہوا پہلے قرآن کا ثبوت دو، حدیث کی بات بعد میں کریں گے، اذ تو کسی مفسر حدیث کو، مجھے اس کا جواب دے دے، کہتے ہیں: قرآن تو قرآن ہے، میں نے کہا کہ قرآن تو قرآن ہے، لیکن تجھ پر تو نازل نہیں ہوا، اور نہ مجھ پر نازل ہوا ہے، نہ میرے پر، نہ تیرے ابا پر نازل ہوا ہے، قرآن تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور

نقل در نقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچے۔ کیا کوئی اس بات کا انکار کرے گا؟ اور جب بھی کوئی چیز نقل کی جاتی ہے تو نقل کرنے والے پر اعتماد ہوتا ہے، اگر سچا آدمی ایک بات کو نقل کرے تو ہم سچی سمجھتے ہیں، اور اگر جھوٹا آدمی ایک بات کو نقل کرے تو ہم اس پر اعتماد نہیں کرتے، ہدایت یافتہ بات کرے تو ہم اس کو قبول کرتے ہیں، اور گمراہ آدمی اگر بات کرے تو ہم نہیں مانتے۔

چودہ صدیاں گمراہ؟

تمہارے نزدیک دس پانچ سو بڑی نہیں بلکہ ساری کی ساری امت گمراہ اور ایک صدی نہیں، سٹلوں کی ٹٹلیں گمراہ، ایک صدی میں قین ٹٹلیں بدلتی ہیں، چودہ صدیوں میں باون ٹٹلیں مڑ رہی، تم کہتے ہو کہ امت کی باون ٹٹلیں گمراہ ہیں، تو پھر تم اسام سے کیا لیتے ہو؟ لیکن شیطان نے جاں نکاد یہ ہے، اس میں ٹوٹ بھڑک رہے ہیں، تو ایک معرکہ حق و باطل کا قہر میں ہے، سب سے پہلا معرکہ، اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے باطل سیدھی شاہراہ روشن کر دی ہے، الحمد للہ! لائیکر لگی ہوئی ہیں، پوری روشنی آ رہی ہے، راستے میں چڑی ہوئی سوئی تک نظر نہ رہی ہے، اللہ تعالیٰ اس امت کے اکابر کو جڑ سے خیر و عطا فرمائے اپنے دین کی اپنی کتاب کی اور اپنے نبی کی جتنی خدمت کی ہے دوسری قوموں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

یہود و نصاریٰ اپنے بزرگوں کے نام کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے:

مولانا ماعز احسن میلانی رحمہ اللہ کی میرت طیبہ پر ایک جھوٹی کتاب ہے، "نبی الختم" کے نام سے، بہت عجیب و غریب کتاب ہے، اس کے شروع میں دوسری قوموں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تم سے اپنے بزرگوں کے نام کا بوجھ نہیں اٹھایا جاسکا تو تم ان کے کارناموں کا بوجھ کیسے اٹھا سکتے ہو؟ ان کے دین کی کیسے حفاظت کر سکتے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر آج تک جس

مگر ہے تو لاؤ، ہمارے دین کی ایک ایک چیز اللہ کے فضل سے محفوظ ہے، اس کے عقائد پر الگ کتابیں لکھی گئیں، اصول پر الگ کتابیں لکھی گئیں، تفسیر پر الگ لکھی گئیں، حدیث شریف پر الگ لکھی گئیں۔ ایک ایک فقرہ قرآن کریم کا اور اس کی تشریح علمائے امت نے کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ایک ایک جملے کی شروحات کی گئیں، تخریجات کی گئیں، الحمد للہ لوگوں کے کہنے کے مطابق ہم اندجیر سے میں نہیں ہیں۔

مجھے تعجب ہوتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ جی کس کے چچے ہیں؟ ہمیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیتے ہوئے نظر آ رہے ہیں، ہمارے دین کی ایک ایک بات سچ ہے، درحقیقت بعد میں محال میں بھی آچکا ہے۔
بدعات کی کوئی سند نہیں:

بدعات کا ایک طوفان برپا کر رہا ہے لوگوں نے، یہ بھی ایک چیز (دین) ہے، یہ بھی چیز (این) ہے، یہ بھی چیز (دین) ہے، خود بالقد! اب لوگوں پر ماری کرنا، عید میلاد النبی کا جلوس نکالنا، یہ بھی دین ہے، یہ دین کسی وقت سے ایجاد ہوا تھا؟ کیا ایک حدیث پیش کر سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے جلوس نکالے تھے؟ کسی صحابی نے نکالے تھے؟ امیر المؤمنین نے نکالا تھا؟ شاہ عبدالغفور دہلوی نے نکالا تھا؟ خولجہ معین الدین چشتی نے اس قسم کے جلوس نکالے تھے؟ تم نے شیعوں کی نقص جڑنا شروع کر دی، دو تو گمراہ تھے اور اسی قسم کی اور بے شمار بدعات لوگوں نے ایجاد کر لیں۔

گلشن محمدی سدا بہار ہے:

نہیں اللہ کا خیر ہے کہ مرنے بل سنت نے ایک ایک چیز کو منع کر کے، چھانٹ کر کے رکھ دی، جتنے بے فائدہ پورے کٹے ہوئے تھے سب کو کٹ کر رکھ دیا، گلشن

محمدی الحمد للہ! سدا بہار ہے، اور قیامت تک رہے گا، چودہ صحابہؓ سے یہ حدیث مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَا قَرَالَ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَنِّي الْحَقِّ" (ترمذی ج: ۲ ص: ۳۶۰) یعنی میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر لڑتی رہے گی، ایک لمحہ کے لئے بھی یہ سلسلہ نہیں رکے گا، دوام کے ساتھ لڑتی رہے گی، ایک امت، ایک جماعت حق پر قائم رہے گی، چلتی رہے گی یہاں تک کہ وہ مسیح دجاں سے لڑے گی۔

اور صحیح مسلم کی روایت میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے: "قَتِلُوا جَنَسِي بَنِي مُوَيْمٍ" (ج: ۱ ص: ۸۷) یعنی حتیٰ کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہو جائیں گے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں دے کر ہم فارغ ہو جائیں گے، جب تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل نہیں ہو جاتے یہ امانت اپنے سینے سے لگائے رکھیں گے، اور لڑتے رہیں گے، قتال و جہاد جاری رہے گا، ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے اور طریقے سے ایک انجیل بنے نہیں دیں گے، نکیر کریں گے۔ تو باطل لوگوں کو کتنا خوشنما نظر آتا ہے کوئی کوئی نظریہ ایجاد کرتا ہے، کوئی کوئی فخر لگاتا ہے، جسین انجام کار کچھ بھی نہیں۔

وَعَا:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں حق پر قائم رکھے، حق ہی پر ہیں، مارے، حق ہی پر ہماری موت ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسن رسالت و نبوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہمیں وابستہ رکھے، آپ کی سنت پر ہمیں قائم رکھے اور جو اعمال، جو اخلاق، جو عقائد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دے کر گئے تھے، الحمد للہ محفوظ چلے آتے ہیں، بڑے نہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر قائم رکھے، اگر ہم میں عملی کوتاہیاں اور کمزوریاں پائی جاتی ہیں تو ہم اس کا اقرار کریں گے، ہماری غلطی ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات برحق ہے۔

وَلَا تُغْنِي عَنَّا زِينَتُنَا وَلَا زِينَةُ رَبِّ الْعَالَمِينَ

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی
چند دعائیں

قول کی آپ کے مدد کر دیتے سے، ابے اللہ! ہمیں اپنی اطاعت اور دوستی کرنے والوں میں سے بنا، اور ہمیں اپنے شکر و حمد کا اہل بنا کہ ہم ہر دم آپ کا شکر بجالاتے رہیں اور آپ کی حمد کرتے رہیں۔“

اس کے بعد دوسری دعا اقدس کی ہے:

”اللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَلْكَ اِيْمَانًا يَصْلُحُ لِلْعَمَلِ عَلَيْكَ، وَاِيْقَانًا حَقِّقًا بِكَ، اِلَى الْقِيَامَةِ بَيْنَ يَدَيْكَ، وَعِصْمَةً يَنْقِذُنَا بِهَا مِنْ وَرْطَاتِ الدُّنْيَا، وَرَحْمَةً تَطْهِّرُنَا بِهَا مِنْ ذُنُوبِ الْعَيُوبِ، وَجَلْمًا تَفْقَهُ بِهِ اَوْامِرُكَ وَنَوَاهِيكَ، وَلَهْمَا نَعْلَمُ بِهِ كَيْفَ تَتَجَوَّعُ، وَاجْعَلْنَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مِنْ اَهْلِ رِضَاكَ، وَامْلَأْ قُلُوبُنَا بِنُورِ مَعْرِفَتِكَ، وَامْلَأْ عَيْنُنَا عَقُولًا بِرَأْسِ هِدَايَتِكَ، وَاحْرُسْ اَقْدَامَ اَفْكَارِنَا مِنْ مَزَالِقِ مَوَاطِنِ الشُّهَابِ، وَامْنَعْ طُيُورَ نَفْسِنَا مِنَ الْوُقُوعِ فِي شَاكٍ مُزِيقَاتِ الشُّهَوَاتِ، وَاعِنَا فِي اِقَامَةِ الصَّلَوَاتِ عَلَى تَرْكِ الشُّهَوَاتِ، وَامْنَعْ سَطُورَ سِنَانٍ مِنْ جِزَائِدِ الْغَمَامِ اِنَّا بَايِدُ الْحَسَابِ، كُنْ لَنَا حِمًى يَنْقُطِعُ الرَّجَاءُ مِنَّا اِذَا اَعْرَضَ اَهْلُ الْجُودِ بِرُحْمِهِمْ عَنَّا حِينَ تَحْضُلُ فِي ظِلِّ الدُّجُودِ رَهَائِنَ اَفْعَالِنَا اِلَى يَوْمِ الْحَشُودِ، وَاجْعَلْ عَبْدَكَ الضَّعِيفَ عَلَى مَا اَلَيْتَ، وَاعِصْمَهُ مِنَ الرُّكُلِ، وَوَقِّفَهُ وَالْحَاجِرِينَ لِصَالِحِ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ، وَاجْزُ عَلَى لِسَانِهِ مَا يَنْفَعُ بِهِ السَّامِعَ وَتَذَرُفُ لَهُ الْخَدَامُ وَيَلْبِسُ الْقَلْبَ

الْمُتَابِعُ، وَاتَّبِعْ لَهُ وَالْمُتَابِعِينَ وَلِيَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ۔“
(تلاک الجہاد ص: ۴۲)

ترجمہ:..... ”یا اللہ! ہم آپ سے مانگتے ہیں ایسا ایمان جو ملاحیت رکھتا ہو آپ کی بارگاہ عالی میں پیش ہونے کی، یا اللہ! ہم آپ سے مانگتے ہیں ایسا یقین جس کے ساتھ قیامت میں ہم آپ کے سامنے کھڑے ہوں، یا اللہ! ہم آپ سے مانگتے ہیں ایسی عصمت جس کے ذریعہ آپ ہمیں گناہوں کے گرداب سے بچالیں، یا اللہ! ہم آپ سے ایسی رحمت کی درخواست کرتے ہیں جس کے ساتھ آپ ہمیں عیوب کی گندگی سے پاک کر دیں، یا اللہ! ہمیں ایسا غم عطا فرما جس کے ذریعہ ہم آپ کے امر و نہی کو سمجھیں، یا اللہ! ہمیں ایسا فہم نصیب فرما جس کے ذریعہ ہم یہ جان لیں کہ آپ کے ساتھ کیسے مناجات کریں دیا اللہ! ہمیں دنیا اور آخرت میں اپنے الہ ولایت میں سے بٹا دے، یا اللہ! ہمارے دلوں کو اپنی معرفت کے نور سے بھر دے، یا اللہ! ہماری عقلوں کی آنکھوں میں اپنی ہدایت کا سرمہ لگا دے، یا اللہ! ہمارے افکار کے قدموں کی شبہات کے موصوں پر پھسلنے کی جگہوں سے حفاظت فرما، یا اللہ! ہمارے نفسوں کے پندوں کو ہلاک کرنے والی شہوتوں کے جال میں پھنسنے سے بچا، یا اللہ! تمناؤں کے قائم کرنے میں شہوتوں کو چھوڑنے پر ہماری مدد فرما، یا اللہ! نیکیوں کے انعامات کے ذریعہ ہمارے ناسر اعمال کے صحیفوں سے ہماری برائیوں کی سطروں کو مٹا دے، یا اللہ! جب قبروں کی تاریکیوں میں ہم اپنے کئے ہوئے افعال میں قیامت

تک مجبوس ہوں گے، اس حالت میں جب تمام الی مخلوقات ہم سے منہ پھیر لیں گے اور جب ہماری امیدیں سب سے منقطع ہو جائیں گی، اس وقت آپ ہماری امیدوں کا سہارا بن جائیے، یا اللہ! اپنے اس کمزور بندے کو اس تالیف پر اجر عطا فرما اور نعشوں سے اس کو بچا اور اس کو اور تمام حاضرین کو ابھی بات کہنے اور اچھے کام کرنے کی توفیق عطا فرما، یا اللہ! اس کی زبان پر وہ مضامین جاری فرما جن سے سنے والوں کو نفع ہو، جن سے آنسو بہ پڑے اور خشوع والے دل تر ہو جائیں، یا اللہ! اپنے اس بندے کی اور تمام حاضرین کی اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کی بخشش فرما۔“

قیامت کی پیشی:

اس دعا میں عرض سے مراد سب سے بڑی پیشی، قیامت کی پیشی، اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونا۔

اور حضرت شیخ رحمہ اللہ ہمیں کے ختم ہونے پر حاضرین سے فرمایا کرتے تھے:

”يُجْعَلُنَا اللَّهُ وَإِيَّاكُمْ مَعْنَى تَنْبُؤَةٍ لِبُعْدَتَيْهِ وَتَنْزُفٍ عَنِ الدُّنْيَا وَتَذَكُّرٍ يَوْمَ حُسْبِهِ وَافْتِنَى أَقَاوِصُ الصَّالِحِينَ إِنَّهُ وَلِيُّ ذَٰلِكَ وَالْفَاوِزُ عَلَيْهِ يَا وَثَّ الْعَالَمِينَ.“ (قائد المجاہد ص ۴۹)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ان لوگوں میں سے بنائیں جو اس کی خدمت کے لئے بیدار اور چمکنے رہتے ہیں، جو دنیا کی آکاشوں سے پاک و صاف رہتے ہیں، جو اپنے حشر کے دن کو یاد رکھتے ہیں، اور جو سلف صالحین کے نشان قدم

کی جھڑکی کرتے ہیں، بے شک وہ اس کا مانگ ہے اور اس پر
 قادر ہے، اے رب اللہ! ایسا ہی کیجئے۔“
 اور پھر یہ شعر پڑھتے تھے:

وَمَنْ يَتْرُكِ الْآثَارَ لَدَّ حَلِّ نَفِيَةٍ

وَمَنْ يَتْرُكِ الْآثَارَ مَنْ كَانَ مُسْتَفِيَةً

(علامہ انور برنی مناقب الشیخ ابیہامدہ ص ۸۰ مطبوعہ علی مصر)

ترجمہ: ”اور جو شخص سب صافحین کے نشان قدم کو
 چھوڑ دے اس کی محنت رائیگاں گئی اور کیا کوئی شخص جو مسلمان ہو
 سب صافحین کے نشان قدم کو چھوڑ سکتا ہے؟“

قرب اور وصل الہی کی دعا:

اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اپنا وصل نصیب فرما کر ہماری طرف سے
 منہ پھیرنے سے ہمیں اپنی پناہ عطا فرما، ایسا نہ ہو کہ جب قیامت میں ہم آپ کی بارگاہ
 عالی میں حاضر ہوں تو آپ ہم سے منہ پھیرنے والے ہوں، اور ہم سے اعراض کرنے
 والے ہوں، اور ہمیں اپنا قرب نصیب فرما کر ہمیں اپنی بارگاہ سے دھکا دینے سے پناہ
 عطا فرما، ایسا نہ ہو کہ آپ ہمیں اپنی بارگاہ سے نکال دیں اور رائدہ درگاہ بنا دیں، جیسے
 ابلیس کو فرمایا گیا: ”اَخْرِجْ مِنْهَا فَلْيَنْكَرْ لِحُجَّتِهِ“ (نکل جا کہ تو مردود اور رائدہ درگاہ
 ہے)۔

قبولیت کی درخواست:

یا اللہ! ہمیں اپنے قبول نصیب فرما کر ہمیں اور ہمارے اعمال کو رد کرنے سے
 پناہ عطا فرما، یعنی ہم سے جو کچھ بن پڑتا ہے اس کو شرف قبول نصیب فرما، اور جو کچھ
 بھی ہم خوش کر رہے ہیں اس کو رد نہ فرما۔

اہل طاعت و عبادت سے ہونے کی درخواست :

یہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اہل طاعت اور اہل محبت میں سے بنا، جو لوگ کہ آپ کی طاعت کرتے ہیں، بندگی کرتے ہیں، آپ کے حکموں کی فرمانبرداری کرتے ہیں، ہزار شہر قیامت کے دن اہل محبت اور طاعت میں سے سمجھیں، اور ہمیں اپنے شکر و حمد کا اہل بنا کہ ہم ہر دم آپ کا شکر بخواتے رہیں اور آپ کی حمد کرتے رہیں۔

لوگوں کی مختلف حالتیں :

یہ ارجمند ائمہ قیامت کے دن کچھ لوگ ایمان کے ساتھ حاضر ہوں گے، کچھ لوگ غلاق کے ساتھ حاضر ہوں گے، کچھ لوگ نعوذ باللہ! کفر کے ساتھ حاضر ہوں گے، کچھ لوگ اخلاص کے ساتھ حاضر ہوں گے اور کوئی دھوکا اور دھوکا لے کر حاضر ہوں گے، کوئی طاعت لے کر حاضر ہوں گے اور کوئی نافرمانیاں لے کر حاضر ہوں گے، کوئی اس حالت میں حاضر ہوں گے کہ ملائکہ ان کو مبارکباد دے رہے ہوں گے اور کچھ اس حالت میں حاضر ہوں گے کہ فرشتے ان پر لعنت کر رہے ہوں گے، کچھ ایسے حضرات حاضر ہوں گے کہ ان کی مہمان نوازی کی جائے گی، "تَنْزِلًا مِّن رَّبِّ الْوَعْدِ" (رب رحیم کی طرف سے ان کی مہمانی کی جائے گی)، کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کو فحش کیا جائے گا، "وَاللّٰهُ يَمْلِكُ اَيُّهَا الْاِيْمَانُ نَصِيْبُ فَرَا" جو قیامت کی غشی کی عزت رکھتا ہو اور غیر یقین نصیب فرما، جس کے ساتھ ہم قیامت کے دن آپ کے سامنے کھڑے ہوئیں اور ہمیں یہی نصیب عطا فرما (عصمت کے معنی بچہ) جو ہمیں "نماہوں کی دلدل سے نکال دے۔"

عصمت انبیاء کا مفہوم :

حضرات انبیاء علیہم السلام کو عصمت عطا فرمائی جاتی ہے، انہی معصوم ہوتے ہیں کہ ان سے کوئی گنہہ سرزد نہیں ہوسکتا، نہ کبیرہ گنہہ، نہ صغیرہ گنہہ، نہ جہالت سے

پہلے، نہ نبوت کے بعد، ہاں! بھول چوک اور خطا ان سے ہو سکتی ہے، لیکن ان کی خطا بھی رضا الہی کے لئے ہوتی ہے۔

خطا کے معنی یہ ہیں کہ ایک کام محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرنے کا قصد کیا، وہ کام اپنی جگہ صحیح تھا، جائز تھا، لیکن ان حضرات انبیاء کے مقام رفیع سے نیچا تھا، ان حضرات کی شان کے لائق یہ تھا کہ اس سے اونچی بات کو سوچتے، اس سے اونچی بات کا قصد کرتے، اور اسی کو اختیار کر لیتے، الغرض یہ حضرات کبھی بھول چوک کی وجہ سے افضل کو چھوڑ کر غیر افضل کو اختیار کر لیتے ہیں، جو ان کے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے خطائے اجتہادی کہلاتی ہے، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی بعضی خطائیں ذکر کی گئی ہیں وہ سب اسی طرح کی ہیں کہ وہ کبھی شاؤ و نادر طور پر افضل کو چھوڑ کر غیر افضل کو اختیار کر لیتے ہیں، وہ بھی قصداً نہیں بلکہ خطائے اجتہادی کے طور پر، بہر حال حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر ہمیشہ عصمت کا پیرہ رہتا ہے۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ اور عصمت انبیاء کا مفہوم:

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کا فارسی میں ایک نچوڑ سا رسالہ ہے، جس کا نام ”منصب امامت“ ہے، اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، اس میں فرماتے ہیں:

”و معنی عصمت آنست کہ آنچہ بایشان تعلق می دارد
اوتوال و افعال و احوال آن ہمد را حق جل و علا از مدخلت نفس و
شیطان و خطا و نسیان بقدرت کاملہ خود محفوظی دارد، و لکنکہ حافظین
دائرہ ایشان می گارد، تا غبار بشریت دامن پاک ایشان را نہ آلاید
.....“

ترجمہ: ”اور عصمت کے معنی یہ ہیں کہ وہ تمام

چیزیں جو ان حضرات سے تعلق رکھتی ہیں، خواہ وہ اقوال ہوں یا افعال، (عبادات ہوں یا عادات، معاملات ہوں یا مقامات، اخلاقی ہوں) یا احوال، حق تعالیٰ شانہ ان تمام چیزوں کو اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ نفس و شیطان کی مداخلت سے محفوظ رکھتے ہیں، اور مخالف فرشتوں کو ان پر مقرر فرما دیتے ہیں تاکہ بشریت کا غبار ان کے پاک دامن کو تودہ نہ کرے۔ ...

(یعنی اللہ! ہمارے کچھ دوست حضرت شاہ اسماعیل شہید کو "دہلیا" کہتے ہیں۔ ہاں!)

تو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر ہمیشہ عصمت کا پہرہ رہتا ہے، کہ حضرت شاہ اسماعیل شہید کے بقول ان کے مقدس دامن پر غبار بشریت کا کوئی دغ احبہ نہ لے پائے۔

انبیاء سے باوجود طاقت کے معصیت کا صدور محال ہے:

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ نیک ہے گناہ کرنے کی طاقت نہ ہونا، یہ عصمت نہیں اور نیک یہ ہے کہ گناہ کرنے کی طاقت تو ہے لیکن اس کے باوجود گناہ کا صدور نہ ہو، ممکن نہیں، اسی کو عصمت کہتے ہیں۔

اس کی مثال ایسے سمجھ لیجئے کہ ایک شخص روزے دار ہے، شام کا وقت ہے، انظار کے وقت بہت اچھی اچھی چیزیں اس کے سامنے رکھی ہوئی ہیں، بھوک اور پیاس بھی ہے، کھانے کی خواہش بھی ہے، اور یہ ان کو کھا بھی سکتا ہے، اس کو کھانے کی طاقت بھی ہے، یہ نہیں کہ کھانے کی قدرت نہ ہو، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ جب تک سورق غروب نہیں ہو جاتا نہیں کھاؤ گے، اس لئے یہ نہیں کھاؤ، اس حکم الہی کے احترام میں ممکن نہیں کہ یہ کھائے، اگر کوئی اس کو زبردستی کھلانا چاہے تب بھی نہیں

کھائے گا، بالفرض کھانے کی طاقت ہے لیکن اس کے باوجود بھل ضرر اپنی سمجھتے ہوئے نہیں کھاتا، لیکن مثال انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت کی سمجھ لیجئے، عصمت کے یہ معنی نہیں جس کام کو ہم گناہ کہتے ہیں ان حضرات کو اس کے کرنے کی قدرت و طاقت نہیں ہوتی، بلکہ ان میں بھی طاقت موجود ہے، لیکن وہ عصمت کی وجہ سے گناہ نہیں کر سکتے، کیونکہ ہر وقت ان پر عصمت کا پہرہ رہتا ہے، یہ معنی جبرِ عصمت کے، ان میں طاقت ہوتی ہے بلکہ دوسرے لوگوں سے زیادہ طاقت ہوتی ہے۔

چالیس ہزار مردوں کے برابر طاقت:

چنانچہ صحیح بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل ہے کہ:

"قَالَ: اَتَمَسَّ رَجُلِي اللَّهَ عَنَفًا: كُنَّا تَتَخَذُ اللَّهُ

اَعْطَى قُوَّةَ ثَلَاثِينَ." (بخاری ج ۱ ص: ۴۱)

ترجمہ: "ہم آپس میں یہ بات ذکر کیا کرتے تھے

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تیس مردوں کی قوت عطا کی گئی

ہے۔"

اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس جنتیوں کی

طاقت عطا کی گئی تھی۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وقع فی رواية الاسماء عیسیٰ من طریق اسی

موسیٰ عن معاذ بن هشام: "اربعین" بدل ثلاثین

وفی صفة الجنة لابی نعیم من طریق معاذ مثله، وزاد:

"من رجال اهل الجنة." ومن حدیث عبد اللہ بن عمرو

رفعه: "اعطيت قوة اربعین فی البطش والجماع."

(فتح الباری ج ۱ ص: ۳۷۸)

ترجمہ:....."اور اسماعیلی من طریق ابو موسیٰ عن معاذ بن ہشام کی روایت میں تیس کے بجائے چالیس مردوں کی طاقت کا ذکر ہے، اور ابو نعیم کی صفت جنت میں مجاہد کے حوالے سے بھی اسی طرح ہے، لہٰذا اس میں جنت کے آدمیوں کا اضافہ ہے، اور عید اللہ بن عمرو کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: مجھے پکڑنے اور جماع کے معاملہ میں چالیس مردوں کی طاقت دی گئی ہے۔"

اور صحیح حدیث میں وارد ہے کہ ایک جنتی کو سو مردوں کی قوت عطا کی جائے گی، چنانچہ متعدد کتب حدیث میں ہے:

"وعد احمد والناسانی وصححه الحاكم من

حدیث زید بن ارقم رفعہ: ان الرجل من اهل الجنة

ليعطى قوة مائة لحي الاكل والشرب والجماع

والشهوة." (ترغی ج ۲ ص ۷۰ من ائس، مسند احمد ج ۴

ص ۴۷۱، ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۱۰۸، دارقطنی ج ۳ ص ۴۲۱، موارد

الظہان ص ۶۰۰ عن زید بن ارقم)

ترجمہ:....."احمد، نسائی میں حضرت زید بن ارقم سے

مرفوع حدیث ہے اور اس کی امام حاکم نے تصحیح کی ہے کہ ایک

جنتی کو جنت میں کھانے، پینے، جماع کرنے اور شہوت میں سو

مردوں کی طاقت دی جائے گی۔"

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں کے ملانے سے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت چالیس ہزار مردوں کے برابر ثابت ہوئی۔ چنانچہ وہ فرماتے

ہیں کہ:

”فَعَلَىٰ هَٰذَا يُعَظَىٰ قُوَّةُ نَبِيِّنَا أَرْبَعَةَ آلَافٍ“

(فتح الباری ج ۱ ص ۷۷۸)

ترجمہ: ”پس اس اعتبار سے ہمارے نبی صلی اللہ

عہد وسلم کو چار ہزار جوانوں کی طاقت دی جائے گی۔“

انبیاء کا مجاہدہ:

تو انبیاء کرام علیہم السلام میں طاقت زیادہ ہوتی ہے، اس کے باوجود عصمت کی بنا پر وہ ضبط نفس سے کام لیتے ہیں، صبر کرتے ہیں، اس لئے ان کا مجاہدہ بھی بڑھ جاتا ہے، اور ان کا جزی بھی بڑھ جاتا ہے۔

جس روٹی کھانے والا اگر چار کھائے تو مجاہدہ ہے:

ہمارے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کی خدمت میں شکایت کی گئی کہ خانقاہ میں ایک آدمی روٹیاں بہت کھاتا ہے، یہ شخص خانقاہ کے ذاکرین میں سے تھا، یہ حضرات حکیم ہوتے ہیں، حضرتؑ نے فرمایا کہ بھئی! یہ جو خانقاہ میں کھانا کھاتا ہے تو تم اس کو دیکھتے ہو، اس سے پوچھو کہ خانقاہ میں آنے سے پہلے کتنا کھانا کراتا تھا؟ چنانچہ اس سے پوچھا گیا کہ یہاں آنے سے پہلے کتنی روٹیاں کھایا کرتے تھے؟ کہنے لگا: میں کھایا کرتا تھا، یہاں آکر چار نہیں پانچ کھالیتا ہوں، تو جس شخص کو جس روٹیوں کی بھوک ہو اور وہ پانچ روٹیاں کھائے، اس نے چوتھائی بھوک کے مقدار روٹی کھائی، اور جو ڈیڑھ روٹی نہ کھا سکتا ہو، اگر وہ دو روٹیاں کھائے تو اس نے اپنی بھوک سے آدھی روٹی زیادہ کھائی، اب غور کرو کہ کس نے تھوڑا کھنیا؟ ڈیڑھ روٹی کی بھوک رکھنے والا اگر دو روٹیاں کھا جائے، اس نے تو اپنی بھوک سے زیادہ کھالیا، لیکن جس بے چارے کی بھوک تیس روٹیوں کی تھی، اس نے پانچ کھائیں، اس نے واقعی مجاہدہ کیا کہ اپنی بھوک کا چوتھا حصہ پورا کیا، تین حصے

پورے نہ کئے، تو حضرات ائمہ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں سے زیادہ قوتیں عطا فرمائی ہیں، ان قوتوں کے باوجود وہ صبر کرتے ہیں۔
تعدد ازواج کی حکمتیں:

میں ماموں کا گھن میں ہوتا تھا، ہمارے سامنے ایک خاتون ڈاکڑ تھیں، اس کا بھائی اس سے ملنے کے لئے آیا، بالکل نو عمر سا تھا، بیس، بائیس سال کی عمر ہوگی، بچے چار، بہت سے مساکین میں غلط فہمیوں میں الجھا ہوا تھا، وہ ہر بات میں کہتا تھا کہ یا تو یہ مسئلہ غلط ہے یا مولوی جھوٹ بولتے ہیں، خیر مجھ سے گفتگو کرنے لگا، میں نے کہا کہ بے چارہ تو عمر ہے، اس کو سمجھانا چاہئے، کہنے لگا کہ ہم نے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں، اور مولوی کہتے ہیں کہ صرف چار نکاح کر سکتے ہیں، یا تو مولوی جھوٹ بولتے ہیں یا حدیث غلط ہے، میں نے اس کو سمجھایا کہ نہ تو مولوی جھوٹ بولتے ہیں اور نہ حدیث غلط ہے، ہمیں چار تک بیویاں رکھنے کی اجازت ہے، چار سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت دنیا سے تشریف لے گئے، اس وقت آپ کے عقد میں نو ازواج مطہرات تھیں، میں نے اس کو تعدد ازواج کے مسئلہ میں بہت سی چیزیں سمجھائیں، ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار ہزار مردوں کی طاقت عطا فرمائی گئی تھی، اور جب ہر مرد کے لئے چار بیویوں کی اجازت ہے تو جو شخص چار ہزار مردوں کے برابر طاقت رکھتا ہو، اس کو سولہ ہزار بیویوں کی اجازت ہونی چاہئے تھی، مگر آپ نے صرف نو بیویوں پر کفایت فرمائی، اور میرا اور آپ کا یہ حال ہے کہ شاید ایک بیوی کے بھی لاکھ نہیں، اب ایک شخص وہ ہے جس کی طاقت ایک بیوی کی بھی متحمل نہیں، اس کو چار بیویوں کی اجازت ہے، اور ایک شخص وہ ہے جس کو سولہ ہزار کی طاقت ہے، اس کو صرف نو بیویاں دی گئیں، اب تم بتاؤ کہ کس کے ساتھ رعایت کی گئی؟

دعوتِ نبوت کے لئے عورتوں کی ضرورت:

دوسری بات یہ ہے کہ ہر آدمی کے کچھ نظریات ہوتے ہیں، اور اس کو اپنی دعوت کو پھیلانے کا حق دیا گیا ہے، مردوں میں تو آدمی خود کام کر سکتا ہے، لیکن عورتوں میں کام کرنے کے لئے اس کو کسی نائب کی، کسی سیکریٹری کی ضرورت ہے، اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے بیوی کو تجویز کیا ہے۔

ہمارے زمانے کا دستور:

یہ تو ہمارے زمانے کا دستور ہے کہ نامحرم بھی سیکریٹری ہیں، عورتوں سے مرد اور مردوں کی عورتیں۔ عورتوں کے اعضا مستورہ کا علاج مرد کرتے ہیں، اور مردوں کے اعضا مستورہ کا علاج سب سے چھپی لڑکیاں کرتی ہیں، میرے پاس بہت سی لڑکیوں کے خط مل آتے ہیں کہ ہم ڈاکٹری پڑھتی ہیں، اور ہمیں مردوں کے اعضا مستورہ کو دیکھنے اور بچھونا پڑتا ہے، ہم کیا کریں؟ میں لکھ دیتے ہوں کہ یہ اس معاشرے کی خرابی ہے، یا تو تم ڈاکٹری پڑھنا چھو دو، یا گورنمنٹ سے اس قبضہ کے خلاف احتجاج کرو، ہوتا ہے کہ میٹ کی برہنہ ناش رکھی ہوئی ہے اور لڑکے اور لڑکیاں سب مل کر اس کا پوسٹ مارٹم کرتے ہیں، اور سب کے سامنے مردہ کے اعضا مستورہ کو ہاتھ لگاتے ہیں، نہ معلوم جدید معاشرے نے شرم و حیا کا جامہ کیوں لٹا دیا، تو کیا ہے؟ مرد اور عورت کا کوئی امتیاز نہیں رہنے دیا گیا۔

جدید فیشن نے مرد اور عورت کی تمیز ہی ختم کر دی:

اب دیکھئے کہ نرپہ خانوں میں بعض مرد ڈاکٹر زینتی آدھتے ہیں، حالانکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو ہمیشہ سے عورتوں کے ساتھ نہ مل سکتی تھی ہے، لیکن یہ جدید فیشن ہے جس نے مرد کو مرد نہیں رہنے دیا اور عورت کو عورت نہیں رہنے دیا، یہ اور شرم کا تصور ہی ختم کر دیا، نرسنگ کا پیشہ خاص طور سے لڑکیوں کے ساتھ نہ مل کر دیا گیا ہے،

اور کہا جاتا ہے کہ عورت بہتر تیار داری کر سکتی ہے، حالانکہ محرم عورتیں بھی اپنے محرم مرد کو پیشاب، پاخانہ کرواتے ہوئے شرم محسوس کرتی ہیں، لیکن ہتھالوں میں ناخرم لڑکیوں کو اس خدمت پر مقرر کر دیا گیا ہے، اور وہ جنس مردوں کو پیشاب، پاخانہ کراتی ہیں، اس کا کوئی احساس ہی نہیں کہ شرم و حیا بھی کوئی چیز ہے، تو میں اس زمانے کی بات نہیں کر رہا یہ تو ماشاء اللہ بیسویں صدی ہے، میں اس معاشرے کی بات کر رہا ہوں جس میں غیر عورتیں سیریزری نہیں بن سکتیں تھیں۔

ایک مرد کو چار کی اجازت ہے، تو نبی کی دعوت کے لئے کتنی ہونی چاہئیں؟

تو اللہ تعالیٰ نے ہر مرد کو چار تک سیریزری رکھنے کی اجازت دے دی ہے کہ عورتوں کے میدان میں دعوت و تبلیغ کا کام کرنے کے لئے تم اپنے چار معاون رکھ سکتے ہو، وہ تمہارے سے محرم ہوں گی، نا محرم نہیں، تم ان کو سمجھا دو گے اور وہ مستورات تک تمہاری دعوت پہنچا دیں گی، یہ تو اللہ تعالیٰ نے عام آدمیوں کو اجازت دی ہے، اب رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر غور کرو، جن کا دین اسود و احمر کے لئے ہے، گورے اور کالے کے لئے ہے، مشرقی اور مغرب کے لئے ہے، موجود اور غائب کے لئے ہے، ہر وقت اور ہر زمانے کے لئے ہے، ہر نسل اور ہر جگہ کے لئے ہے، ہر شخص اور ہر قوم کے لئے ہے، تم بتاؤ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت کو امت کی تمام عورتوں تک پہنچانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کتنی عورتیں ہونی چاہئے تھیں؟

اس وقت پتہ نہیں کہاں سے مضامین کی تمہاری ہوتی تھی، اس نوجوان کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ بیادیں ہونے کی شکایتیں سمجھاتے ہوئے جب میں نے چار نکات بیان کر کے یہ کہا کہ نمبر پانچ، تو وہ صاحب کہنے لگے کہ اگر آپ مجھے

آوی بکھتے ہیں تو یہ مسئلہ میں سمجھ گیا ہوں۔

انبیاء کی جتنی قوت ہوتی ہے ضبط بھی اسی طرح کا ہوتا ہے:

تو میں عرض کر رہا تھا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں اور لوگوں سے زیادہ قوت ہوتی ہے، اور جتنی زیادہ قوت اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی ہے، اتنا ہی کامن منہ و نفس بھی انہیں عطا فرمایا ہے، لیکن مجاہدہ ہے جس سے ان کا اجر بھی بڑھتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: ذُخِرْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُوعَكُ. فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّكَ تَزْعُكُ وَعُكَا مَعْبُودًا. قَالَ: أَجَلُ! إِنِّي أُرْعَكُ مَعَا يُوعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ. فَلْتُ: ذَالِكِ بَأْسُ لَكَ أَهْمَرَيْنِ. قَالَ: أَجَلُ! ذَالِكِ كَذَابُكَ..... الخ“

(صحیح بخاری ج ۲، ص ۸۴۳)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، (میں نے دیکھ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار ہے، اور بہت ہی شدید بخار ہے) میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کو تو بہت ہی شدید بخار ہے، فرمایا: ہاں! مجھے تم لوگوں سے دو گنا بخار ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے کہا: اس کی وجہ شاید یہ ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجر بھی تو دہرا ملے گا۔ فرمایا: ٹھیک سمجھے ہو۔“

اللہ اکبر! دو آدمیوں کے برابر بخار، اگر معمولی بخار ایک سو دو یا ایک سو تین

دوہ کا فرض کر لیا جائے تو اس کا ذیل کتنا ہوگا؟ معمول کا بخار اگر ایک سو چار یا ایک سو پانچ تک پہنچ جائے تو ہمارا جو حال ہو جاتا ہے وہ آپ کو معلوم ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بخار جو اس کا ذیل ہو جاتا ہوگا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! تمہارے وہ آدمیوں کے برابر مجھے بخار ہوتا ہے۔

خیر میں یہ عرض کر رہا تھا کہ عصمت کے یہ معنی نہیں کہ نبیوں میں طاعت نہیں ہوتی، طاعت ہوتی ہے، مگر طاعت نہ ہو تو ان کو ثواب کیا ملے گا؟ ان میں طاعت ہوتی ہے، طاعت ہونے کے باوجود ان پر عصمت کا پہرہ رہتا ہے۔

اس عصمت کی بدولت ممکن نہیں کہ ان کی آنکھ بھٹک جائے، ممکن نہیں کہ ان کی زبان بھٹک جائے، ممکن نہیں کہ ان کے کان بھٹک جائیں، ممکن نہیں کہ ان کے ہاتھ پاؤں بھٹک جائیں، ان کے وجود کے کسی حصہ سے گناہ سرزد نہیں ہو سکتا، یہ عصمت ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی معصوم نہیں، یہ جو شیعہ لوگ بارہ معصوم اماموں کا عقیدہ رکھتے ہیں، محض غلط ہے، عصمت صرف انبیاء کرام علیہم السلام کا خاصہ ہے، کسی کو معصوم سمجھنا گویا اس کو نبی سمجھنا ہے۔

اولیاء محفوظ ہوتے ہیں:

ہاں! اولیاء اللہ محفوظ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی بھی گناہوں سے حفاظت کرتے ہیں تو اسی حفاظت کو طلب کرنے کے لئے حضرت شیخ رحمہ اللہ دعا کر رہے ہیں۔

”یہ اللہ! ہمیں ایسی حفاظت نصیب فرما جس کے

ذریعہ آپ ہمیں گناہوں کی دلدل سے نکال دیں۔“

مطلب یہ کہ ہم گناہوں کی دلدل میں مبتلا نہ ہوں، کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہونے والا ولی اللہ نہیں ہو سکتا، اور اگر کبھی غلبہ بشریت کی وجہ سے کبیرہ گناہ سرزد ہو بھی جائے تو وہ بغیر توبہ کے نہیں رو سکتا، جس شخص کا حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ صحیح تعلق ہو وہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا ہے، اور کبیرہ گناہوں سے بچنے کے لئے صغیرہ گناہوں سے بھی بچتا ہے، کیونکہ صغیرہ گناہوں پر اصرار کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔

مؤمن اور منافق میں فرق:

ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

”اِنَّ السُّؤْمِيْنَ يَرٰى ذُنُوْبَهُ كَثٰثَةً فِىْ اَصْلِهِ خَبِيْلًا
يَخَافُ اَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ، وَاِنَّ الْفَاجِرَ يَرٰى ذُنُوْبَهُ كَثٰثَةً كَذٰبًا وَوَقَعَ
عَلٰى اَنْفِهِ، قَالَ يٰ هَكَذَا فُطَارَ ... الخ.“

(ترمذی ج: ۲، ص: ۷۳)

ترجمہ: ”مؤمن سے جب گناہ سرزد ہوتا ہے تو اسے ایسا لگتا ہے کہ جیسے پہاڑ کے نیچے آگیا ہوں، (جو شخص پہاڑ کے نیچے پڑ جائے اس پر کتنا بوجھ ہوگا؟ اور وہ اس سے نکلنے کی کتنی کوشش کرے گا؟) بخلاف منافق کے، منافق کو ایسا لگتا ہے کہ کبھی ناک پر میٹھی تھی، ہڑادی۔“

منافق انکساف بھی نہیں کرتا کہ مجھ سے کوئی گناہ ہوا ہے، اور مجھے توبہ کی ضرورت ہے، ہمارے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے درمیان یہی فرق ہے، ہم اپنی زندگی گزارتے ہوئے پرواہ نہیں کرتے کہ ہم سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ تو سرزد نہیں ہو رہا؟

ہماری بے اعتنائی:

اول تو ہمیں توجہ نہیں ہوتی اس لئے کہ ہمیں پرواہ نہیں، فکر نہیں کہ ہم سے کوئی نا فرمانی سرزد نہ ہو اور اگر کبھی توجہ ہو بھی جائے تو کہتے ہیں کہ چلو جی اللہ تعالیٰ معاف کرے گا، یعنی ہمیں نیچے کی ضرورت نہیں ہے، بس یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے کہ وہ خود ہمیں معاف کر دیا کرے، ہمیں یہ کہنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی کہ یا اللہ! مجھ سے غلطی ہو گئی، اپنی رحمت سے مجھے معاف کر دیجئے، بس یہ کہہ دیجئے ہیں کہ کوئی بات نہیں، اللہ معاف کرے گا۔

ہماری غفلت اور شیطان کی ہوشیاری کی مثال:

یہ سب پر دوائی ہے اور جو شخص اپنے دین کے بارے میں بے پرواہ ہو جاتا ہے وہ دین کو غارت کر ڈالتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی بہت بڑے خزانے پر کسی شخص کو پہرے دار مقرر کیا گیا ہو، وہ آرام سے سو جائے، یا کہیں بے پروائی سے چلا جائے اور چور ڈاکو اس کا خزانہ لوٹ کر لے جائیں، ہمیں اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ پر پہرے دار مقرر فرمایا کہ اعمال صالحہ کرو، اور ان کا پہرہ بھی دو کہ وہ ضائع نہ ہو جائیں، اور یہ اعمال صالحہ بہت بڑی دولت ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہیں، یہ جو ہمارے اعضا ہیں، ہاتھ پاؤں، یہ بہت بڑی دولت ہیں، اور یہ اعمال صالحہ کے خزانے ہیں، لیکن ہمیں نہ تو یہ احساس ہے کہ ہمارے پاس کتنا خزانہ ہے اور نہ اس کا احساس ہے کہ اس خزانے کو لوٹ بھی لیا جاتا ہے۔

شیطان، انسان کے تعاقب میں ہے:

شیطان ہمارے تعاقب میں ہے، ہم دم چوکس بیٹھا ہے، جیسے بلی گھات لگا کر بیٹھتی ہے، اسی طرح ہمارے اعمال صالحہ کو اچکنے کے لئے شیطان گھات لگا کر بیٹھتا ہے، اس کی صرف ایک مثال دے دیتا ہوں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

”عن ابی غنابہ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الشیطان جثم علی قلب ابن آدم، فإذا ذمّر اللہ غلب وإذا غلب ونسوس.“

(ملکوت ص ۱۶۹)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: شیطان آدمی کے دل پر جرم کر بیٹھتا ہے، اگر بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے، اور جوں ہی بندہ ذکر الہی سے غافل ہو جائے شیطان وسوسہ ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔“

شیطان کی قسم:

ابوہریرہ ماقص ہو انہیں ابوہر شیطان نے اپنے کار کیا نہیں، تو معلوم ہوا کہ شیطان تو ہر دم پاک میں رہتا ہے، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے قسم کھائی تھی، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

”فبِعزبتک لاغوینہم اجمعین الا عبادک
مبتہم المخلصین“ (س: ۸۲)

ترجمہ: ”تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا، ہاں تیرے مخلص بندے بچ جائیں تو دوسری بات ہے۔“

تو ہم لوگ اول تو بے پرواہ ہیں، گناہ ہوتے ہیں تو کوئی پرواہ نہیں، نہیں ہوتے جب بھی ٹھیک ہے، یعنی گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہیں ہے اپنے دامن کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام نہیں ہے، اور جب گناہ ہو جاتا ہے اور ہمیں اس کا

احساس بھی ہو جاتا ہے کہ ہم سے گناہ سرزد ہوا ہے تو اب رجوع الی اللہ کا اور حق تعالیٰ شانہ کی طرف توجہ کرنے کا اہتمام نہیں ہے، یہ فکر نہیں کہ گنہگار اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں، اور اس گناہ کی نجات سے اپنے دامن کو توبہ کے پانی سے دھو ڈالیں، بس یوں کہہ دیجئے ہیں کہ چلو جی! کوئی بات نہیں، اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں، بھئی اللہ تعالیٰ کی ذات تو بڑی کریم ہے، نہ مظلوم کس کس کو کس کس بات پر بخش دیں گے، ان کی بخشش میں تو کوئی شبہ نہیں، کوئی کلام نہیں، مگھگو تو اس میں ہے کہ اگر ہم سے گناہ ہو جائے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ کیا ہمیں دس پر بے یمن نہیں ہونا چاہئے تھا؟ کیا ہمارا صرف یہ کہہ لینا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی بخش دیں گے۔

اہل اللہ کا گناہوں سے بچنے کا اہتمام:

تو میں نے کہا اللہ کے بندوں کے درمیان اور ہمارے درمیان یہ فرق ہے کہ وہ اول تو اہتمام کرتے ہیں گناہوں سے بچنے کا، مولاؑ روٹی فرماتے ہیں:

بر دل سالک ہزاروں غم بود
مگر زبا بخش یک خلائے کم شود

سالک کے دل پر ہزاروں غم ٹوٹ پڑتے ہیں اگر اس کے باغ میں سے ایک تنکا بھی کم ہو جاتا ہے، یہ جو باغ اس نے لگا رکھا ہے دل میں، اگر اس میں ایک ٹکے کی بھی کمی آ جاتی ہے تو اس پر ہزاروں غم ٹوٹ پڑتے ہیں، تو وہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں، خدا خواستہ اگر کبھی سہو کی بنا پر، بشریت کی بنا پر کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کرتے ہیں۔

جب تک اللہ راضی نہ ہو جائے:

ایک حدیث شریف میں دعا کا مضمون آتا ہے:

"وَلَيْكَ الْعُصْلَةُ خَشِيَ قَرَضِي وَلَيْكَ الْعُصْلَةُ إِذَا

رَضِيتَ يَا أَهْلَ الثَّقَوِي وَبِأَهْلِ الْمَغْفِرَةِ۔

(کنز العمال ج ۳ حدیث ۵۰۰)

ترجمہ : ”اور تجھ کو منانا ہے جب تک تو راضی نہ ہو جائے اور میرے لئے حمد ہے جب تو راضی ہو جائے، اے تقویٰ (کو پسند کرنے والے اور وفادار کرنے والے)۔“

عجیب الفاظ ہیں! اللہ تعالیٰ سے کہہ رہے ہیں کہ یا اللہ! اگر آپ ہماری کسی غلطی کی وجہ سے ناراض ہو جائیں تو ہمیں سے نہیں بیٹھیں گے، بلکہ آپ کو ہر سورت سزا ہے، اور جب تک آپ راضی نہ ہو جائیں ہم بدستور آپ کو مانتے رہیں گے، پس اگر ہمیں غلطی ہو جائے تو جب تک اللہ تعالیٰ راضی نہ ہو جائیں اور اس بات کا اطمینان نہ ہو جائے کہ ہاں توبہ قبول ہوئی، اس وقت تک وہ پوکھٹا نہیں چھوڑتے، اور جب آپ راضی ہو جائیں تو آپ کا شکر ادا کرتا ہے۔

”اے ہوں کی دلدار!“

تو شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ اپنی دنیا میں فرماتے ہیں کہ:
”یا اللہ! ہمیں ایسی معصیت عطا فرما کہ آپ ہمیں
گناہوں کی دلدل سے بچائیں، اس دلدل میں جتنا نہ ہونے
دیں۔“

اور کو دلدل اس لئے کہا کہ جیسے دریا میں بھنور ہوتا ہے، اس میں اگر کوئی شخص پھنس جائے تو پھر اس کا نکلنا بہت مشکل ہو جاتا ہے، ہاں کوئی اس کا ہاتھ پکڑ لے تو پھر دوسری بات ہے، کوئی دوسرا ہاتھ پکڑ کر نکالے تو نکالے، ورنہ بھنور اسے نیچے لے جاتا ہے اور غرق کر کے چھوڑتا ہے، اسی طرح گناہوں کے گرداب میں جو شخص جا پھنستا ہے، پھر اس کے لئے نکلنا بہت مشکل ہو جاتا ہے، جب تک کہ کوئی

دست گیری کرنے والا نہ ہو، ہاتھ پکڑنے والا نہ ہو، تو اللہ ہی بچائیں، یا اللہ! ہمیں ایسی عصمت عطا فرما جو ہمیں گناہوں کے ورطے سے، گناہوں کے مضور سے، گناہوں کی دلدل سے، گناہوں کے گرداب سے نکال دے۔

رحمت اور مغفرت کا مفہوم:

”یا اللہ! ہمیں ایسی رحمت عطا فرما جو ہمیں عیوب کی

گندگی سے ریشہ نیکیل سے پاک صاف کر دے۔“

اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا وعدہ فرمایا ہے، ایک مغفرت اور ایک رحمت، ایک ہے بخش دینا، اور ایک ہے رحمت کر دینا، تو یہ بخش دینا اور رحمت کرنا کیا ہوگا؟ بزرگ فرماتے ہیں کہ بخش دینا تو یہ ہوا کہ گناہ پر مواخذہ نہ کیا جائے بلکہ گناہوں کو ڈھانک دیا جائے، لیکن غنہ کا اثر تو باقی رہے گا، پکڑ تو نہ کی لیکن گناہ کا عیب تو لگا ہوا ہے، بھی میرے دامن کو دھبہ لگا ہوا ہو اور گندگی لگی ہوئی ہو، آپ اس پر کوئی مواخذہ نہیں کرتے، لیکن آپ کے اس مواخذہ نہ کرنے سے گندگی تو دور نہیں ہو جائے گی، وہ تو لگی رہے گی، تو رحمت یہ ہے کہ اس گندگی کو بھی دھو ڈالے، پاک صاف کر دے۔ حق تعالیٰ شانہ گناہوں کی مغفرت بھی فرماتے ہیں اور اپنی رحمت سے گناہوں کے وارغ دے بھی دھو ڈالتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے:

”فَاُولٰٓئِكَ يَتَبَلَّغُ اللّٰهُ سُبْحٰنَہُمْ حُسْنًا“

(الفراکان: ۴۰)

ترجمہ: ”یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیات

کو حسنت سے بدن دیں گے۔“

برائیوں کو جھاڑ دیں گے، جیسے کہ پکڑے ہوئے کو رکھ کر پاک صاف کر دیا جائے ہے، اسی طرح حق تعالیٰ شانہ گناہوں کی تھوڑکی سے، ان کی گندگی سے، ان کی نجاست سے

ہمارے دامن ایمان کو پاک کر دیں گے، یہ رحمت ہے اور اسی کو شیخ رحمہ اللہ ذکر فرما رہے ہیں کہ: ”ہمیں اپنی طرف سے ایسی رحمت عطا فرما جس کے ذریعہ عیوب کی گندگی اور اس کے میل کچیل سے آپ ہمیں پاک کر دیں۔“

رحمت کا دوسرا معنی:

ایک معنی رحمت کے اور بھی ہیں۔ وہ یہ کہ قصور وار کے قصور کو معاف کر دینا، یعنی اس پر سزا عطا نہ کرنا، پکڑ نہ کرنا تو مغفرت ہے اور جب قصور وار نہ است کے ساتھ آئے تو اس کو انعامات سے نوازا رحمت ہے، تو حق تعالیٰ شانہ صرف مہلتا ہوں کی مغفرت پر کفایت نہیں فرماتے بلکہ جو بھی توبہ لے کر آئے اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے نوازشیں اور عنایات فرماتے ہیں، گناہ بھی معاف ہوئے اور ساتھ کے ساتھ عنایات الہیہ کے تحائف بھی لے کر آئے، حق تعالیٰ شانہ ہم سب کو اپنی رحمت و مغفرت کا سوراہا بنائیں۔

میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ حضرت شاہ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ حاضرین سے فرمایا کرتے تھے:

”جَعَلْنَا اللَّهَ وَابْنَكُمْ مَعْنً تَنْبِيْهِ لِيُخْدَمِيْهِ وَتَسْتَوِيْ عَنْ
الْقُلُوبِ وَتَذْكُرُ يَوْمَ خُسْرِهِ وَانْقَضَى آفَاقُ الْمَضَالِحِيْنَ اِنَّهُ وَلِيُّ
ذَالِكِ وَالْقَادِرُ عَلَيْهِ يَا رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔“ (قائد الجواب ص: ۴۴)
ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو لان لوگوں میں
سے بنائیں جو اللہ تعالیٰ کی خدمت کے لئے مستحب ہو جائیں اور
جاگ جائیں، (خدمت سے مراد ہے اللہ کی عبادت کے لئے
کھڑا ہونا) اور دنیا سے پرہیز کریں اور اپنے حشر کے دن کو یاد
کریں، اور نیک لوگوں کے آثار کی اقتداء کریں (اللہ تعالیٰ ہمیں

ان لوگوں میں سے بتائیں، بے شک اللہ تعالیٰ اس کے ولی
ہیں اور اس پر قادر ہیں۔“

سلف صالحین کی اتباع:

اور آخر میں یہ شعر چھا کرتے تھے

وَمَنْ يَتَّبِعْ أَتَّأْتِ لَقَدْ ضَلَّ سَبِيلَهُ
وَمَنْ يَتَّبِعْ أَتَّأْتِ لَقَدْ كَانَ مُسْلِمًا

(علامہ ابوہریریہ: تہذیب الشیخ عبدالقادر ص: ۴)

ترجمہ: ”جو شخص کہ سلف صالحین کے نشانات قدم
کو چھو دے اس کی محنت رائیگاں جاتی ہے، اور کیا کوئی مسلمان
اپنے سلف صالحین کے آثار اور نشانات کو چھوڑ سکتا ہے؟“

یہ گویا ان کی دعا کا خلاصہ ہوتا تھا کہ حق تعالیٰ شانہ ہمیں ان لوگوں میں سے
بنائے جو خدمت کے لئے متنبہ ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی بندگی میں مشغول رہتے
ہیں، غفلت اور دانشمند غلام اپنے مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتا ہے، بیدار رہتا ہے،
غافل نہیں ہوتا، اور سوتا نہیں، سونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے دل کی آنکھیں بند نہیں
ہوتیں، اگر آرام کرتا ہے تو اس مقصد کے لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی مشین
ہے، اس کو آرام دینا بھی ضروری ہے، غرضیکہ اپنی خواہشات میں مشغول ہونے کی
جائے اپنے مالک کی خدمت میں مشغول ہوتا ہے۔

دنیا سے نزاہت:

اور دوسری چیز دنیا سے منزہ ہونا ہے، اور یہ اس لئے عزت اور پاکیزگی
حاصل کرتا ہے۔ کیونکہ دنیا ہے ہی ایسی چیز کہ اس سے پاکیزگی حاصل کی جائے،
چنانچہ کمزراعمال میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے:

”الْأَلْبَنَى جَنَفَةً، فَضَنَ إِزَادَهَا فَلْيَضْبِرْ عَلَيَّ
مُخَالَفَةَ الْبِكْرَابِ.“ (کنز العمال ج ۳ حدیث ۸۵۶۳)

ترجمہ: ”دنیا مردار ہے، جو شخص اس کو حاصل کرنا
چاہے، وہ کتوں سے میل جول پر صبر کرے۔“

اسی مضمون کو عام طور پر اس طرح ذکر کیا جاتا ہے کہ:

”الْأَلْبَنَى جَنَفَةً وَطَابِلَهَا بَكْرَابٌ.“

ترجمہ: ”دنیا مردار ہے اور اس کے طلب کرنے
والے کتے ہیں۔“

دنیا کو مقصد بنانے کے نقصانات:

جب دنیا کو مقصد بنایا جائے تو اسی طرح ہوتا ہے جس طرح آج ہو رہا ہے،
لڑائیاں بھڑائیاں ہوتی ہیں، منافقت ہوتی ہے، چھینا چھٹی ہوتی ہے، ایک دوسرے
سے آگے نکلنے کی کوشش ہوتی ہے، ایک دوسرے سے حسد ہوتا ہے، کینہ ہوتا ہے، وغیرہ
وغیرہ۔

دنیا آخرت کے لئے ہو:

لیکن اگر دنیا کی زندگی اس مقصد کے لئے ہو کہ آخرت کی تیاری کرنی ہے،
اور آدمی کو آخرت کی فکر ہمیشہ لگی رہے، اور آخرت کا مقصد سامنے رہے تو پھر آدمی کا
کھانا پینا، انصاف بیٹھنا اور اس کے تمام کام دنیا نہیں، بلکہ سب کچھ آخرت کے حساب
میں شمار ہوتا ہے۔

دنیا آخرت کے لئے ہو تو وہ بھی دین ہے، ایک مثال!

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقام پر فرمایا کہ جب
کھانے کا حساب کرتے ہیں کہ کھانے کی ع میں اتنے پیسے خرچ ہوئے، یعنی مطبخ کا

حساب کرتے ہیں تو اس میں گزریوں اور اولیوں کی بھی قیمت لگاتے ہیں، گائے اور بھینس کا گوشت ہندوؤں کے کام آتا ہے، اس سے کھانا پکایا جاتا ہے، تو گزری اور اولیے بھی کھانے کی مد میں لگائے جاتے ہیں، اب کوئی پوچھتے وہاں ہو کر خیرے کھانے کے حساب میں لکھا ہے کہ کھانے پر اتنا خرچ ہوا، تو کیا اولیے بھی کھانے جاتے ہیں؟ کہ ان کو کھانے کے حساب میں شمار کیا، حضرت فرماتے ہیں کہ اولیے کھائے تو نہیں جاتے لیکن ان کے بغیر کھانا تیار نہیں ہوتا، اس لئے جب کھانے کا حساب کیا جائے گا، تو اولیوں کو بھی ان میں شامل کیا جائے گا۔

اسی اسی مثال سے سمجھ لیجئے کہ مومن آدمی دنیا میں کھاتا ہے، پیتا ہے، نکاح کرتا ہے، بیوی بچے رکھتا ہے، مشاغل اختیار کرتا ہے، لیکن یہ تمام چیزیں خود مقصد نہیں بلکہ اولیے ہیں، ان کو کھانے کے لئے نہیں خریدتا بلکہ جلانے کے لئے خریدتا ہے، ان سے کھانے کی تیاری میں کام لینا مقصود ہے، اگر ان تمام چیزوں سے آخرت کی تیاری کا کام لینا مقصود ہے تو یہ چیزیں دنیا نہیں بلکہ دین کی مد میں اور آخرت کے حساب میں شمار ہوتی ہیں۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

”إِذَا أَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلَى أَهْلِهِ وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا

شَاءَتْ لَهُ صَدَقَةً.“ (مختلہ ص: ۱۷۰)

ترجمہ: ”جب مسلمان اپنے گھر والوں پر ثواب کی

نیت سے خرچ کرے تو وہ اس کے لئے صدقہ شمار ہوتا ہے۔“

جائز خرچ پر اجر:

گویا مومن کو اس کے جائز خرچ میں اجر دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ جو نعمہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے، اس پر بھی اس کو اجر دیا جاتا ہے، اب بیوی کو کھاتا یہ تو دنیا بھری کی چیز ہے، ہر کافر اور ہر مومن میں مشترک ہے، نیک اور بد میں

یہ دنیا دار ہے۔

مومن دنیا دار نہیں ہوتا:

مومن کو دنیا دار نہیں ہونا چاہئے، حضرت خلیفۃ المسیحؑ مولانا شرف علی تھانوی قدس سرہ سے مگر کوئی شخص کہتا کہ ہم تو دنیا دار ہیں، تو حضرتؑ فرماتے کہ کیا مسلمان بھی دنیا دار ہوتا ہے؟ مومن تو آخرت کے لئے پیدا کیا گیا ہے، ایک روایت میں فرمایا گیا ہے۔

"أَنَّكَ الْمَدْنِيَّا خُلِقْتَ لَكُمْ وَأَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْآخِرَةِ"

ترجمہ: "دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی اور تم

آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔"

عجب فقرہ ہے! تو ہم یہاں کھانے پینے کے لئے پیدا نہیں ہوئے، مکان بنانے کے لئے پیدا نہیں کئے گئے ہیں، یہ چیزیں بھی چلیں گی، یہ بھی بند نہیں ہوں گی، لیکن یہ سب کچھ دنیا کی معیشت ہے، خود مقصود نہیں۔

دنیا ہمارا مقصد نہ ہو:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دنیا میں فرمایا کرتے تھے:

"وَلَا تُجْعَلِ الدُّنْيَا كُفْرًا هَمًّا وَلَا غَايَةً رَغْبَةً"

وَلَا مُبْلَغَ عِلْمٍ وَلَا تُسَلِّطْ غَلْبَتَا مَنْ لَا يُرْحَمُنَا. رواه

التِّرْمِذِيُّ. " (مشکوٰۃ ص ۶۱۹)

ترجمہ: "اور نہ دنیا کو کفر کا ہمت اور نہ دنیا کو ہمارا مقصود منظور، اور

نہ ہماری رغبت کی منزل مقصود، اور نہ ہماری معلومات کی انتہا، اور

ہم یہ اس کو حاکم نہ کر جو ہم پر مہربان نہ ہو۔"

مسلمان دنیا میں مشقت میں ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزر رہا تھا: "خُسْرُ نَفْعٍ أَوْ مُسْتَفْرَاحٍ مَبْنُوعٍ" (یہ راحت پانے والا ہے، یا اس سے راحت حاصل ہوگئی) عرض کیا گیا: اس کا کیا مطلب ہے کہ یہ راحت پانے والا ہے یا اس سے راحت مل گئی؟ فرمایا: "مومن بعد دنیا کی مشقتوں سے، یہاں کی تکلیفوں سے خدا سے حاصل کر لیتا ہے، راحت پانیتا ہے، مر گیا تو سب چیزوں سے آرام مل گیا، ہر قسم کی رخصت نصیب ہوگئی، اور نہ جبر اور نہ کارِ آدمی، اس سے اللہ کی مخلوق اور اللہ کی زمین راحت پاتی ہے، مر جاتا ہے تو اس سے سب کی جان چھوٹ جاتی ہے، زندگی ہو تو ایسی ہو کہ خیر ہی خیر سمیٹے ہو۔"

آدمی سے خیر پھیلے:

آدمی کو ایسا ہونا چاہئے کہ اس کے وجود سے خیر پھیلے اور شر بند ہو، زندگی ایسی ہو کہ اس کی ذات سے اس کو بھی نفع پہنچے، راحت پہنچے اور اللہ کی دوسری مخلوق کو بھی نقصان نہ پہنچے، آدمی کا وجود نفع رسا ہونا چاہئے، پھر تو انشا اللہ زندگی پر خیر میں زیادتی کا باعث ہوگی، در آخر آدمی کا وجود ایسا ہے کہ اپنے آپ کو بھی ہلاک نہ رہا ہے اپنی بد عملیوں کی وجہ سے اپنے کو نہ رہا ہے اور اللہ کی مخلوق بھی اس سے شک ہے، زمین کے جن ٹکڑوں پر ہم چلتے آ رہے ہیں، وہ اس پر لعنت کرتے ہیں، تو ظاہر ہے ایسی زندگی سے موت چھپی ہے۔

زندگی کی معاش سے چارہ نہیں:

تو مقصد یہ ہے کہ زندگی کی معاش سے تو چارہ نہیں ہے، جب یہاں زندگی گزارے گی تو یہاں کی زندگی کے لوازم بھی حاصل کرنے پڑیں گے، کھانا پینا ہے، رہنا سہنا ہے، لباس و پوشاک ہے، اور اسری ضروریات زندگی ہیں، مگر مومن و کافر میں

یہی فرق ہے کہ مومن ان کو مقصد نہیں بناتا، کافران کو مقصد بناتا ہے۔

حضراتِ انبیاء اور شیطان کی تلقین کا فرق:

حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام دنیا کے لوگوں کو یہی تعلیم دیتے ہیں کہ کھاد، بچہ اور حدود کے اندر رہ کر دنیا برتو، لیکن یہاں کی چیزوں کو مقصد نہ بناؤ، اور شیطان لوگوں کو یہ تعلیم و تلقین کرتا ہے کہ بس انہیں چیزوں کو مقصد بناؤ، تم نے سحر ت کہاں دیکھی ہے؟ کون مرے گا، کون بچے گا؟ چھوڑو اس قحط کو، تو ”سنو عن الدنیا“ یہ ہے کہ دنیا کو ایک نجاست سمجھتے ہوئے اس سے اپنے دامن کو پاک رکھنے کی کوشش کرو تاکہ تمہارے دامن ایمان کو اس کی کوئی آلودگی نہ لگے، وہ آلودگی کیا چیز ہے؟ حرام، منوع اور ناجائز چیزیں تمہاری زندگی کے دامن کو آلودہ نہ کریں، یہ ”سنو عن الدنیا“ ہے۔

بارگاہِ الہی کی پیشی کی یاد کی ضرورت:

اور تیسری دعا یہ فرمائی ہے کہ:

”یا اللہ! ہمیں ان لوگوں میں سے بنا جو تیرے سامنے

جمع ہونے کو اور تیری بارگاہ میں پیش ہونے کو یاد رکھتے ہیں۔“

اس کو یاد رکھنے میں لوگوں کے درجات مختلف ہیں، اللہ کی بارگاہ میں پیشی کا

ایک دھندلا سا تصور ہمارا بھی ہے، کسی بھی مسلمان سے پوچھو کہ ہم نے اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے؟ فوراً کہے گا۔ ہاں! یہی بڑی اچھی بات ہے، واقعی یہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے، لیکن بندہ پرور! اس عقیدے کا اور تصور کا ہماری زندگی میں کیا اثر ہے؟

بارات کی تیاری اور آخرت سے غفلت:

آپ کے لئے کسی بارات میں شامل ہونے کی ایک تاریخ مقرر کر دی گئی،

آپ اس کے لئے تیاری کرتے ہیں، کپڑے ملواتے ہیں، اور ضرورت کی چیزیں خریدتے ہیں، اور خوب بن ٹھن کر جاتے ہیں، اسی طرح اگر آپ کے لئے کسی بڑے افسر سے ملاقات کی تاریخ مقرر کر دی گئی ہو تو آپ کا رکھ رکھاؤ دیکھنے کے لائق ہوتا ہے، اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ وہ افسر صاحب شلو اور قمیص کو پسند نہیں کرتے، تو آپ اس افسر سے ملاقات کے لئے سوٹ ملواتے ہیں۔

دنیاوی افسر سے ملاقات کا لباس:

ایک صاحب نے لکھا تھا کہ میں ایک صاحب سے ملنے کے لئے گیا تھا، اس نے میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا، میں واپس آ گیا، اس کے بعد میں سوٹ پہن کر گیا، یعنی انگریزوں کا لباس، تو کھڑا ہو گیا، اور اس نے کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا اور کہا کہ: ہاں! اب آدمیوں کا لباس پہن کر آئے ہو نا! تو اگر حاکم خاص قسم کا لباس پسند کرتا ہے تو آپ اس لباس کا اہتمام کرتے ہیں، اور ان تمام آداب کا اہتمام کرتے ہیں جو اس حاکم کی ملاقات کے لئے ضروری ہیں۔

ملاقات الہی کا یقین ہے تو اہتمام کیوں نہیں؟

اب میں پوچھتا ہوں کہ اگر آپ کو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا واقعی یقین ہے تو کیا آپ نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا بھی کبھی اہتمام کیا ہے؟ کہ فلاں قسم کے لباس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں، اس لئے وہی لباس پہنا کریں گے، کیونکہ میری اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے، اور پھر مجھے اپنے پورا نامہ اعمال لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنا ہے، اس نامہ اعمال میں کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہئے جو کل قیامت کے دن میرے لئے باعثِ ندامت ہو، جس سے مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے، میرے نامہ اعمال میں کوئی عمل ایسا نہیں ہونا چاہئے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں، یا میں اللہ تعالیٰ کے غضب یا ناراضگی کا مورد بن جاؤں۔

ملاقاتِ الہی کا دھندلا تصور:

قرآن نے کہا کہ تصور تو ہمارا بھی یہی ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنی ہے مگر یہ تصور تو دھندلا ہے کہ ہمیں ملاقات کی تیاری نہ آتی، دو نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ نے اس چٹخی کے مضمون کو قرآن کریم میں بار بار دہرایا ہے، مختلف عنوانات سے، مختلف جگہوں سے، اور مختلف اسلوب سے اس کو ذکر فرمایا ہے تاکہ لوگوں کی سمجھ میں بات آجائے اور وہ اس کی تیاری کریں۔

پنانچہ سورۃ المطففین میں فرماتے ہیں:

”وَيْلٌ لِّلْمُصْطَفِينَ الْبَاقِينَ إِذَا كُنَّا لِلْآسِ
يَسْأَلُونَ وَإِذَا كُنَّا لَهُمُ الْوُزْنَ نَحْمِلُونَ. أَلَا بِطَقْ
لَوْلَيْكَ أَنَّهُمْ مُتَعَوِّلُونَ. لِيَزِدَّ عَظِيمًا. يَوْمَ يَفْزَعُ الْآسِ
بِرَبِّ الْعَالَمِينَ“ (المطففین: ۴-۸)

ترجمہ: ”ہلاکت ہے ان کی کہ آس کے دنوں کے لئے
جب انہوں سے لیتے ہیں۔ تو پورا کر دیتے ہیں۔ اور جب ان کو
دب کر یا توں کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کو یہ
انداز نہیں ہے؟ (کیا ان کو یہ دھیان اور خیال نہیں ہے؟) کہ
ان کو اٹھایا جائے گا ایک دن سے دوسرے دن۔ جس دن کھڑے ہوں
گے لوگ۔ رب العالمین کے سامنے۔“

نیا دنیا کا کوئی شخص یہ چاہے گا کہ مجھے تم چیز ہی چاہئے؟ ہرگز نہیں! پھر
جب دوسروں کو تاپ یا قول کر دیتے ہیں تو تاپ میں کمی کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ
ہے کہ بارگاہ الہی کی پیش ان کے سامنے نہیں۔ کیا ان لوگوں کو رب العالمین سے
سامنے کھڑے ہونے کا اور اس دن کے حساب و کتاب کا خیال نہیں! یہاں تو قرآن نے

ایک پیسے کی بے معمولی سی چیز کی سی کر کے اپنے نفس کو خوش کرنے، نہیں ذرا سوچنا کہ تم نے اپنی زندگی میں جو کھپلا کیا ہے، جب اس کا حساب دینا پڑے گا تو کہاں سے پورا کرو گے؟ یہاں تو جو کچھ نے لیا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ایک پیسہ تو کیا تو کیا نہ آو تو کیا نیکن تم لوگ تھوڑی تھوڑی جو کچھ کرتے گئے، بس پوری زندگی کا سیرانہ لگا کر جانے کا تو کہاں سے پورا کر کے دو گئے؟ ذرا سوچو! جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا یقین ہو، کیا ان کا کردار یکساں ہوتا ہے نہ کسی کے ساتھ ٹھگی کرتے رہیں؟ کسی کی چوری کرتے رہیں؟ کسی کے ساتھ ناپ تول میں کھپلا کرتے رہیں؟

متقین کی پیشی کا نقشہ!

قرآن کریم میں ایک اور جہد ارشاد ہے:

"يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ فِي الْوَحْشِمْ وَنَقْدًا"

(مریم ۶۵)

ترجمہ: "جس دن ہم حشر کریں گے متقین کا زمین

کی طرف زندگی شکل میں۔"

جیسے کوئی معزز وفد کسی بڑے و کمرے سے نکلنے کے لئے جاتا ہے، اسی طرح متقی اور پرہیزگار لوگوں کو فرشتے اعزاز و انکرام کے ساتھ بارگاہِ الہی میں پیش کریں گے کہ اللہ تعالیٰ تم سے ملاقات کرنا چاہے۔

مجرمین کی پیشی کا منظر!

اور مجرموں کے بارے میں فرمایا:

"وَنُفِثُوا فِي الْغُجْرِمْ إِلَىٰ سَهْمٍ رَّوْدًا"

(مریم ۸۶)

ترجمہ: "اور ہم مجرموں کو ہانک ہانک کر غنیمت کی

طرف لے جائیں گے، اس حال میں کہ دو بیٹے ہوں گے۔
کسی کا حشر اس طرح ہوگا، کسی کا اس طرح ہوگا۔

میدانِ حشر میں لوگوں کی حالت:

م. المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”عَنْ غَابِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: يَخْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِفَافَةَ عَرَاةٍ عُرْلًا. قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! الْمَرْجَأُ وَابٍ. حَسَنًا يُنْظَرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ“ فَقَالَ: يَا غَابِشَةُ! الْآخِرُ أَهْذُ مِنَ الْأَوَّلِ يُنْظَرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ.“

(مختصر ص ۱۲۸)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرمایا: لوگ قیامت کے دن اس طرح اٹھیں گے کہ پاؤں سے لٹکے، برہنہ اور غیر محتون ہوں گے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا مرد و عورتیں سب نیچے اٹھنے جائیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے؟ فرمایا: ہاں! معاملہ اس سے نہیں ٹھکے ہیں کہ کوئی کسی کو دیکھے۔“

قیامت کے دن لوگ نیچے ہوں گے:

یعنی قیامت کے دن لوگ اس طرح لٹکے ہوں گے جیسا کہ پہلے دن پیدا ہوئے تھے، ویسا جس شکل اور حالت میں ان کے پیٹ سے تشریف لائے تھے، اس

حالت میں دوسری ماں یعنی زمین کے پیٹ سے نکلیں گے، چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: "كَمْأَ بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعْبَذُهُ" (انبیاء: ۱۰۳) یعنی جس طرح ہم نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا، اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے۔

سب سے پہلے کس کو لباس پہنایا جائے گا؟

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وَأَوَّلُ مَنْ يَلْبَسُنِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ."

(مشکوٰۃ ص: ۴۸۳)

ترجمہ: "...قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت

ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔"

حضرات علما کرام فرماتے ہیں کہ اس روایت میں دو احتمال ہیں۔

ایک احتمال یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لباس حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے پہنایا جائے گا، لیکن چونکہ حکم اپنی بات نہیں کیا کرتا بلکہ دوسروں کی بات کیا کرتا ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولیت اپنے علاوہ دوسری مخلوق کے اعتبار سے بیان فرمائی ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر باقی مخلوق میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا، اس صورت میں یہ اولیت اضافی ہوگی۔

حضرت ابراہیمؑ کی جزوی فضیلت:

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ اولیت حقیقی ہو یعنی ابراہیم علیہ السلام کو یہ خاص فضیلت دی گئی ہو تو یہ بھی بعید نہیں، کیونکہ بعض باتوں میں دوسرے انبیاء کو بھی فضیلت دی گئی، جس کو فضیلت جزئی کہتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کی خاطر برہنہ کیا گیا تھا، ان کے کپڑے اتار کر ان کو تار نمرود میں ڈالا گیا تھا، اور اللہ کی ذات کی

خطر ان کو ذلیل کیا گیا تھا، جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام معززوں کے سردار تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کا یہ بدلہ عطا فرمایا۔

حضرت موسیٰ کا بے ہوش نہ ہونا:

جیر کہ ایک حدیث شریفہ میں آتا ہے کہ:

"..... فَإِنَّهُ يَنْفُخُ فِي الصُّورِ فَيَضَعُ مَنْ فِي
السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ. قَالَ: ثُمَّ
يَنْفُخُ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ بَائِلُونَ أَوَّلَ مَنْ بَعَثَ أَوْ فِي أَوَّلِ مَنْ بَعَثَ
فَإِذَا مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَحْذَ بِالْعُرْشِ فَلَا أَفْرَىٰ
أَخْوَبَ مِنْهُ يَوْمَ الطُّورِ أَوْ بَعَثَ قَبْلِي الخ."

(صحیح مسلم ۱۰ ص ۲۶۷)

ترجمہ: "جب صور پھونکا جائے گا تو سب آسمان و
زمین والے بے ہوش ہو جائیں گے، سوائے ان کے جن کو اللہ
چاہے، پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے میں
بیدار ہوں گا، تو دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش
الہی کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رشا
فرماتے ہیں کہ اب میں یہ نہیں جانتا کہ وہ بے ہوش ہی نہیں
ہوئے، یا یہ کہ وہ بے ہوش تو ہوئے تھے لیکن مجھ سے پہلے ان کو
بوش آگیا، کیونکہ وہ ایک دفعہ کو طور پر چلی الہی سے بے ہوش
ہو گئے تھے۔"

یہ بھی براہ راست حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نہیں ہوئی تھی، بلکہ یہ تکلی کو
لوہ پر ہو رہی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو بھی برداشت نہ کر سکے، حضرت موسیٰ

علیہ السلام نے تو جہاں جہاں آرا کے دیدار کی درخواست کی تھی، دیدار نہیں ہوا تھا، صرف تحفی ہوئی تھی، ایک جھٹک دھماکی مٹی تھی، پورا جمال نہیں دکھایا گیا، موسیٰ علیہ السلام پر تھکن ہو جاتی تو شاید برداشت نہ کر سکتے، موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے، بہت دیر کے بعد ہوش آیا۔

"فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سَخَانَكُم مَّا أَفَاقَ الْإِنْسَانُ
أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ" (الاعراف: ۱۳۳)

ترجمہ:..... "جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوش میں آئے تو کہنے لگے کہ: آپ پاک ہیں، میں آپ کی طرف توبہ کرتا ہوں، رجوع کرتا ہوں، اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔"

تو چونکہ کوہ طور پر تحفی ہوئی اور اس تحفی کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئے اور لئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: ہوسکتا ہے کہ اس بے ہوشی کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وقت بے ہوش ہونے سے محفوظ رکھا ہو۔

جزوی فضیلت:

تو میں عرض کر رہا تھا کہ بعض خصوصیات میں بعض انبیاء کرام علیہم السلام بعض پر جزئی فضیلت حاصل ہے، وہی فضیلت کلی، جو تمام کولالت کی جامع ہے، وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام بھی سب کے سب اللہ تعالیٰ کے محبوب و مقبول اور مقرب بندے ہیں۔ اس لئے یہ بھی احتمال ہے کہ سب سے پہلے لباس پہنایا جانا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خصوصیت ہو، ملائکہ قاری شرع مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ:

"وعندى والله اعلم ان الانبياء بل الاولياء

يقومون من لبورهم حفاة عرافا لكن يلبسون اكفانهم
بحيث لا يتكشف عورتهم على احد ولا على انفسهم
ثم يركبون النوق يحضرون المحشر فيكون هذا الا
لباس محمولا على الخليج الالهية والحلل الجنة على
الطائفة الاصطفائية واولية ابراهيم يحتمل ان يكون
حقيقة او اضافية مرفاة۔“ (حاشیہ مشکوٰۃ ص: ۴۸۳)

ترجمہ:۔۔۔ ”میرے نزدیک، واللہ اعلم، انبیاء کرام علیہم
السلام بلکہ اولیاء اللہ بھی اپنے کفوں میں اٹھائے جائیں گے،
جس سے ان کا ستر نہ کھلے، پھر سوار یوں میں سوار ہو کر میدان
محشر میں حاضر ہوں گے، وہاں بارگاہ الہی سے انہیں خلعتیں عطا
کی جائیں گی، اور سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا
خلعت کا عطا کیا جانا جو اس حدیث مذکور میں ہے، وہ حقیقی بھی
ہو سکتا ہے اور اضافی بھی۔“

میدان محشر میں لوگوں کی مختلف حالتیں:

خیر میں عرض یہ کر رہا تھا کہ لوگوں کا حشر مختلف صورتوں میں ہوگا، کچھ ایسے
حضرات ہوں گے جن کو لباس پہنایا جائے گا، اور پھر لباس بھی ہر ایک کی شان کے
مطابق ہوگا، اس کے بعد بارگاہ الہی میں لے جانے کے اعتبار سے بھی لوگوں کے
حالات مختلف ہوں گے، بعض خوش قسمت حضرات کو سوار کی عطا کی جائے گی، اور انہیں
میدان محشر میں سوار پر لے جایا جائے گا، اور بعضوں کو پیدل لے جایا جائے گا، پھر
بعضوں کو بھرا مانہ طور پر طوق پہنا کر لے جایا جائے گا، اور بعضوں کو سر کے بل چلا کر
لے جایا جائے گا۔ نعوذ باللہ!

”عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ وَجْهًا قَالَ: يَا نَبِيَّ
اللَّهُ! كَيْفَ يُحْضَرُ الْكَافِرُ عَلَى وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ:
أَلَيْسَ الَّذِي أَمْسَاهُ عَلَى الرَّجُلَيْنِ فِي الدُّنْيَا قَابِضٌ عَلَى أَنْ
يُمَشِّئَهُ عَلَى وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.“ (مفكرة ص: ۲۸۲)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت
ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ایک نے کہا: یا
رسول اللہ! کافر لوگ قیامت کے دن سر کے بل کیسے چلیں گے؟
فرمایا: جو ذات دنیا میں ہانگوں کے بل چلا سکتی ہے، وہ ذات
قیامت کے دن سر کے بل بھی چلا سکتی ہے، (اس کے لئے کوئی
مشکل نہیں ہے)۔“

قرآن کریم میں ہے:

”يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ. وَتَكُونُ
الْجِبَالُ كَالْعُفُوفِ الْمَنْثُوثِ.“ (القارعہ: ۵، ۴)

ترجمہ: ”جس دن کہ لوگ ہوجائیں گے پروانوں
کی طرح، (حیرت کے مارے لوگوں کا یہ حال ہوگا) اور پہاڑ
روٹی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔“

قیامت کے دن کی ہولناکی:

قیامت کے دن کی ہولناکی کے سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ
شَيْءٌ عَظِيمٌ. يَوْمَ تُزْزَنُهَا تُذْهِلُ كُلَّ مُرْطِغَةٍ عَمَّا أَرْحَسَتْ
وَنُطِغَ كُلُّ ذَاتٍ خَمَلٍ خَمَلًا وَتُرَى النَّاسُ سُكُورًا وَمَا

هُنَّ مُسْكِرَىٰ وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ (الحج: ۲۱)

ترجمہ: "اے لوگو! زور اپنے رب سے، قیامت کا زلزل بڑی چیز ہے، جس دن بھول جانے کی دودھ پلانے والی اپنے بچے کو اور حاملہ کا حمل بھڑ جانے گا، اور تم لوگوں کو دیکھو گے، مدہوشوں کی طرح پھرینے لگے، حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے، بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔"

اس دن کے بھول سے دودھ پلانے والی مائیں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی، حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے، اور لوگوں پر مدہوشی کا سما عالم طاری ہوگا، انسان خطا ہو جائیں گے اور ہوش و حواس رُج جائیں گے۔

یہ بارگاہِ خداوندی میں چیخ کی آیت جھٹکتے، یہ آدمی تو بارگاہِ انبی میں چیخیں مٹاتا ہے، اور اپنی پوری زندگی کا کچا پنھا پیش کرنا ہے، حالانکہ وہ ہی دینے والے ساتھ تھ ہوں گے، اور فرمایا جائے گا:

"إِنَّمَا كُنْتُمْ كَفْهِ بِنَفْسِكُمُ أَفْنُومٌ عَنِكَ"

(البقرہ: ۱۳)

خبریں۔

ترجمہ: "پُرحد لے کر اب اپنی، تو ہی بس ہے آج

کے دن اپنا صاحب لینے والا۔"

اس مشرک یا دیکھنا اور اس بارگاہِ الہی میں چیخیں کو یاد رکھنا، یہ بہت بڑی بات ہے، ہم میں سے اکثر لوگ اس کو فراموش کئے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں یاد کرنے والوں میں سے بنائے، آمین!

شیخ رحمہ اللہ نے چوتھی دعا یہ فرمائی ہے کہ

"اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں سے بنائیں جو سرف

مالحین کے نکالناات قدم پر چلتے ہیں۔"

منے راستے نہ ڈھونڈو:

لوگوں کو شوق ہوتا ہے منے راستے اختیار کرنے کا، یہ شوق یہ نہیں کہاں سے آیا کہ ایسا کام کریں، ایسا کام کریں کہ پہلے کسی نے نہ کیا ہو، لوگ کوشش کرتے ہیں کہ بچ کا ایسا نام رکھا جائے جو پہلے کسی نے نہ رکھا ہو، لیکن اس میں عافیت نہیں ہے۔

بھی یہ بات یاد رکھو! کسی کے آگے چلنے میں عافیت نہیں ہے، لوگ بھول جاتے، منے راستے تلاش کرتے ہیں، نئی نئی راہیں ڈھونڈتے ہیں، اور پھر بعض دفعہ ایسے گم ہو جاتے ہیں کہ وہیں بھٹک کر رہ جاتے ہیں، راستہ ہی نہیں ملتا، آگے راستہ گم ہو گیا، اب کدھر جائیں؟

اسلاف کی راہ ہی صراطِ مستقیم ہے:

بھی پانچال راستہ اختیار کرو، جس پر سب اکابر چلتے گئے ہیں، اور جس پر سب کے نشان قدم موجود ہیں، یہی صراطِ مستقیم ہے جس کی سورہ فاتحہ میں دعا کرتے ہیں کہ: یا اللہ! ہمیں چلا صراطِ مستقیم پر، صراطِ مستقیم کیا ہے؟ جس پر انبیاء کرام علیہم السلام چلتے رہے ہیں، جس پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم چلے ہیں، جس پر امت کے صدیقین چلے ہیں، ائمہ اچلے ہیں، اولیاء اللہ اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے چلے ہیں، تو ہمیں اس راستے پر چلتے ہوئے کیوں عار آتی ہے؟

اپنے طور طریق اور اپنا طرز عمل ان اکابر کے مطابق بناؤ، بعید نہیں کہ ان کے پیچھے چلتے چلتے تم بھی پہنچ جاؤ، آدمی صحیح راستے پر ہو اور کسی کا دامن پکڑا ہوا ہو اور کسی کے پیچھے چل رہا ہو تو کسی نے کسی دن انشاء اللہ اللہ تعالیٰ تمہیں پہنچ جائے گا، اور اگر پانچال راستے کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ لے لے گا تو اندیشہ ہے کہ کہیں بھٹک نہ جائے، ہڈک نہ ہو جائے، پس سلف صالحین کے آثار کی پیروی کرو، جس راستے پر وہ چلے ہیں

اس راستہ پر چلو، جو عمل انہوں نے اختیار کیا ہے اس کو اختیار کرو، جو طرز زندگی انہوں نے اختیار کیا ہے اس طرز زندگی کو محبوب سمجھو، یہ اللہ کو محبوب بھی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور بہ بھی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم بھی ہے۔

دین کا خلاصہ:

مگر مجھ سے پوچھو تو میں نے ساری زندگی میں دین کا خلاصہ دو ہی چیزیں پائی ہیں، ساری زندگی کا خلاصہ دو حرف ہیں۔

ایک یہ کہ دین و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقبول بندوں کا ساتھ نصیب ہو جائے۔

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہو جائے، بس بات ختم۔ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا ساتھ اسی شخص کو نصیب ہوگا جس کو ان کے عمل میں، ان کے طریق کار میں، ان کے راستے میں ان کا ساتھ نصیب ہو گیا، اور جو شخص یہاں ان کے راستے سے ہٹ کر چلے گا اس کو وہاں ان کا ساتھ کیسے نصیب ہوگا؟ ساتھ تو ساتھ والوں کو نصیب ہوتا ہے۔

دولت کبریٰ:

مقبول بن الہی کا ساتھ نصیب ہو جانا وہ دولت کبریٰ ہے جس سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں، یہ بہت بڑی دولت ہے، دولت کینا ساری دولتوں کا خلاصہ ہے، دولتوں کی کنجی ہے، خزانوں کی کنجی ہے، یہ دو چیزیں اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی کنجیاں ہیں، ایک یہ کہ اللہ کی رضا نصیب ہو جائے اور دوسری یہ کہ اللہ کے مقبول بندوں کا ساتھ نصیب ہو جائے، سارے پاؤں ان ہی دونوں کے لئے بیلے ہیں، اور یہ وہ دولت کبریٰ ہے جس کی انبیاء کرام علیہم السلام بھی دعا کرتے ہیں۔

حضرت یوسفؑ کی دعا:

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا قرآن کریم میں مذکور ہے:
 "فَاَطْرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيّ الدُّنْيَا
 وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ"

(یوسف: ۱۰)

ترجمہ: "اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے
 والے، آپ ہی میرے رب ہیں دنیا و آخرت میں، مجھے وفات
 دے مسلمان ہونے کی حالت میں، اور ملا دے مجھے نیک لوگوں
 کے ساتھ۔"

حضرت سلیمانؑ کی دعا:

حضرت سلیمان علیہ السلام تخت سلیمانی پر بیٹھے سر فقیر بن کر اور محتاج بن کر
 دعا کر رہے ہیں، دیکھو دنیا کے اس بڑے بادشاہ کو، یہ بھی کسی کے دروازے کا فقیر
 ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت تو مشہور ہے، تخت سلیمانی پر بیٹھ کر کسی کے
 دروازے کے فقیر بن رہے ہیں اور دعا کر رہے ہیں:

"إِذَا بَرَأْنِي مِنَ الْمَمْدُودِ أَنْ اشْكُرَ بِعَمَلِكَ رَبِّي تَفْعَلُ
 عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَذِلَّةً لِي
 بِرَحْمَتِكَ هِيَ غَايَتُ الْفَضْلِ بَعْدَ الْإِحْسَانِ"

ترجمہ: "اے پروردگار مجھ کو توفیق دے کہ میں شکر
 کروں اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر کی ہے، اور میرے ماں باپ
 پر کی ہے اور میں نیک عمل کروں، جس سے تیری رضا حاصل
 ہو جائے اور ذلیل کر دے مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں
 میں۔"

اس سعادت کی قدر چاہئے :

ہر لوگ بڑے ہی خوش قسمت ہیں، بڑے ہی سعادتمند لوگ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا در آپ کے سچے قہقین کا ساتھ ہمیں اللہ تعالیٰ نے نصیب فرما دیا ہے، ہم بڑے خوش قسمت ہیں، ہمیں اللہ تعالیٰ نے محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نصیب فرما دیا، لیکن بڑے بڑے قدرے ہیں، ہمیں اس کی قدر نہیں، اسے کاش! ہمیں قدر ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنی بڑی نعمت عطا فرمائی ہے۔

دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی خدمت میں کھڑے ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں، دنیا کی نجاستوں سے اللہ تعالیٰ ہمارے دامن کو پاک رکھیں، اور اللہ تعالیٰ ہمیں ہر گاہ غانی میں حاضری کو یہ دیکھنے والوں میں سے بنائے، اور اپنے نیک بندوں اور مقبول بندوں کا راستہ ہمیں نصیب فرمائیں۔ ان کی معیت نصیب فرمائیں، ان کے نشان قدم پر چلنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائیں، یا اللہ! ہم آپ کے سرور بندے ہیں، نالائق ہیں، نادان ہیں، یا اللہ اپنی رحمت سے ہماری دھگی کی فرما، جو آپ نے اپنے مقبول اور محبوب بندوں کو نصیب فرمائی۔

وَأَعِزَّنَا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ

امتی ہونے کا حق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 (لاَ اَعْلَمُ لَمْ يَسْلَمْ) صَیْحُ حَبَّاءُ (الَّذِیْ) (مُحَمَّدِیْ)
 آج سے چند سال قبل (۱۴۱۹ھ برطانیہ ۱۹۹۹ء)
 جامعہ فاروقیہ شجاع آباد ملتان میں ”مکین گنبد خضرؑ“ کانفرنس
 منعقد کی گئی، جس کے مہمان خصوصی حضرت شبیز شہسوارؒ، اس موقع
 پر آپؒ نے جو چشم کشایاں فرمایا، بیش خدمت ہے۔۔۔ (ادارہ)
 مولانا رشید احمدؒ کو خراج عقیدت:

سب سے پہلے حضرت مولانا رشید احمد مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوں،
 اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمائے، آمین! اور اللہ تعالیٰ ان کے لکائے ہوئے ہا شیخ کو اور
 زیادہ بار آور کرے۔

اساتذہ کو مبارکباد:

دوسرے نمبر پر جناب مولانا زبیر احمد صاحب اور مدرسہ کے دوسرے
 حضرات مدرسین کی خدمت میں ہدیہ مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے اس مدرسہ کو

نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ترقی عطا کی، اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور اپنے اکابر کے ساتھ ہمیشہ ان کو منسلک فرمائے رکھے۔

چند نصیحتیں:

آپ حضرات یہاں بیانات سننے کے لئے تشریف لائے ہیں، بہت سے علما، حقانی و علما ربانی آپ کو اپنے بیانات سے مستفید فرما رہے ہیں، چند گزارشات آپ کی خدمت میں بھی عرض کرتا ہوں۔

نعرہ بازی میرا مزاج نہیں:

پہلی بات تو یہ کہ یہ نعرے بازی اور ہاؤ ہو، میرے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی، اس لئے نہ میں نعرہ لگواؤں گا اور نہ آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ نعرے لگائیں، البتہ یہ گزارش کروں گا کہ توجہ کے ساتھ میری بات کو سنیں۔

مسلمانوں پر اللہ کا احسان:

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل فرمایا، میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اگر اللہ نے ہم پر یہ احسان نہ فرمایا ہوتا اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعینات سے منور نہ کیا ہوتا، تو خدا جانے ہم کہاں ہوتے؟ (نعرۃ پاؤں!) میں نے انگلینڈ میں بھی دیکھا ہے اور دوسرے ممالک میں بھی دیکھا ہے کہ عورتوں کا برا حال ہے، مردوں کا برا حال ہے، نہ ان بے چاروں کو کھانے کی تمیز اور نہ پینے اور رہنے کی تمیز، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسان نہیں بلکہ حیوانات ہیں۔

اللہ کا کرم:

میں اکثر سوچتا ہوں کہ میرے اللہ نے ہم پر کرم نہ فرمایا ہوتا تو ہمارا کبھی ویسی

حالت ہوتا، حضور ارمہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی سو پہ کراؤں کو یہ کلمات تلقین کیا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَوْ لَا اَنْتَ مَا اَخْلَدْنَا
وَلَا قَضَلْنَا وَلَا ضَلَلْنَا

(بخاری ج: ۱ ص: ۳۹۸)

ترجمہ: "اے اللہ آپ بگرنے بھرتے تو ہم نہ

ہدایت پاتے، نہ ہم صدقہ اور کرتے اور نہ ہم نرا پڑھتے۔"

غرضیکہ ہم پر اللہ کا احسان ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرما دیا۔ الحمد للہ! ثم الحمد للہ!

کیا ہم نے امتی ہونے کا حق ادا کیا؟

دوسری بات یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بھائی! الحمد للہ! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی تو ہیں، لیکن ایک بات ہمارے لئے سوچنے کی ہے کہ یہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کا کوئی حق بھی ادا کرتے ہیں یا نہیں؟

رفاقت بیوی کی شرائط:

ایک حدیث شریف میں ہے:

"(اَخَذَنِي رِبِيْعَةُ بِنْتُ كَعْبٍ الْاَسَدِيَّةِ) قَالَ كُنْتُ
اَبْنَيْ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَيْتُهُ بِوَضُوْءِهِ
وَخَاصِيَّتِهِ، فَقَالَ لِيْ: سَلْ! فَقُلْتُ: اَسْأَلُكَ مَوْافَقَتَكَ لِيِ
النَّجْبَةِ، قَالَ: اَوْ غَيْرَ ذَٰلِكَ؟ قُلْتُ: هُوَ ذَٰلِكَ، قَالَ:
فَاعِنِّيْ عَلٰى تَقَبُّلِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ"

(صحیح مسلم ج: ۱ ص: ۱۵۳)

ترجمہ:..... ”حضرت ربیعہ بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزاری، میں (رات کو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وضو کا پانی اور آپؐ کی (دوسری) ضروریات کی چیزیں لے آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: مانگ کیا مانگتا ہے! میں نے کہا کہ: میں جنت میں آپؐ کی رفاقت چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اس کے علاوہ (کیا مانگتا) ہے؟ میں نے کہا: بس یہی (چاہتا ہوں کہ جنت میں آپؐ کی رفاقت مل جائے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میری مدد کرو کثرتِ عبادت کے ساتھ۔“

مطلب یہ کہ صحابی سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ مبارک جہاں لگا ہوا تھا، انہوں نے طے کر لیا کہ آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بجا لاؤں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے دروازہ پر سر رکھ کر سو گئے، انہوں نے سوچا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب باہر نکلیں گے یا اندر کھٹ کھٹ کی آواز آئے گی تو مجھے فوراً جاگ آجائے گی، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو خیمہ کے وقت اپنے معمول کے مطابق جب اٹھے تو اس صحابی کو فوراً جاگ آگئی، رات کو آپؐ کی جو ضروریات تھیں یعنی پانی وغیرہ انہوں نے وہ تمام ضروریات مہیا کیں، پانی کا لوٹا لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کروایا، تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے! وہ کہنے لگے کہ میں اور کچھ نہیں مانگتا ہوں، صرف ایک چیز مانگتا ہوں وہ یہ کہ جنت میں آپؐ کی رفاقت نصیب ہو جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کے علاوہ کچھ اور مانگو، اس صحابی نے کہا یا رسول اللہ! بس یہی ایک چیز مانگتی ہے، یہ مل جائے تو ٹھیک ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ: دیکھو وعدہ ہو گیا لیکن تم میری بددکرنا کثرتِ سجود کے ساتھ۔

تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نصیب ہو، لیکن من مانی اپنی کرتے ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ بھائی! اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت چاہتے ہو تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چال و حال، آپ کی شکل و شباہت، آپ کی رفتار و رفتار، طور طریقے اختیار کرو۔

اسلامی وضع قطع:

میں اپنے تمام بھائیوں سے گزارش کروں گا کہ میری بات کو نوٹ کر لیں اور آئندہ میرے ساتھ وعدہ کریں کہ ہم اپنی چال و حال، شکل و شباہت، رفتار و گفتار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی بنائیں گے، مگر بازارِ حال تو یہ ہے کہ ہم نے بال بھی لئے بنائے ہیں، سر بھی نٹھے ہیں، قیصوں کو کال رنگائے ہوئے ہیں، غرضیکہ ہم نے اپنا ضمیر انگریزوں جیسا بنایا ہے اور کہلاتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احمی!...

اہلِ جنت میں مسلمانوں کی تعداد:

اس پر ایک بات مجھے یاد آگئی کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا کہ:

”اترَضُونَ اَنْ تَكُونُوا رَافِعِ اَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قَالُوا:

نَعَمْ! قَالَ: اَتَرَضُونَ اَنْ تَكُونُوا ثَلَاثِ اَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قَالُوا:

نَعَمْ! قَالَ: اَتَرَضُونَ اَنْ تَكُونُوا شَطْرَ اَهْلِ الْجَنَّةِ؟

... الخ“ (ترمذی ج ۲ ص ۷۷)

ترجمہ: ”کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ اہلِ جنت

میں تم چوتھوں ہو (یعنی کل دنیا تین حصہ ہو اور ایک حصہ تمہارا)؟

صحابہ کرام نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے پھر فرمایا کہ کیا تم

چاہتے ہو کہ ایک تہائی تم ہو اور دو تہائی تمام اہل بیتیں ہوں؟ صحابہؓ نے عرض کیا: جی ہاں! آپؐ نے فرمایا: کیا تم اس پر راضی ہو کہ آدھے جنت میں تم ہو اور آدھی دوسری تمام اہل بیتیں ہوں؟..... الخ۔“

امت پر آپؐ کی شفقت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی قسم کھا کر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے:

”وَأَسْوَفُ يُغْفِرُكَ ذُنُوبَكَ فَقَضَىٰ“ (الضحیٰ: ۵)

ترجمہ:..... ”مغفرت دے گا آپؐ کو آپؐ کا رب اتنا کہ آپؐ راضی ہو جائیں گے۔“

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا ہے کہ آپؐ کو راضی نہ کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم: جب تک میرا ایک اہل بیت بھی دوزخ میں ہے اس وقت تک میں راضی نہ ہوں گا۔

امت کی ناراضگی:

ایسا شکیں نبیؐ، ایسا محبوب نبیؐ، ایسا پیارا نبیؐ کہ تم اس کی شکل بھی نہ اچانک، تر اس کا طور طریقہ بھی نہ اچانک، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں جو لائق دی ہے، تم اس کو چھوڑ کر دوسری لائن اختیار کرو اور وہ تمہاری مغفرت اور نجات کے لئے بے چین ہو، الغرض تم اپنی شکلوں کو بدلو، اپنی عقائد کو بدلو، اپنے رسم و رواج کو بدلو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلو، صحابہ کرامؓ نے یہی سیکھا تھا کہ جدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے، وہر صحابہ کرامؓ بھی چلتے تھے، جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے، وہی صحابہ کرامؓ کرتے تھے۔

نبوت کے رنگ میں صحابہ کرامؓ کا رنگ جانا:

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں باہر سے کوئی آدمی آجے گا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف فرما ہوتے تھے، صحابہ کرامؓ کا مجمع نہ ہوتا تھا، تو باہر سے آنے والا آدمی پہچان نہیں سکتا تھا کہ سن میں نبی کون سے ہیں؟ بس لئے باہر کا آدمی آکر پوچھتا تھا کہ: ”مَا مَعَكُمْ يَوْمَ الْيَوْمِ؟“ تم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ہم شاد و سرور کے کہتے ”هَذَا الْيَوْمَ“ یہ مورے دن ہے جو بیٹھے ہیں، یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے والے صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں اتنے رنگین ہو گئے تھے کہ کوئی دوسرا باہر کا بندہ پہچان نہ سکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کون ہیں؟

صحابہؓ کی نقل اتارو:

میرے بھائیو! اگر ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی کبانا چاہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی شمار ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی چاہئے کہ ہم صحابہ کرامؓ کی نقل اتاریں، ہماری نمازیں بھی غراب ہیں، میں تو بعض دفعہ دوستوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ ماشاء اللہ نماز تو پڑھتے ہوں گے، تو کہتے تھتے ہیں: کہ ابھی! ابھی ابھی پڑھ بیٹے ہیں۔ (بہت اچھی بات ہے) ابھی ابھی پڑھ بیٹے ہیں، میرا بھائی! تم سے اگر کوئی پوچھے کہ وہی نکلتے ہو؟ تو تم اس جواب دو کہ ابھی ابھی کہہ لیتا ہوں، لیا یہ مقول جواب ہوگا! بلکہ لیا کہتے ہو کہ نہیں نہیں، روئی دو وقت نہیں بلکہ تین وقت کھاتے ہیں لیکن انہوں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے کے لئے ہم سے پوچھا جائے تو ہم کہتے ہیں کہ جی! ابھی ابھی کر لیتے ہیں۔ یہ طرز فکر چھوڑو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہی صحیح بناؤ۔

قبر کے احوال کو پیش نظر رکھو:

تیسری بات یہ ہے کہ ہم سب کے سب ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں، میں بھی اپنی والدہ کے پیٹ سے پیدا ہوا ہوں اور جب میں پیدا ہوا تو میرا نام محمد یوسف رکھ دیا گیا، اسی طرح آپ حضرات بھی سارے کے سارے اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں، کسی آدمی کو اس کے حالات جو ماں کے پیٹ میں ہوئے ہیں وہ محفوظ نہیں ہیں، میرے اوپر جو حالات گزرے ہیں مجھے یاد نہیں، ہو سکتا ہے کہ آپ کو یاد ہوں گے لیکن جب پیدا ہو گئے تو ہم رو رہے تھے اور ماں باپ خوش کر رہے تھے۔ سبحان اللہ! اور لوگ مبارک باد کہہ رہے تھے، بچپنا تھا، بچپن سے پھر جوان ہوئے، جوانی سے بڑھے ہو گئے اور پھر جوان اولاد اپنے ماں باپ کو کہنے لگی کہ یہ بات نہیں سمجھتے ہیں، اکبر الہ آبادی کہتے ہیں کہ:

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں

کہ جن کو پڑھ کر بچے باپ کو خطلی سمجھتے ہیں

بچوں نے پڑھ لیا اور پڑھنے کے بعد باپ کو خطلی سمجھنے لگے، خیر باپ تو چلے

گئے اور اب آپ بھی جاننے والے ہو۔

میرے والد ماجد کا انتقال شوال ۱۳۹۵ھ میں ہوا، یعنی چودہویں صدی کے

پانچ سال باقی تھے، میرے والد کو گویا فوت ہوئے کچیس سال ہو گئے ہیں۔ میں اس

وقت جوان تھا، اب خود بوڑھا ہو گیا ہوں، میں جو بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ماں

کے پیٹ میں جو ہم پر غلری وہ ہم کو یاد نہیں، مگر جب دوسری ماں کے پیٹ "قبر" میں

ہم جائیں گے وہ ہم کو ضرور معلوم ہوگا۔

قبر میں ہوش ہوگا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا

کہ: یا رسول اللہ! یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ قبر میں عذاب و ثواب ہوگا، جزا و سزا ہوگی، اس میں ہمیں کچھ ہوش بھی ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ: اتنا ہوش سب کو ہوگا جتنا اب تم کو ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: پھر ہم غصہ لیں گے۔

قبر کی تیاری:

میرے بھائیو! قبروں میں سب جا رہے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے مولانا رشید احمد صاحب تک، اور آپ بھی سب تیار بیٹھے ہیں، کبھی کسی کو بھول کر بھی خیال آیا کہ ہمیں بھی جانا ہے؟ اور ہم نے اس کے لئے کوئی تیاری بھی کی ہے؟ یہاں پلاٹ لینے کے لئے، دوسری چیزیں حاصل کرنے کے لئے ہم ہر طرح کی تیاریاں کرتے ہیں، لیکن قبر میں جانے کے لئے اور وہاں رہنے کے لئے بھی کوئی تیاری کی ہے؟

قبر کا خطاب:

حدیث شریف میں ہے کہ:

”فَإِنَّهُ لَمْ يَأْتِ عَلَى الْقَبْرِ يَوْمَئِذٍ إِلَّا تَكَلَّمَ فَيَقُولُ:

أَنَا بَيْتُ الْقَرْبَةِ وَأَنَا بَيْتُ الْوَحْدَةِ وَأَنَا بَيْتُ التَّوَابِ وَأَنَا

بَيْتُ التَّوَدِّدِ الخ.“ (مکتوبہ ص: ۴۵۷)

ترجمہ: ”کوئی دن ایسا نہیں آتا کہ قبر پکار کر ہر

آدمی کو کہتی ہے کہ میں مسافر کی گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر

ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، میں کیزوں کا گھر ہوں۔“

قبر کی فکر کرو!

کبھی کسی کو دفن ہوتے ہوئے دیکھو، دفن کرنے والے دفن کرنے کے بعد مٹی ڈال دیتے ہیں، مٹی کے بعد اگر اللہ کی طرف سے کوئی انتظام نہ ہو تو میرے

بھئی اکی صورت بنے گی؟ اس لئے قبر کی بہت فکر کرو، ہمیں بھی جانا ہے اور ہمارے بچے ہمارے پیچھے آئیں گے، یہاں موت، پھسو، ٹھیک ہے، کھانا پینا، لباس وغیرہ یہ آدمی کی ضرورت ہے، لیکن یہ نہیں کہ کپڑے جوڑے سی سی کر جمع کرتے رہو، نہیں! اپنی آخرت کی بھی فکر کرو، کیونکہ ہم ایک ماں کے پیٹ سے نکلے ہیں اور دوسری ماں کے پیٹ میں جانے کے لئے تیار ہیں، کچھ اس کا انتظام بھی کرلو۔

میدانِ حشر کا منظر:

چوتھی بات، قبر میں جو حالات گزرتے ہیں ان میں سے اتنی مختصر سی بات زمین میں رکھو کہ جب قبروں سے آدمی اٹھیں گے اس وقت چپاس ہزار سال کا ایک دن ہوگا۔

”عَنْ عَابِسَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قُتِلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! الزَّجَّالُ وَالنِّسَاءُ جَمِيعًا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ نَظْرَ بَعْضٍ“ فقال: يَا عَابِسَةُ! الْآخِرُ أَشَدُّ مِنْ أَنْ يَنْظُرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ. (مکتوبہ ص ۸۳)

ترجمہ: ”وہ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ! قیامت کے دن سب لوگ اٹھے اٹھائے جائیں گے، مرد و عورت سب یکساں ہوں گے تو ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ۱۔ کثرتِ محالہ اس سے زیادہ نقصان ہوگا (ایسا نہیں ہوگا، بلکہ ہر ایک کی آنکھیں آسمان پر تھیں ہوئی ہوں گی) ۲۔ کس کو سزا دیکھنے کا اس وقت ہوش ہوگا؟“

”وَقَدْ رَوَيْنَا: وَأَوَّلُ مَنْ يُكْسَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(مکتبہ ص ۵۸۳)

”انوارہیثم“

ترجمہ: ”آپ اور روایت میں ہے کہ: سب سے

پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جوڑا پہنایا جائے گا۔“

اور فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو نکاح کے آگے میں ڈالا گیا تھا، اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ منکحہ اپنی بات نہیں کرتا ہے، دوسروں کی کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا، صحابہ کرام کو؛ جب لباس پہنایا جائے گا، اپنے اپنے درجوں کے مطابق لباس پہنایا جائے گا، لیکن میرے بھائی! یہاں پر سب سے پہلے اس کے لئے بھی کچھ بھیج دو! وہاں کا لباس بھی کبھی بھیجا؟

میدانِ عرفات میں امت کے لئے دعا میں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے، زوال کے بعد سارہ دن اذنی پر کھڑے رہے، کھینا مانتے رہے، اپنی امت کے لئے دعائیں مانگتے رہے اور جب شام ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ میں نے اللہ سے کہا کہ یا اللہ! آپ میری امت کی بخشش کرو دیجئے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنے حقوق تو معاف کروں مگر لوگوں کے حق کیسے معاف کروں؟ میں نے بہت کہا کہ یا اللہ! آپ بنا حق بھی معاف کر دیں اور دوسروں کے حق بھی معاف کر دیں، فرمایا کہ ایسا نہ ہوگا:

مزدلفہ میں دعائیں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے مزدلفہ چلے گئے، مزدلفہ پہنچے، صبح صادق ہوئی، اذان ہوئی، آپ نے نماز پڑھائی اور پھروقوف مزدلفہ شروع کر دیا، اللہ سے مانگ رہے تھے صحابہ کرام کے، وہ مانتے مانتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے، حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ: میرے دل: آپ پر قربان ہو جائیں، یا رسول اللہ! یہ کوئی جہنم کا موقع نہیں تھا، آپ کیسے مسکرائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے

کل جو دعا کی تھی وہی دعا یہاں کی کہ یا اللہ! میری امت کی بخشش فرما دیجئے، اللہ پاک نے فرمایا کہ: میں اپنے حقوق چھوڑتا ہوں مگر بندوں کے حق کیسے چھوڑ دوں؟ میں نے کہا کہ یا اللہ! آپ ایسا بھی تو کر سکتے ہیں کہ بندوں کو اپنے پاس سے حقوق دے دیں اور مستحقوں کو معاف کر دیں، فرماتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا کہ: چلو قبول ہوا۔ اور میں نے جب یہ بات اللہ پاک سے کی تو قبول فرمائی، اور شیطان کو پتہ چلا تو وہ مٹی لے کر اپنے سر پر ڈالنے لگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی بخشش ہوگئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے احسانات ہیں ہم پر، لیکن ناز نہیں کرنا چاہئے کہ معلوم نہیں کہ ہم پر کیا کیا گزرنے والی ہے، اپنی عاقبت کی فکر کرو!

تین جگہوں میں سے کسی ایک پر ملاقات!

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

”عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُشَفِّعَ لِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ. فَقَالَ: أَنَا خَائِعٌ. قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ فَإِنَّ أَطْلَبِي؟ قَالَ: أَطْلَبِي أَوَّلَ مَا تَطْلُبِي عَلَى الصِّرَاطِ. قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ أَلْقُكَ عَلَى الصِّرَاطِ؟ قَالَ: فَأَطْلَبِي عِنْدَ الْمِيزَانِ. قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ أَلْقُكَ عِنْدَ الْمِيزَانِ؟ قَالَ: فَأَطْلَبِي عِنْدَ الْخَوْصِ فَإِنِّي لَا أَضِلُّ فِي هَذِهِ الثَّلَاثِ الْمَوَاطِنِ.“ (ترمذی ج ۲ ص ۶۱)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ: آپ قیامت کے دن میری شفاعت فرمائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں ضرور آپ کی شفاعت کروں گا۔ میں

نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: پہلے مل صراط پر دیکھنا۔ میں نے
 کہا: اگر میری وہاں آپ سے ملاقات نہ ہو تو؟ فرمایا: میزاں پر
 دیکھنا۔ میں نے کہا: اگر میزاں پر ملاقات نہ ہو تو؟ فرمایا: حوض
 کوثر پر دیکھنا، میں ضرور ان میں جگہوں (میں سے کسی ایک جگہ)
 پر ہوں گا۔

یعنی ہر جگہ دیکھنا، خضر صلی اللہ علیہ وسلم امت کے فہم میں ہر جگہ ہوں گے،
 مگر یہ امت وہ کرنے والی نہیں ہے۔ قیامت کا دن ہوگا، بعض لوگوں کے نامہ اعمال
 دائیں ہاتھ میں ہوں گے اور بعض کے بائیں ہاتھ میں، جس نے سمجھ رکھا ہے کہ یہ کھیل
 ہے، میرے بھائیو! اب پیدا ہو گئے ہو تو اب یہ سارا سلسلہ ماسنے آنے والا ہے، اس
 کے لئے تیار رہی کرو۔

بس میں تھک گیا ہوں، اس پر اتفا کرتا ہوں۔
 زُرْخَرُودِ حُورِ زَانَا (زُخْرُودِ لُطْفِ دِلِ رُتَبِ نِصْبِ)

اصولِ زندگی

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم الله الرحمن الرحيم

"عن أبي الدرداء رضي الله عنه كان يقول:
 وين بكلي جناء فاعبر فاد كانه مجنون، يري ما عند
 الس، ولا يري ما عند، ونو يستطيع نوصلي لليل
 ماشي، ويثله من حساب عبيط وعذاب شديد."

(صحيح الترمذي ١٢٤)

"عن أبي الدرداء رضي الله عنه كان يقول:
 يا معشر اهل دمشق: ألا تستحيون؟ تجمعفون ما لا
 تأكلون، وتمتفون ما لا تشكفون، وتأملون ما لا تبغفون،
 قد كان القرون من فكمكم يجمعفون فيوعفون ويأملون
 فيطيلون، ويبنون فيزبنون فاصبح جمعفهم نورا، وأملهم
 غمورا، ويبنون فيبنون، هذه عاد قد فلات ما بين عدن
 ابي عثمان أموالا وأولاداً فسر يشعري مني نوكذا ال عاد
 بذر هبل"

(صحيح الترمذي ١٢٤)

ترجمہ:۔۔۔۔۔ ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہلاکت ہے ہر مال جمع کرنے والے کے لئے جو اپنا منہ کھولے رکھتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ وہ پاگل ہے، وہ ان چیزوں کو دیکھتا ہے جو لوگوں کے پاس ہیں اور اس کو نہیں دیکھتا جو اس کے پاس ہیں، اُس میں اس کے بس میں ہو تو وہ رات کو دن کے ساتھ ملائے، اس کے لئے ہلاکت ہے سخت حساب سے اور شدید عذاب سے۔“

ترجمہ:۔۔۔۔۔ ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اے اہل دمشق! تم شرم نہیں کرتے، تم جمع کرتے ہو وہ چیز جس کو کھاتے نہیں اور وہ عمارتیں بناتے ہو جن میں رہتے نہیں اور وہ امیدیں لگائے بیٹھے ہو جن کو تم پہنچ نہیں سکتے، تم سے پہلے بہت سی آتشیں ہوئی ہیں، انہوں نے مال جمع کیا تو خوب جمع کیا، وہ امیدیں رکھتے تھے تو بڑی لمبی امیدیں اور عمارتیں بناتے تھے، بڑی مضبوط عمارتیں، پس ان کی جمعیت نے نقصان میں صبح کی، ان کی آرزو کمر وھوکہ ٹکلیں اور ان کے مکانات ان کی قبریں بن گئیں، یہ قوم عود ہے، جس نے عدن سے عمان تک سارے خطے کو مال اور اولاد سے بھر دیا تھا، آج کوئی ہے جو تل عابد کا ترکہ مجھ سے دو درہموں کے بدلے خرید سکے؟“

قابل خدمت حالت:

پہلے ارشاد میں اس شخص کی قابل خدمت حالت بیان فرمائی ہے جو مال جمع

کرتا چمکے ملین اس کا چیت نہ بھرت، یہ آدمی گویا ایسا ہے کہ اس نے سب کچھ بڑبڑ کرنے کے لئے من کھولا ہوا ہے اور مال کی تلاش اور دولت کے بیع کرنے میں گویا دیوانہ اور پاگل ہو رہا ہے، اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کو دوسروں کے پاس کی چیزیں نظر آتی ہیں مگر اپنے پاس کی چیزیں نظر نہیں آتیں، جب بھی کسی کے پاس کوئی چیز دیکھتا ہے تو فوراً اس کے دل میں توپ اٹھتی ہے کہ یہ چیز مجھے ملنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اور بھی بہت سی نعمتیں دے رکھی ہیں ان میں اس کو مزد نہیں آتا، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اس کے لئے ہلاکت ہوگی، اس کا حساب و کتاب بڑا سخت ہوگا اور بڑا شدید عذاب ہوگا۔

ضرورت سے زیادہ تعمیر:

دوسری روایت میں ہے کہ جب دمشق شہر آباد ہوا، لوگوں نے وہاں درخت لگائے، بڑی اچھی اچھی عمارتیں بنائیں تو حضرت ابو لہرہ رضی اللہ عنہ ان کی مسجد میں گھڑے ہوئے، فرماتے تھے: اے ابن دمشق! غفلت کر رہا ہے، تم کو دیا نہیں آتی کہ تم لوگ اوجھل کرتے ہو جو کھاتے نہیں یعنی اپنی قوم سے بچا ہوا ہے اور جمع کر کے رکھا ہو ہے، اور تم وہ عمارتیں بناتے ہو جس میں تم رہتے نہیں، وہ عمارتیں تمہاری رہائش کی ضرورت کی نہیں، مکان رہائش کی ضرورت کے لئے بنانا ہے مگر تم مکان پر مکان بنائے جاتے ہو تو تمہاری ضرورت نہ پاتا ہو اور تم بھی امیدوں میں جتا ہو جن تک ابھی نہیں پہنچ سکتے۔

پہلی قوموں کا انجام:

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلے کچھ امتیں، کوئی چیز انہوں نے نہ بنوایا اور خوب جمع کیا، بل جمع کر کے ڈھیر لگایا اور انہوں نے بھی امیدیں پائی تھیں بڑی لمبی لمبی امیدیں، اور وہ عمارتیں بناتے تھے بڑی پختہ بڑی پکی عمارتیں لیکن

ان کا نتیجہ کیا ہوا کہ ان کا تمام کا تمام سامان تباہ ہو گیا۔ ان کی تمام آرزوئیں خاک میں مل گئیں اور ان کے وہی مکانات ان کی قبریں بن گئے۔

قوم عاد کا انجام:

دور کیوں جاتے ہو؟ یہ قوم عاد تم سے پہلے ہوئی ہے، عدن سے عمان تک ان کی آبادی تھی اور اس خطے کو انہوں نے مال و اولاد سے بھر دیا تھا، قرآن کریم میں ہے:

”الَّذِينَ كَفَرُوا فَعَلْنَا لَهُمْ ذُنُوبَهُمْ بِغَدَاةٍ. اِذْ ذَابَتْ
الْبُحَارُ الَّتِي لَمْ يُخَلِّقْ فِيهَا رَبٌّ لِّبَلَادٍ. وَقَمُوءَ الْعُيُونِ
بِجَانِبِ الْصُّغُرِ بِالْغَدَاةِ.“ (النجر: ۹۳)

ترجمہ:..... ”تو نے دیکھا نہیں تیرے رب نے کیا کیا
تھا قوم عاد کے ساتھ، یہ قوم عاد رم کھاتی تھی بڑے بڑے لہجے
ستونوں والے (آدی کا قد اونچا ہو تو دروازہ بھی اونچا رکھتا ہے،
اور چھتری نیچی رکھتا ہے، ان کے قد بہت لمبے تھے، قد آور قوم
تھی اس لئے قرآن کریم نے ان کو ذات العباد فرمایا) یہ قوم تھی
کہ اس جیسی قوم دنیا میں پیدا ہی نہیں کی گئی (اتنی طاقتور قوم تھی)
اور تم نے قوم ثمود کو نہیں دیکھا جنہوں نے وادی قرنی میں
چٹانوں کو تراش تراش کر مکان بنائے، پہاڑوں کو کھود کھود کر
مکان بنادئے تھے۔“

دوسری جگہ قرآن کریم میں اس قوم کا ذکر ہے:

”اِلٰى عَادِ اَنحَاھُمْ هُوَذَا قَالِ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ.“ (ہود: ۵۱)

ترجمہ: ”اور ہم نے قوم عاد کے پاس بھیجا ان کے بھائی ہود کو، انہوں نے دعوت دی کہ اے قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔“
ایک اور جگہ ارشاد ہے:

”اتَّكُونُ بِكُلِّ رِبْعٍ آيَةً تُصَفُّونَ- وَتُصَفُّونَ
مُضَاعَفٌ لِّلْعَالَمِينَ تَخْلُقُونُ“ (اشعرا: ۱۸۸، ۱۸۹)

ترجمہ: ”کیا تم ہر اونچے مقام پر ایک یادگار بناتے ہو، جس کو محض فضول بناتے ہو اور بڑے بڑے کل بناتے ہو جیسے دنیا میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے۔“

کیا ہمیں ہمیشہ رہنا ہے؟

تم ایسی ٹیکنریاں اور ایسے کارخانے، ایسی عمارتیں اور مضبوط عمارتیں بناتے ہو گویا کہ تم رہتی دنیا تک رہو گے، یہ اس قوم کی بنیاد تھا جی اور یہی حال دوسری قوموں کا ہوا، بنیاد یہ تھی کہ ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ ہمیں یہیں رہنا ہے، آخرت میں کچھ نہیں ہے، یہی زندگی بس یہی زندگی ہے، یہاں کی خوشحالی ہی خوشحالی ہے، یہاں کی تکلیف ہی تکلیف ہے، یہاں کی راحت راحت ہے، یہاں کا دکھ دکھ ہے، یہاں کی عزت عزت ہے اور یہاں کی ذلت ذلت ہے، ان قوموں کا تصور ہی یہ تھا، آخرت کا یقین ان کے ذہن میں نہیں تھا، آخرت کی تیاری اور آخرت کے حساب و کتاب کا اس قوم کو خیال نہیں تھا، تو حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ قوم عاد ہوئی ہے یہاں سے عمان تک ان کی آبادیاں تھیں اور اس خطے کو انہوں نے مال و اموال سے بھر دیا تھا، لیکن کوئی ہے جو دور ہم میں ان کا ترکہ لے لے، مٹ گئیں ہیں یہ قومیں ان کا تمام ساتھ و سامان مٹا ڈالا گیا، کیا تم بھی ان کے نقش قدم پر چل رہے ہو؟

پہلے حکیم الامت کی تشخیص:

یہ امت کے پہلے حکیم ہیں، یہ سب سے پہلے حکیم الامت ہیں، اس امت میں ان کو سب سے پہلے حکیم الامت کا لقب دیا گیا، کیوں؟ اس لئے کہ اس بیماری کا علاج کرتے تھے، حکیم الامت اس لئے تھے جو امت کے اس مرض کا علاج کرتے تھے، اور وہ مرض تھا دنیا کی محبت کا دلوں میں بیجھ جانا اور جم جانا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آنکھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تھی، انہوں نے آپ کا نقشہ زندگی دیکھا تھا، آپ کا سامان معیشت دیکھا تھا، کیسا لباس آپ پہنتے تھے؟ کیسا کھا کھاتے تھے؟ کیسی زندگی گزارتے تھے؟ یہ سب کچھ ان حضرات نے دیکھا تھا۔

زواج مطہرات سے خشکی کی وجہ:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اور حدیث کی دوسری کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امہات المؤمنین سے ناراض ہونے کا واقعہ ذکر کیا ہے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی: "إِنَّمَا إِلَهُمُ النَّبِيُّ فَلَا زَوْجَ لَكَ إِنَّ تُحْسِنُ فِرْدَانِ الْعَجِزَةِ الْفَرْجُ ذَلِيلُهَا... الخ." یہ پورا کوٹ نازل ہوا کیس ویں پارے کا آخری اور بائیں ویں رے کے شروع میں یہ کوٹ ہے۔

صحابہ کرامؓ کی معاشی خشکی:

ہوا یہ تھا کہ شروع میں بہت خشکی تھی، ایک دفعہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا کہ حضور! ایک کپڑے میں باز پڑھ سکتے ہیں؟ ایسی چادر پہنی ہوئی ہے اور نماز پڑھ رہے ہیں، فرمایا: تم میں سے کتنے ہیں جن کے پاس دو دو کپڑے ہیں۔ یعنی صحابہ کرامؓ کی اکثریت ان لوگوں کی تھی جن کے پاس تن ڈھکنے کے لئے کپڑے نہیں تھے، ایک چادر میں نماز پڑھتے تھے، بعض

اوقات ایسا ہوتا تھا کہ ایک چادر بھی نہیں ہوتی تھی تو وہ کوئی کھیل وغیرہ جو رات کو اوزھنے کا ہوتا تھا لپیٹ کر آ جاتے تھے اور کانٹوں کے ساتھ ان کے من گالیتے تھے۔ اور جن کے پاس کپڑے تھے وہ بھی ہماری طرف ان کے پاس نہیں تھے کہ یہ فلاں کپڑا ہے، یہ فلاں کپڑا ہے، بازار بھرے پڑے ہیں اور دوکانیں بھری پڑی ہیں، ان کا سادہ لباس تھا، موٹی قمیضیں، جانوروں کی اون سے اس طرح کے کپڑے بنالیتے تھے۔

جمعہ کے غسل کی وجہ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جمعہ کے دن جمع زیادہ ہوتا تھا۔ ارد گرد سے بھی لوگ آ جاتے تھے، صحابہ کرام محنت کار تھے، سونا سونا ان کا لباس تھا، گرم موسم، چھت بھی اتنی چمکی کہ ہاتھ گنتے تھے، صحابہ کرام جب جمعہ میں جمع ہوتے تھے پسینہ آتا، پسینہ سوکھ کر ایسی بدبو آتی تھی جیسے بدبو پسینہ کی ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مسجد میں آؤ تو کپڑے دھو کر آؤ اور غسل کر کے آؤ اور خوشبو لگا کر آؤ چاہے تم کو گھردلوں کی خوشبو لگانی پڑے، یہ نقشہ تھا صحابہ کرام کا، جہاد کر جاتے تو ٹوٹی ہوئی تلواریں، زردہ پسینے کا کینہ سوال اور یہ کپڑے بھی نہیں ہیں بلکہ نہ بدن ہے اور جہاد کر رہے ہیں۔

قدرے وسعت:

لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے کچھ آسانی فرمادی تھی جب خیر فتح ہو گیا لوگوں کی حالت اچھی خاصی ہوئی، گھر میں، دینی چکے لگی، لباس بھی ذرا تبدیل ہو گئے۔

کا شانہ نبوت کی معیشت:

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں وہی نقشہ ہے، وہی حالت، وہی کیفیت، وہی پرانی عادت کوئی تبدیلی نہیں آئی، امہات المؤمنین ازواج مطہرات انھیں اور دو باندیاں تھیں پھر ان ازواج مطہرات کی دو جماعتیں تھیں، ایک کی قیادہ

حضرت عائشہؓ جرتی تھیں اور ایک پارٹی حضرت زبہؓ کی قیادت میں تھی، لیکن اس موقع پر فوجی توجہ ہو سکتی۔

ازدواج مطہرات کی درخواست:

انہوں نے بیٹے کریمؓ کی کہ امت کے گھروں میں تو خوشحالی آگئی، ہمارا وہی حال ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیا چاہئے کہ ہمارا بھی خرچ بڑھادیں، ایک نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو میں سر کا دوپٹہ مانگوں گی، ایک نے کہا کہ میں فلاں چیز مانگوں گی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو سب منج ہو گئیں اور یہی بات پیش کی کہ حضورؐ سب کے گھر میں خوشحالی ہے جبکہ اس گھر میں وہی سختی، کچھ ہمارا بھی خرچ بڑھادیں۔

آپؐ کا فقر اختیار ہی تھا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کمال نہیں تھے کہ آپؐ کے پاس کچھ نہیں تھا، آپؐ کو معلوم ہے کہ قربانی کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وقت میں ایک سو اونٹ قربان کئے تھے، دنیا کے کس سیٹھ نے اتنے اونٹ قربان کئے ہوں گے؟ اس وقت کس حاتم طائی نے اتنے اونٹ قربان کئے ہوں گے؟ اور پورا خیبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھا، اور ہزاروں کن غلہ وہاں سے آتا تھا، تھوڑا تھوڑا خرچ مہات المومنین ۱۰ سال کا دیتے تھے باقی غریب غریب کو تقسیم کر دیتے تھے اور باقی جو بچتا غار اللہ کے راستے میں جہاد کی فرض سے ہتھیار خریدنے کے لئے اور دوسری چیزیں خریدنے کے لئے، امت کی ضرورتوں کے لئے خرچ کرتے تھے، گویا کہ کل آمدنی کے نین حصے کئے ہوئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب تقسیم کر کے اٹھتے تھے، بچا ہوا کچھ نہیں ہوتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بیت المال جس کو سرکاری خزانہ کہتے ہیں، نہیں تھا، سرکاری خزانے کے نام کی بھی کوئی چیز نہیں تھی، کوئی چیز جمع کرنے

کے لئے ہوتی ہی نہیں تھی۔

صدیق اکبرؓ اور بیت المال:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیت المال بنایا گیا لیکن قانون یہ تھا کہ ہر ہفتہ کو جھانڈ دے دی جائے اور جو کچھ سرکاری خزانے میں ہے اس کو نکال کر پھینک دیا جائے، تقسیم کر دیا جائے، تو میں نے سنا کہ یہ بات نہیں تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ ہوتا نہیں تھا بلکہ لیٹے ہی نہیں تھے، بڑی بات یہ ہے کہ ملے اور آدمی نہ ملے اور اس سے کم تر بات یہ ہے کہ ملے بھی اور الحمد للہ بھی نہ کہے۔

ایلا کا واقعہ:

تو امہات المؤمنینؓ نے مطالبہ کیا کہ حضور! ہمارا بھی کچھ خرچ بڑھا دیا جائے، آپؐ نہ موٹ رہے، کچھ نہیں کہا، نہ غصہ ہوئے اور نہ کوئی اور بات، لیکن وہاں سے ملے تو قسم کھالی کہ ایک ماہ ان کے پاس نہیں جاؤں گا، یہ مجھ سے خرچ مانگتی ہیں اور ایک جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چھوٹا سا بالا خانہ تھا، اس بالا خانہ کو سیرھی لگی ہوئی تھی، کیسے سیرھی لگی ہوئی تھی؟ ایک لہبا سا سمجھو کہ تنا رکھ دیا گیا تھا اس پر پاؤں رکھ کر آدمی اوپر چڑھ جاتا تھا، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محل کی سیرھی تھی، اور یہی کیفیت حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی تھی، اگرچہ حضرت عثمانؓ بہت بڑے مالدار تھے لیکن مال اللہ کے لئے تھا، اپنے لئے نہیں تھا، اور حضرت علیؓ کے پاس تو تھا ہی نہیں، حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کے پاس بھی نہیں تھا، بعد میں فتوحات میں ملتا رہا اس کو بھی اپنے لئے استعمال نہیں کیا۔

تاریخ کا مشہور قصہ:

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ جس دن شام دیرات، کسریٰ کا خزانہ عینہ منور

میں آیا، جس میں اس کا تاج بھی تھا جو حضرت سراق بن مالک کو پہنایا گیا، سونے کا تاج، تاج کسری کیا تھا؟ جواہرات کا ایک ڈمیر تھا جو اس میں لگا دیا گیا اور یہ مالی غنیمت کا پانچواں حصہ تھا جو بیت المال پہنچایا گیا، چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے گئے تھے، پانچواں حصہ مدینہ میں بھیجا گیا، اس دن مدینے میں جتنی خوشی تھی وہ دیکھنے کے لائق تھی، سب لوگ خوش تھے، فرماں دشاواں تھے

حضرت عمرؓ کا وسعت دیکھ کر رونا:

اس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد کے کونے میں بیٹھے رو رہے تھے، ایک آدمی رو رہا تھا باقی سب خوش تھے، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جو مشرہ ہبشرہ میں ہیں، ان کے پاس گئے، کہا: یا امیر المؤمنین! ساری دنیا خوش ہے اور آپ بیٹھے رو رہے ہیں! یہ رونے کا سبب ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ جو مال ان کے مالگوں کو نہیں بچا ہے، وہ ہمیں کیسے بچے گا؟ جس مال نے قیصر و کسریٰ کو ہلاک کر دیا وہ ہمارے ساتھ کیا کرے گا؟

تو میں نے کہا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو جو حکیم الامت کہتے ہیں وہ صرف اس بنا پر کہ وہ صحابہ کرام کو دنیا کی بے ثباتی کا بتاتے تھے، ماشاء اللہ! اللہ تعالیٰ نے بہت فتوحات دے دی تھیں لیکن ان کا یقین کامل تھا، دنیا کا زہر ان کو نقصان نہیں دے سکتا تھا لیکن رفتہ رفتہ دھج بٹ گیا۔

آخرت کے بجائے دنیا کو ترجیح دینے والا:

صحابہ کرامؓ کے بعد جو لوگ آئے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا، دنیا ان کے دل میں چٹختی گئی، دنیا دل میں آئے اور دین بھی رہ جائے ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ دونوں کا آپس میں میر ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ

أَخْبَتْ دُنْيَاهُ أَضْرَ بَاغِزْبَه، وَغَمَّ اخْتِ بَاغِزْبَه أَضْرَ بَدَلِيَا،
فَاثْبُرُوا مَا يَنْقِي غُلِي مَا يَنْقِي ” (مغلطہ ص ۲۳۰)

ترجمہ: ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس نے دنیا کو پسند کیا اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا، اور جس نے آخرت کو پسند کیا اس نے دنیا کو نقصان پہنچایا، یعنی رہنے والی چیز کو فنا ہوئے والی چیز پر ترجیح دے۔“

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اچر و آخرت دونوں سوائیں ہیں) اگر ایک خوش ہوگی تو دوسری برا بنے گی، اسیکی دونوں سائیں شوبہ سے خوش نہیں ہوسکتیں، ایک خوش ہوگی تو دوسری برا بنے گی، ایک کے ساتھ شس نہ ہو سکے گا تو دوسری برا بنے گی۔

دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ:

تو امت کی سب سے بڑی بیماری دنیا کی محبت ہے جس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار مختلف مناسبات سے امت کو اس سے ڈرایا ہے، دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے، اور دنیا بہت میٹھی ہے اور بہت سرسبز معصوم ہوتی ہے، لکھا: تو بہت حلہ دار ہے، آجھو تو آنکھیں نہ بہت بھاتی ہے، جس شخص نے اس کو حق کے ساتھ یہ اور حق کے ساتھ فرق کیا اس کے لئے یہ معین و مددگار ہوگی، اور جو شخص اس کو نہ حل کرنے میں اور اس کے خرچ کرنے میں حق کا تابع نہ رہا اس کو یہ ہلاک کرے گی۔

دنیا کی سرسبزی کا نقصان:

فرمایا جیسے برسات کے زمانے میں ہیزہ ہوتی ہے، چاندروں کو بہت بھونپنے، ہیزہ بہت میٹھی ہوتی ہے جانور کھاتا ہے، ایک جانور تو وہ ہے جس نے ضرورت کے مطابق کھایا اور بند نہ کر دیا، پھر جو پ میں پلٹ گیا پیٹ یا سب کچھ ختم ہو گیا، پھر کھالیا اٹھا لکھا، ہے جتنا ختم ہو جائے، اور اگر وہ میٹھا بچھ کر اور لذت سمجھ کر کھاتا

جائے تو اس کو بیماری ہو جائے گی، کیونکہ ہنر چارے سے پیٹ پھول جاتا ہے اور آخر کار جانور مر جاتا ہے۔

سب سے بڑی حکمت:

تو سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ امت کے دلوں سے دنیا کی محبت کو نکالا جائے، مگر ہماری سب سے بڑی بیماری یہ ہے کہ کبھی معاشی شکایت اور کبھی کوئی دوسری شکایت، کبھی یہ شکایت کہ ہاتھ بہت زیادہ تنگ ہے، حالانکہ گھر میں سارا سامان موجود ہے مگر کہتے ہیں کہ بہت زیادہ تنگی ہے، اُن کسی کی آمدن دس ہزار تھی اور اس کی جگہ پانچ ہزار روٹی تو کہتے ہیں کہ پوچھو نہیں کتنی تکلیف اور تنگی ہے؟ اے کاش! کہ یہ ان لوگوں کو دیکھ لیتے جن کی آمدنی دو ہزار یا اس سے بھی کم ہے، آخر وہ بھی تو ہمارے جیسے انسان ہیں مگر جتنا ان کو ملتا ہے بہر حال جیسے کیسے کر کے وہ بھی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اپنی حالت کا جائزہ:

تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہلاکت ہے اسی شخص کے لئے جو مال کو جمع کرنے والا ہو اور ہر وقت اس کا منہ کھلا ہی رہے، اس کی خواہش پوری نہ ہو اور جو لوگوں کے پاس ہے اس کو دیکھے اور جو اپنے پاس ہے اس کو نہ دیکھے، بڑے سے بڑے آدمی پر ہماری نظر جاتی ہے لیکن چھوٹے سے چھوٹے آدمی کو تو کبھی دیکھ لو، مالداروں کو بھی اور فقیروں کو بھی ایک لائن میں کھڑا کر دو اور پھر اپنی حالت کا جائزہ لو! اگر تم بہت سارے لوگوں سے کمتر ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ ان سے زیادہ لوگوں سے بہتر ہو۔

ساری دنیا کا جمع ہونا:

اگر کھانے کے لئے رات کو پیٹ بھر کر روٹی مل جائے، پہننے کو جیسا بھی

لباس ہے مل جائے اور گھر میں اطمینان اور امن سے سوئے، تو حدیث میں فرمایا گیا دنیا اپنے سارے ساز و سامان کے ساتھ اس کے گھر میں جمع ہوگئی ہے، تو جو اس حال میں صبح کرے کہ بدن میں الحمد للہ عافیت ہے، کوئی بیماری نہیں، اللہ کا فضل ہے کہ چلتے پھرتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں، سو فیصد تندرست تو کوئی بھی نہیں ہوتا، پھر اپنے گھر میں امن ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اطمینان ہے، اور اس کے پاس ایک دن کی روزی موجود ہے۔ آج کا کام چل سکتا ہے، ہوں سمجھو کہ ساری دنیا جمع ساز و سامان کے جمع کر کے اس کے گھر میں ڈال دی گئی ہے، لیکن اب تو ہمارا ایمان بہت کمزور ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت کی تیاری کی توفیق دے، بھائی! جتنا زیادہ جمع کریں گے، پور اڑائیں گے اتنا زیادہ طوئیں حساب دیں گے، جو تمہاری ضرورت کی چیزیں ہیں، مگر بقدر ضرورت ملتی رہیں تو حساب بھی نہیں ہوگا، اگر فالٹو ملے گا تو اس کا حساب بھی دینا ہوگا، اسی پر ختم کرتا ہوں۔

رحمہم اللہ تعالیٰ علیٰ منہم خلفہم معہم و اولادہم بالصبر و الصمیم

ریا کاری اور اخلاص

اس کو پہنا دیتے ہیں اس کی علانیت کی چادر، برا (عمل) ہو تو
 بری (چادر)، بھلا (عمل) ہو تو بھلی (چادر)۔ پھر آپ نے یہ
 آیت شریفہ تلاوت فرمائی: ”وَرَبَّانَا وَالْبَنَاتُ النَّفَیْ ذَالِکَ
 خَبْرٌ“ اور آپ نے ”رَبَّانَا“ کو ”رَبَّانَا“ پڑھا۔

اعمال کی دو قسمیں:

ایک علانیہ عمل ہوتا ہے جو سب کے سامنے کیا جاتا ہے، اور ایک پوشیدہ عمل
 ہوتا ہے جس کی اطلاع دوسروں کو نہیں ہو سکتی جب تک ان کو اطلاع نہ دی جائے،
 علانیہ عمل بھی ظاہر ہوتا ہے اور کبھی باطن۔

ظاہری عمل:

مثال کے طور پر ہم لوگوں کے سامنے نماز پڑھتے ہیں تو ایک اس کا ظاہری
 ڈھانچہ ہے، مثلاً رکوع کرتے ہیں، سجدہ کرتے ہیں، قرأت کرتے ہیں، اللہ اکبر کہتے
 سے لے کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ تک جتنے افعال یا اقوال ہیں یہ سب ظاہری اعمال
 ہیں، ظاہری ڈھانچہ ہے۔

ظاہری عمل کا باطن:

ایک اس کا باطن ہے کہ ہم کس جذبے سے یہ اعمال کرتے ہیں؟ کس نیت
 سے کرتے ہیں؟ اور اس عمل کو کرتے وقت ہماری کیا کیفیت ہوتی ہے؟ قلب کی
 کیفیت کیا ہوتی ہے؟ غفلت کی کیفیت ہے یا حضوری کی کیفیت ہے؟ نماز کی طرف
 متوجہ ہوتے ہیں یا: ”الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ“ کے مصداق بنتے ہیں؟ تو
 ایک عبادت کا ظاہر ہے اور ایک اس کا باطن ہے یعنی اندر کا پوشیدہ پہلو۔

پوشیدہ عمل:

اور دوسرا عمل ہے پوشیدہ، اس کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ عمل تو کر
ظاہری اعضا سے محرم چھپ کر کیا، خواہ نیک عمل ہو یا برا عمل لوگوں کی نظر سے چھپ کر
کیا گیا اور اس عمل کا اللہ تعالیٰ کو پتہ ہوگا یا اس کے ”کرنا کا تہین“ (عمل کھسنے والے
فرشتوں) کو پتہ ہوگا باقی کسی کو کچھ پتہ نہیں۔

باطنی اعضا کا عمل:

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ عمل باطنی اعضا سے کیا گیا کہ لوگوں کو اس کا پتہ
نہیں چلا، جیسے مہر ہے، شکر ہے، رضا بالقدر ہے، اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی
اللہ علیہ وسلم کی اور اس کے دین کی محبت ہے، یہ انما باطنی ہیں کہ کسی کو معلوم نہیں کہ
اس کے دل میں کیا ہے؟ جب تک وہ خود اس کا اظہار نہ کرے، اسی طرف یہ کہ غلب
میں کبر ہے یا تعنی ہے، اللہ تعالیٰ کی: شکری کا مضمون ہے یا اللہ تعالیٰ سے ناراضگی کا
مضمون ہے، یا مولیٰ باللہ! دل میں خرچہ ہوا ہے، یا اسی قسم کے ناراضیاں جن کا تعلق
دل سے یا قلب سے ہے ان میں سے بعض اعمال وہ ہیں جن کا کرنا کا تہین کو پتہ چل
ہے۔

کرنا کا تہین کو خبر نہیں!

اور بعض وہ ہیں جن کا کرنا کا تہین کو بھی پتہ نہیں چلتا، اسی کو کہتے ہیں کہ:

میان عاشق و معشوق رمزیت

کرنا کا تہین را ہم خبر نیست

یعنی عاشق و معشوق کے درمیان اور محبوب سے درمیان ایسی رمز ہے۔ ایسا

اشارہ ہے کہ کرنا کا تہین کو بھی اس کا پتہ نہیں چلتا۔

ذکر خفی کی فضیلت:

ایک روایت میں ہے اور یہ روایت ذرا کمزور ہے کہ:

”الَّذِي لَا يَسْمَعُ الْحَقِيقَةَ يَزِيدُ عَلَى
الَّذِي يَسْمَعُ الْحَقِيقَةَ سَبْعِينَ مِثْقَالًا“

(کنز العمال ج: ۱۰ حدیث: ۱۷۵۰)

یعنی ذکر خفی، ذکر جلی سے ستر گنا افضل ہے۔ ذکر خفی وہ ذکر ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو پتہ نہ چلے، دل سے ذکر کرتا ہے، یہ ذکر جلی سے کئی گنا افضل ہے، ستر گنا افضل فرمایا ہے۔

ایک اور روایت میں یوں آتا ہے:

ترجمہ: ”بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ ایسے اعمال کی جزا دیں گے جو کرنا کاتبین کے نامہ اعمال میں لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ (یہ اعمال سر ہیں یعنی پوشیدہ اعمال)۔“

دو باتیں:

تو ایک بات تو میں نے یہ سمجھائی کہ اس روایت میں ہے کہ ایک ہیں ظاہری اعمال اور ایک ہیں باطنی اعمال، یا یوں کہئے کہ ایک ہیں علانیہ اعمال اور ایک ہیں پوشیدہ اعمال۔

پھر دوسری بات یہ سمجھائی کہ ظاہری اعمال میں اس کا ظاہری پہلو تو مخلوق کے سامنے ہے لیکن باطنی اعمال مخلوق کے سامنے نہیں وہ صرف اللہ کے سامنے ہیں۔

ظاہری اعمال کے پوشیدہ اعمال:

باطنی اعمال یا پوشیدہ اعمال کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ اعمال تو ظاہری

اعضا سے کئے گئے ہیں لیکن کسی کو پتہ نہیں چلے دیا گیا، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔

”يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ“

(المؤمن: ۱۹)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کو

اور اس کو جس کو چھپاتے ہیں سینے میں۔“

مثلاً کسی نامحرم کو دیکھا آنکھوں کی چوری کے ساتھ اور کسی کو معلوم بھی نہیں ہونے دیا، لوگوں کو کچھ پتہ نہیں کہ یہ صوفی جی بھی فیر عورتوں کو دیکھ رہے ہیں، اس کو ”خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ“ کہتے ہیں، یا ظاہری کانٹوں سے گانے کی آواز آرہی ہے، کسی کو معذور نہیں کہ یہ صوفی ص حسب اس سے لذت لے رہے ہیں یا نفرت کر رہے ہیں، تو سن بھی رہے ہیں یا نہیں سن رہے؟

تو بعض اعمال ایسے ہیں کہ ظاہری اعضا سے کئے جاتے ہیں لیکن مخلوق کو پتہ نہیں چلتا، لوگوں کی نظر وہاں تک نہیں جاتی، اپنے گھر میں چھپ کر کے عمل کیا گھر کی تہائی میں، میر نے کہا کہ ان اعمال کو اللہ تعالیٰ بھی جانتے ہیں اور کراہ کا نہیں بھی جانتے ہیں کیونکہ وہ تو ذی بولی پر ہیں وہ تو لکھیں گے۔

باطنی اعضا کے اعمال بد:

کچھ اعمال ایسے ہیں جو ظاہری اعضا سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ باطنی اعضا سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کسی عورت کے محاسن کو سوچنا، صوفی جی مراقبہ میں ہیں اور سوچ رہے ہیں کسی نامحرم عورت کے حسن کو، اس عورت کے حسن میں اوبے ہوئے ہیں اور یہ مسئلہ لوگوں کو معلوم نہیں ہے۔

مردہ بیوی کا تصور:

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی کسی کی بیوی سے لذت لیتا ہو، اس آدمی کے لئے یہ بھی گناہ اور حرام ہے اور اسی طرح اپنی مردہ بیوی کا ناجائز تصور کرتا ہے تو یہ بھی حرام ہے، اس لئے کہ مرنے کے بعد یہ اس کی بیوی نہیں رہی، اس کے نکاح سے نکل چکی ہے، مرنے سے پہلے یہ اس کی بیوی تھی چاہے جتنا اس کا مراقبہ کرتا، لیکن مرنے کے بعد اس کا ناجائز تصور بھی گناہ ہے، لوگ اس سے غافل ہیں، مستورات سن رہی ہیں اور مجمع میں مجھے بات کرتے ہوئے بھی شرم آ رہی ہے لیکن شرعی مسئلہ ہے بیان کئے دیتا ہوں، کوئی شخص اپنی بیوی سے ملتا ہے اور تصور کسی اور عورت کا کرتا ہے تو یہ زنا کے حکم میں ہے، گویا یہ غیر عورت سے بدکاری کر رہا ہے، یہ میں نے سمجھانے کے لئے ایک دو باتیں عرض کی ہیں۔

دل کے اعمال:

اسی طرح قلب کے اعمال بھی ایسے ہیں کہ وہ خیر کے ہیں یا شر کے ہیں، دل میں بری بات سوچے تو وہ گناہ ہے، اچھی بات سوچے تو عبادت ہے، تو یہ اعمال بھی قلب کے اعمال کہو یا اعمال باطن کہو، میں نے کہا کہ اس کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ اعمال ہیں جن کو فرشتے بھی جانتے ہیں اور اعمال نامہ میں لکھے جاتے ہیں، "تَفْعَلُونَ مَا تَفْعَلُونَ" (وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو)۔

ملائکہ تمام اعمال کو جانتے ہیں:

مولانا اشتیاق الحق تھانوی مرحوم کا ریڈیو پر درس ہو رہا تھا اور میری طالب علمی کا زمانہ تھا، سورہ انفطار کا درس تھا، انہوں نے فرمایا کہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دل کے اعمال کو بھی جانتے ہیں، "تَفْعَلُونَ مَا تَفْعَلُونَ" تمہارا ہر فعل ان کو معلوم ہے، فرشتوں کو معلوم ہے، چاہے ظاہری عمل ہو، ظاہری فعل ہو یا دل کا فعل ہو لیکن

بعض ایسے افعال بھی ہیں جو اتنے گہرے ہیں کہ وہاں فرشتوں کو بھی رسائی نہیں ہوتی۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں۔

ظاہر کی طرح باطن کی اصلاح کی ضرورت ہے:

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب یہ بات بھی سمجھو کہ مٹنا ظاہر کو درست کرنے کی ضرورت ہے اتنا باطن کو بھی درست کرنے کی ضرورت ہے، بلکہ شاید تھوڑا سا زیادہ اپنے باطن کو اور اپنے باطنی اعمال کو اور اپنے اعمال کے باطن کو درست کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ ظاہر اور باطن دونوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے، قرآن کریم میں ہے:

”يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ
وَهُوَ مَعَهُمْ“ (النور: ۱۰۸)

ترجمہ: ”یہ لوگ چھپنا چاہتے ہیں مخلوق سے لیکن
چھپ نہیں سکتے اللہ تعالیٰ سے وہ تو ان کے ساتھ ہوتا ہے۔“
دوسری جگہ ارشاد رہائی ہے:

”مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَاسِعُهُمْ وَلَا
خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَى مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا
هُوَ مَعَهُمْ“ (المجادلہ: ۷)

ترجمہ: ”تین آدمی سرگوشی کریں تو چوتھے اللہ تعالیٰ
ہوتے ہیں ہاں پانچ آدمی مل کر سرگوشی کریں چھٹے اللہ تعالیٰ
ہوتے ہیں تو اس سے کم (مثلاً تین سے کم دو ہوں گے، پانچ
سے کم چار ہوں گے) یا اس سے زیادہ (جتنے بھی ہوں، جہاں
بھی ہوں) اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔“

اللہ سے دھوکہ نہیں چٹا:

تو مخلوق کے ساتھ خاہر داری کا معاملہ کر سکتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ سے خاہر داری نہیں ہو سکتی، تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، مخلوق کے ساتھ نہ تو دھوکہ فریب چل جاتا، جیسے آج کل چل رہا ہے کیونکہ ہمارا سارا کامارا معاملہ مخلوق سے چل رہا ہے، اللہ تعالیٰ سے ہمارا تعلق ختم ہو گیا ہے، دعا فریب، مجبوت بہتان،

کوثر نیازی کے رد میں میں نے جب مضمون لکھا تھا اس میں میں نے ہدف کا ایک شعر نقل کیا تھا درود مجھے بار بار یاد آتا رہتا ہے، حافظہ آتے ہیں:

”کونیا ہا دور نمی دارند روزے داری

تا چنان قلب و دُخل درکار داور نی کنند

یعنی ایسا لگتا ہے کہ یہ لوگ تصاف کے دن پر یقین نہیں رکھتے، یہ اللہ کے معاملہ میں ایسا سمجھتا مانتے ہیں، ایسی غرور کرتے ہیں کہ ان کو قیامت کے دن پر ایمان نہ نہیں ہے۔

اور یہ نہ وہ بات ہے جس کو صحیح بخاری شریف میں کتاب الایمان کے شروع میں ہی حضرت ابراہیمؑ سے نقل کیا ہے:

”وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ النَّبِيُّ مَا عَزَضْتُ قُلُوْبِي عَلٰی

غَضَبِيْ اِلَّا حُبِّيْكَ اِنَّ اَكُوْنُ مُكْذِبًا“

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۲)

مُكْذِبًا ذال کے فتح کے ساتھ اور مُكْذِبًا ذال کے کسر کے ساتھ دونوں

طریق چھائیے۔

ترجمہ: ”میں نے تو کو جب بھی اپنے عمل پر غصہ

نہیں کیا، تو دل و عمل کو جب بھی میں نے سوا کرتا ہے تو مجھ کو ایسا اندیشہ

لگا کہ میں کذب ظہر آیا ہوں لیکن میں دانتا نہیں تھا ایسی باتیں

کرتا تھا مانتے تو کرتا بھی یا یہ کہ قیامت کے دن کھڈا مجھے بھلا دیا جائے گا۔"

یہ تیرا کرتوت تھا یہ تیرا عمل تھا دعویٰ تو یہ کرتا تھا۔

اکابر کا خوف الہی:

اکابر سب کچھ کرنے کے باوجود اتنا ڈرتے تھے کہ حد نہیں، ایک راوی ابن ابی ملیک کہتے ہیں کہ:

"أَذْرَحْتُ لَنَبِيٍّ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثُفَهُمْ بَخَافِ الْبِفَاقِ عَلَى نَفْسِهِ."

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲)

ترجمہ: "میں نے تمہیں صحابہ کرام کو پایا، ان میں سے ہر ایک اپنے بارے میں نفاق کا شبہ کرتا تھا، ہر ایک یہ خیال کرتا کہ کہیں میں منافق تو نہیں ہو گیا؟"

فتنہ و فساد کا سبب:

قول و عمل کا تضاد، ظاہر و باطن کا اختلاف، ظاہر کا مضمون کچھ ہے، باطن کا مضمون کچھ ہے اور ہمارے پاس تو ظاہر ہی ظاہر رہ گیا تھا، باطن تو ختم ہو گیا لا ماشاء اللہ! اور وہ بھی ظاہر بھی مٹا جا رہا ہے، ایسی قوموں میں پھر ایسے ہی فتنے اور فساد ہوں گے۔

گناہ کا ظاہر و باطن چھوڑ دو!

تو میں نے عرض کیا کہ جتنا ظہر کا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے اتنا ہی باطن اور باطنی اعمال اور اپنے اعمال کا باطن درست کرنے کی ضرورت ہے، یہ تمہیں غلط بول رہا ہوں: اپنا ظہر، اپنا باطن اور ظاہری اعمال کا ایک باطنی پہلو، ان تینوں کو

درست کرنے کی ضرورت ہے، اسی لئے قرآن کریم میں فرمایا ہے: "وَذَرُوا ظَاهِرَ الْاَوَانِمْ وَبِاطِنَهُ۔" (النعام: ۱۲۰) یعنی اور چھوڑ دو گناہ کے ظاہر کو اور گناہ کے باطن کو۔ ہم عام طور پر اس کا ترجمہ کرتے ہیں ظاہری گناہ سے اور باطنی گناہ سے، لیکن قرآن کریم کے الفاظ ہیں گناہ کے ظاہر کو اور گناہ کے باطن کو، جب یہ باتیں سمجھ میں آئیں۔

سراڑ کو ظاہر کا لباس:

تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فتویٰ پیش کرنا ہوں، ارشاد فرماتے تھے کہ لوگو! ان پوشیدہ معاملات میں جن کو باطن کہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، ظاہر میں تم لوگوں کے منہ ملاحظہ کے طور پر بھی کرتے ہو گے، مگر جہاں تک باطن کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کا منہ ملاحظہ ہی چلتا ہے یہاں مخلوق کا تو چلنا نہیں اس لئے ان سراڑ کے بارے میں تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بندہ چھپ کر جیسا بھی عمل کر لے اللہ تعالیٰ ظاہر میں اس کا لباس اس کو پہنا کر چھوڑتے ہیں، اچھا عمل چھپ کر کیا، کسی کو پتہ نہیں چلنے دیا اور جیسا کہ میں نے کہا کہ بعض سرحد کرنا کاتبین کو بھی معلوم نہیں ہونے دیا، لیکن ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کا لباس نہ پہنائے، چھوٹی کالباں نہ پہنائے اور ایک آدمی نے چھپ کر برا عمل کیا، بچے خیال میں تو وہ مخلوق سے چھپ گیا لیکن اس کا ننگ اس کو دکھ رہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی برائی کا لباس اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر میں پہنائیں گے۔

استحضار الہی کی حکایت:

وہ کہتے ہیں تاکہ ایک شیخ کے پاس وہ آدمی مرید ہونے کے لئے آئے، شیخ نے دونوں کو ایک ایک مرغی پکڑا دی اور چاقو دے دیا اور فرمایا کہ: ایسی جگہ ذبح کر کے

لاؤ جہاں پر کوئی دیکھتا نہ ہو، ایک آدمی تو گیا اس نے: دھڑ دھڑ دیکھا اور کوئی انسان اسے نظر نہیں آیا تو کسی دیوار کی اوٹ میں جلدی جلدی مرغی ذبح کرنی اور لے آیا، اور دوسرا سارا دن گھومتا رہا، شام کو واپس آیا اور کہنے لگا: حضرت! مجھے تو کوئی ایسی جگہ نہیں ملی جہاں میں مرغی ذبح کرتا، اور اسی لئے ذبح کرنے سے قاصر رہا، آپ نے شرط لگا دی تھی کہ کوئی نہ دیکھے، اگر آپ یہ نہ فرماتے کہ کوئی آدمی نہ دیکھے تو میں مرغی ذبح کر دیتا لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ کوئی نہ دیکھے، میں ایسی جگہ کہاں تلاش کرتا کہ جہاں کرنا کاتبین بھی نہ دیکھتے اور اللہ تعالیٰ بھی نہ دیکھتے، اس لئے میں تو مرغی ذبح کرنے سے قاصر رہا، شیخ نے فرمایا: تجھے مرید کرتا ہوں، اور پہلے تو کہا کہ تجھے مرید نہیں کرتا کہ تو مخلوق کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے تعلق نہیں رکھتا، کرنا کاتبین کو سامنے نہیں رکھتا۔

ریا کاری کا عنصر:

تو عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہم نے جو پوشیدہ عمل کیا، لوگوں کی نظر سے چھپ کر عمل کیا وہ کسی کو پتہ نہیں چلتا، اس لئے سیاسی جماعتیں اگر کوئی رفاہ عامہ کا کام کرتی ہیں تو دکھا کر کرتی ہیں، نیکی کا کام بھی کرتی ہیں تو دکھا کر کرتی ہیں، کرتے تو دونوں کے لئے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا کام بھی کرتے ہیں تو مخلوق کے لئے کرتے ہیں، شیعہ بھی پڑھتے ہیں تو مخلوق کے لئے پڑھتے ہیں، خدمت خلق کرتے ہیں تو مخلوق کے لئے کرتے ہیں، اور ایک سیر کام کیا اور اس کا پروپیگنڈہ ایک من کا کیا تا کہ لوگ معتقد ہو جائیں کہ یہ جماعت بہت اچھی ہے، یہ پارٹی بہت اچھی ہے آئندہ ووٹ اس کو دینا چاہئے۔

سیاسی جماعتیں اور ریا کاری:

سیاسی جماعتوں میں ایک تو ریا کاری کا عنصر بہت غالب ہے، غالب نہیں

بلکہ سراسر دیا کاری ہے، خالص دیا کاری ہے، شاید کسی عمل میں ایک لاکھ واں حصہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہوگا، نو ہزار نو سو ننانوے بلکہ ننانوے ہزار نو سو ننانوے حصے مخلوق کے لئے ہوتے ہیں، عا ماً اللہ اکوفی اللہ کا نیک بندہ ہو، نیک بندے بھی ہوتے ہیں ساری مخلوق اللہ تعالیٰ نے یکساں پیدا نہیں کی اور سب کے لئے ایک کلیہ نہیں ہوتا، کچھ اللہ کے نیک بندے بھی ہوتے ہیں جو اللہ کی رضا کے لئے کرسکتے ہیں۔ ایک تو ان میں دیا کاری کا عنصر غائب ہوتا ہے اور دوسرا سیوی جماعتوں کی خاص بیماری یہ ہے کہ ان کو دوسروں کا عیب نظر آتا ہے، اپنا عیب نظر نہیں آتا، ان کی آنکھوں پر دو چشمے چڑھے ہوئے ہیں ایک نفرت کا اور ایک محبت کا، ایک پاسداری کا اور ایک مخالفت کا۔

سیاسی اصول:

آج کا سیاسی اصول یہ ہے کہ یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں کہ یہ بات جو کبھی جاری ہے وہ حق ہے یا باطل ہے؟ بلکہ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کہنے والا کون ہے؟ اگر مخالف کوئی بات کہتا ہے حق ہو یا باطل تو بہر حال باطل ہے اور ہم اس کی تردید کریں گے، اور اگر اپنے بندہ بات کرتا ہو تو چاہے دنیا جہان کی مہمل ترین بات کرتا ہو تو ہم اس کو یہ کہیں گے کہ ماشاء اللہ کیا بات کہہ دی! ایسے مضامین عالیہ صرف اسی کو سوجھتے ہیں۔

حکمرانوں کی غیرت مرگنی ہے:

تین دن پہلے کے اخبار پر نظر پڑی تو سرفی کو دیکھا، عباد اللہ شاہ، یہاں کا وزیر اعلیٰ کہہ رہا ہے کہ: ”دہشت گرد دم توڑ رہے ہیں۔“ ماشاء اللہ اگر کوئی یہاں دیکھنے والا ہے تو میری اس بات کو ان تک پہنچا دے کہ دہشت گرد دم نہیں توڑ رہے بلکہ تمہاری شرم و حیا دم توڑ رہی ہے، یہ لفظ میرے ان تک پہنچا دو، دگر تیر میں ذرہ بھی

شرم دیا ہوتی تو تم مستغنی ہو جاتے، جو حکمران اپنی عوام کا انتظام نہیں کرتا یا کر نہیں سکتا، اتنا نااہل ہے، اتنا تالاق ہے، اس کو حکمرانی کا کوئی حق حاصل نہیں، اگر کسی شریف ملک میں یہ وارداتیں ہوتیں، یہ قیسے اور یہ حالات ہوتے تو وہ فوراً مستغنی ہو جاتا اور اپنی نااہلی کا اقرار کرتا۔ دہشت گردوں نے ابھی تک دم نہیں توڑا بلکہ سات کی جگہ آٹھ، آٹھ کی جگہ نو، نو کی جگہ دس، دس کی جگہ گیارہ قتل ہو رہے ہیں، روزانہ ترقی ہو رہی ہے، لیکن تمہاری حیا اور تمہاری شرم دم توڑ گئی ہے، حکمرانوں میں غیرت مرگئی ہے، موجودہ دور کی یہی سیاست ہے، اور اسی سیاست کو کہا جاتا ہے کہ یہ اسلام کا حصہ ہے، اور اسی سیاست کو سامنے رکھ کر مارش لاکو گالی دی جاتی ہے، اور جنرل ضیا الحق کو گالیاں دی جاتی ہیں، لیکن انسانوں کے دماغ کو کیا ہو گیا ہے؟

قوم کی اجتماعی بد عملی:

رات عشاء کے بعد کسی آدمی کے خط کا جواب دے رہا تھا، اس نے انہیں حالات کو لکھا جو کراچی میں گزر رہے ہیں، میں نے کہا کہ شامت اٹھالی ہے، اور سب سے بڑی بد عملی ہماری یہ ہے کہ ہم نے نااہل اور تالاق حکمرانوں کو منتخب کیا، یہ قوم کی اجتماعی نا فرمانی اور اجتماعی بد عملی ہے، ہم نے کہا کہ عورت کی حکمرانی چاہئے نہیں، کچھ حضرات نے کہا کہ صوفیوں کی سوئی عورت کی حکمرانی پر انگلی ہوئی ہے، یعنی ان لوگوں کو ضرورت نہیں اسلام کی، تم سب نے مل کر عورت کو حکمران بنایا ہے، ووٹ دے دے کر بنایا اور قاضی جی نے مخالفت کر کے بنایا۔

قاضی اور امریکہ کی خوشنودی:

میں اپنی محفلوں میں کہتا ہوں کہ..... آج سیاسی بات شروع ہو گئی ہے، چلو آگئی تو آگئی زبان پر، کوئی شخص قاضی جی کو بھی میرا پیغام پہنچا دے کہ یہ تمام کا تمام مکناہ قاضی کے اوپر ہے، قاضی حسین احمد اسلامی فرنٹ والے، اسلامی فرنٹ یا اسلام

سے فرنٹ کا حکم دیا گیا، غلط کیا بیان کیا؟ جماعت اسلامی کے اخباروں کو میں پڑھتا ہوں، ان کی باتیں بھی سنتا ہوں، آج تک یہ تسلسل انہوں نے نہیں چھوڑا، چھوٹی برائی، بڑی برائی، ہم دونوں برائیوں کے مخالف ہیں، حالانکہ یہ اسلام کے مستند قدیم اصولوں کے خلاف ہے، کیونکہ اسلام کا اصول یہ ہے کہ جو شخص دو مصیبتوں میں سے ایک مصیبت میں گرفتار ہو جائے، اور اس کو اس کے بغیر چارہ نہیں تو جو ہلکا گناہ ہو اس کو اختیار کر لے، یہ شریعت کا اصول ہے، یہ کاظمی حسین احمد نے اسلام کے اصول کو بھی پامال کر دیا امریکہ کی خواہش کے لئے، امریکہ کی خوشنودی کے لئے، لواذ شریف کو ہٹانا اور معین قریشی کو لانا بے غیرتی کا واضح پتہ چلتا ہے، زنانہ عقل کا میں بھی قائل ہوں لیکن یہ زنانہ عقل کیا گل کھاتی ہے یہ تو آنے والا وقت بتائے گا، یہ میرا آخری فقرہ ہے، اور مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ گل کھلیں گے۔ واللہ! مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا، میں سمجھ رہا تھا کہ قبر خدا اس قوم پر نازل ہوگا، لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ قبر ان شکلوں میں نازل ہوگا، نعوذ باللہ! استغفر اللہ! اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے اور اپنے قبر سے بچائے۔

قبر خداوندی کی لپیٹ میں:

کراچی اور حیدرآباد والے قبر خداوندی کی لپیٹ میں ہیں، اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو، ایسی ویسی باتیں دیکھنے اور پڑھنے میں آتی ہیں، وہ ایک غاری کا شعر ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے:

ترجمہ: ... بہت سی ناگفتنی باتوں کو میں نے سنا ہے

جو سننے کے لائق نہیں تھیں، ان کو دیکھ رہا ہوں کاش کہ میری ماں

نہ مجھے جنتی، میں پیدا نہ ہوا ہوتا۔“

اس میں قطعاً ایسی توقع نہیں تھی کہ ہمیں ایسے انسانوں میں رہنا ہوگا اور ایسے

انسانوں سے واسطہ پڑنے والا ہے، ممتا بھارت تو پہلے بھی ہوئے ہیں، نیکی اور بدی دونوں چلتے ہی آئے ہیں لیکن نیکی اور بدی کا تناسب یہ ہو جائے گا، جیسے اس کا اندازہ نہیں تھا۔

انسان کی نیکی اور برائی چہرے پر لکھ دی جاتی ہے:

تو خیر عرض یہ کر رہا تھا کہ بھائی! ایک کام چھپ کر کر دے تو اللہ تعالیٰ نیکی کا لباس پہنائے گا، تم نے چھپ کر کیا کہ کسی کو پتہ نہ چلے لیکن اللہ تعالیٰ چہرے پر نیکی لکھ دیتے ہیں، اور تم نے چھپ کر گناہ کیا، کسی کو پتہ نہیں چلے دیا لیکن مت بھولو کہ تم مخلوق سے تو چھپا سکتے ہو مگر خالق سے نہیں چھپا سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

قسم ہے اس ذات کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان اس کے ہاتھ میں ہے، نہیں عمل کیا کسی شخص نے کوئی سارا عمل نیکی بھی چھپ کر مگر اللہ تعالیٰ اس عمل کی چادر اس کو امانیہ پہنا دیتے ہیں، چھپ کر نیکی کا کام کرتا ہو لیکن لوگوں کی زبان پر ہوگا کہ فلاں آدمی بہت اچھا ہے، اور چھپ کر بدی کرتا ہو، بدکاری کرتا ہو، خیانت کرتا ہو اور گڑبڑ کرتا ہو کسی کو بظاہر اس نے پتہ نہیں چھنے دیا لیکن اللہ تعالیٰ اس پر اس کے بھوٹ کی، خیانت کی چادر اس کو پہنا دیں گے، لوگ چلتے ہوئے کہہ دیں گے کہ خائن آدمی ہے، حالانکہ کسی کو معلوم نہیں کہ کب اس نے خیانت کی، کوئی ثبوت نہیں دے سکتا، اسی کو کہتے ہیں ”زبان خلق کو نثار کا خدا سمجھو!“ اللہ تعالیٰ اس کی زبان پر بلواتے ہیں۔

ظہور و مدح کی نیت بھی ریا ہے:

یہاں ایک بات خاص طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں، اکر یہ فرماتے ہیں کہ نیک عمل چھپ کر کیا، مخلوق کو پتہ نہیں چلے دیا لیکن دل میں یہ تھا کہ کاش لوگوں کو میری

عبادت کا پتہ چل جائے تو یہ بھی ریاکاری ہے، یہ خواہش بھی نہیں ہونی چاہئے، اگر نیک عمل کرو گے تو نیکی کی چادر اللہ تعالیٰ پہنائیں گے اور برا عمل کرو گے تو نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! برائی کی چادر پہنائیں گے نیکیں یہ نیت کر کے مت کرنا کہ حقوق مجھے دیکھے گی اور مخلوق کو میرا پتہ چل جائے۔

با انیت، ظاہر ہونے پر خوشی:

مگر یہ نیت نہ ہو تو چاہے مخلوق دیکھ بھی لے تمہ بھی نہیں ہوتے، حضرت ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے:

"قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! بِنَا أَنَا بَنِي هَبْ
مُضَلَّيْ إِذْ دَخَلَ عَلَيَّ رَجُلٌ فَأَعْبَجَنِي الْفَحَالُ الْبَنِي زَائِي
عَفِيهَا. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَجَعَكَ
اللَّهُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ لَكَ أَجْرَانِ أَجْرُ الْمَسْرُوقِ وَأَجْرُ الْغُلَّابِيَّةِ."
(مسلم ۶ ص ۲۵۸)

ترجمہ: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں
چھپ کر اپنے گھر میں نماز پڑھ رہا تھا (اور اہتمام اس بات کا تھا
کہ کسی کو پتہ نہ چلے) لیکن چلا نک وہاں ایک آدمی آگیا اور اس
کے دیکھنے کی بنا پر دل میں غمی آئی، تو یہ رسول اللہ! یہ ریاکاری
تو نہیں ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے
ابو ہریرہ! اللہ آپ پر رحم کرے، آپ کے لئے تو دو اجر ہیں، ایک
اجر چھپ کر عبادت کرنے کا اور ایک علانیہ عبادت کرنے کا۔
اور ایک روایت میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”بَلَّغْ غَاجِلُ بَشَرِي الْمُؤْمِنِ“

(مکتوٰۃ ص ۱۵۳)

ترجمہ: ”یہ مؤمن کی جلدی کی خوشخبری ہے۔“

یعنی چھپ کر کر رہا تھا اور پیچھا چاہتا تھا لیکن ہم تم کو بھیجنے دیتے ہیں؟ تو ذرا چھپ کر دھا! اللہ تعالیٰ آخرت میں تجھ کو بدلہ دیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں ظاہر کر دیا۔ یہ جلدی کی خوشخبری ہے، رہا کاری نہیں کیونکہ تم نے رہا کاری کے لئے نہیں کیا تھا اچانک نظر پڑ گئی۔

تقسیمین پر خوشی:

یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ غیر اختیاری طور پر تمہارے دل میں تحسین پیدا ہوئی کہ اچھا ہوا اس نے دیکھ لیا تو یہ رہا کاری نہیں، کیونکہ یہ غیر اختیاری معاملہ ہے، صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی پوچھا کہ یا رسول اللہ! میں چھپ کر نیکی کا کام کرتا ہوں، اچانک کوئی ظاہر ہو جا، ہے تو کسی کے دیکھنے سے دل میں ایک خوشی ہی محسوس ہوتی ہے، یا رسول اللہ! یہ رہا کاری تو نہیں؟ فرمایا: یہ بتاؤ اگر خدا خواستہ تمہیں کسی گنہ کی حالت میں دیکھ لیتا تو تمہیں شرمندگی ہوتی کہ نہ ہوتی، وہ شرمندگی بھی غیر اختیاری ہے اور یہ خوشی بھی غیر اختیاری ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ تو لائق شکر ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ یا اللہ! آپ کا شکر ہے، اس نے مجھے اچھی حالت میں دیکھا، بری حالت میں نہ دیکھا، اگر میری بری حالت کو اللہ تعالیٰ دکھا دیتے تو اس کو اس پر قدرت تھی، یہ میرے، نیک کا کرم اور احسان ہے کہ میری برائیوں پر براہ ڈال دیا، مخلوق کی نظر وہاں تک پہنچنے نہیں دی اور میری نام نہاد نیکیوں کو اچھاں دیا، حقیقت میں تو ہماری نیکی ایسی ہی بے جان ہوتی ہے جیسے ہم کرتے ہی ہیں، یہ میرے اللہ تعالیٰ کا کرم اور احسان ہے، یہ ارشاد فرمایا کہ اچھی نیکی کرو گے چھپ کر تو اللہ

تعالیٰ علانیہ طور پر نیکی کی چادر پہنا دیں گے، اور چھپ کر برائی کرو گے تو اللہ تعالیٰ علانیہ طور پر برائی کی چادر پہنا دیں گے، اس مضمون کو ارشاد فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم یہ آیت تلاوت فرمائی:

”يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُؤَادِبُ
سُؤَاتِكُمْ ذُرِّيَّتًا وَلِبَاسًا لِلتَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ“

(الاحزاب: ۶۳)

راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ”یٰ بَنَی آدَمَ“

پڑھا۔

ترجمہ: ”اے بنی آدم ہم نے تم پر لباس اتارا ہے
جو تمہارے ستر کو بھی چھپائے اور زینت کا کام بھی دے اور تقویٰ
کا لباس اس سے بھی بہتر ہے۔“

معلوم ہوا کہ تقویٰ کا بھی ایک لباس ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے دھرم و کرم سے وہ
لباس ہمیں پہنائے تو سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب فرمائے۔
وَرَزَقْنَاكَ مِنْ حَيْثُ لَمْ تُحِسْ بِهُ (العنکبوت)

عمل کی کھیتی

بسم الله الرحمن الرحيم

(العصر للم. رموز) حملي حياوة (الزور) (صغلي)!

"عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ خَجِيرَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ
عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ إِذَا قَعَدَ:
إِنَّكُمْ فِي فَمَرِ السَّيْلِ وَالشَّهَارِ فِي أَجَالٍ مَنقُوضَةٍ وَأَعْمَالٍ
مُحْفُوظَةٍ، وَالْمَوْتُ يَأْتِي بَغْتَةً، فَمَنْ يَزُرْ خَيْرًا يُؤْتِيكَ
أَنَّهُ يَحْصُدُ زَعْبَةً وَمَنْ يَزُرْ شَرًّا يُؤْتِيكَ أَنَّهُ يَحْصُدُ
تَدَانَةً، وَلِكُلِّ زَارِعٍ بَشَلٌ مَا زَرَعَ، لَا يَسْبِقُ بَطْلَىءٌ بِحَظِّهِ،
وَلَا يُلْبِرُكَ خَرِيصٌ مَا لَمْ يُقَدَّرْ لَهُ، فَمَنْ أُعْطِيَ خَيْرًا فَلَهُ
تَعَالَى أَعْطَاهُ، وَمَنْ وُقِيَ شَرًّا فَلَهُ تَعَالَى زَفَاهُ، الْمُتَّقُونَ
بَادَةٌ، وَالْفَقَهَاءُ خَادَةٌ، وَمَجَانِسُهُمْ زِيَادَةٌ."

ترجمہ: ... ”عبدالرحمن بن بحیرہؒ اپنے والد سے اور وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ جب وہ مجلس میں بیٹھتے تھے تو فرماتے تھے: تم لوگ رات اور دن کی راہ گزر پر ہو، ان میعادوں میں جو دم بہم کہہ ہو رہی ہیں اور ان اعمال میں جو محفوظ کئے جارہے ہیں اور موت اچانک آئے گی، سو جو شخص نئی کاشت کرتا ہے وہ بہت جلد رغبت کے ساتھ اس کی فصل کاٹے گا اور جو شخص برائی کاشت کرتا ہے وہ بہت جلد اس کی برائی اٹھائے گا، ہر کاشت کرنے والے کو وہی پھل ملے گی جو اس نے کاشت کی، کوئی سست آدمی اپنے حصے سے پیچھے نہیں رہ سکتا اور کوئی حریص آدمی ایسا چیز کو نہیں پاسکتا جو اس کے لئے مقدر نہیں کی گئی، پس جس شخص کو بھائی ملی ہو تو حق تعالیٰ شانہ نے ہی اس کو عطا فرمائی ہے اور جس شخص کو شر سے بچایا جائے اس کو اللہ تعالیٰ نے ہی بچایا ہے، پرہیزگار لوگ سردار ہیں، فقہاء قائد ہیں اور اہل ان کی مجلسیں علم و عمل میں اضافہ کرنے والی ہیں۔“

رات دن کی گزر گاہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اپنی مجلس میں دوستوں کے پاس بیٹھتے تھے تو اکثر یہ بات اور شاد فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ رات اور دن کی راہ گزر پر بیٹھے ہو، رات اور دن تمہارے پاس سے ہو کر گزرتے ہیں اور رات اور دن کا گزرنا بچے کو بوڑھا کر دیتا ہے، بوڑھوں کو قبروں میں لے جاتا ہے۔

تم لوگ مگن، مگن کراپنی اپنی میعادیں دے کر بھیجے گئے ہو، ہر ایک کو اتنے سال، اتنے مہینے، اتنے دن، اتنے گھنٹے، اتنے منٹ اور اتنے سانس گزارنے ہیں، تم دنیا میں اپنی عمر کا چارٹ ساتھ لے کر آئے ہو، اس میں نہ ایک سانس کم ہو سکے گا اور نہ ایک سانس کا اضافہ ہو سکے گا اور یہ دن اور رات کا گزرتا، یہ تمہاری عمر کو کم کر رہا ہے، لمحہ بہ لمحہ تمہاری عمر کم ہو رہی ہے اور اس عمر کے اپنے چمانے ہیں، تم جتنے اعمال بھر رہے ہو، وہ اعمال محفوظ کئے جا رہے ہیں، عمریں منقوس یعنی کم ہو رہی ہیں، اور وقت کے پیمانے میں جو اعمال تم نے بھرے ہیں ان کو محفوظ کیا جا رہا ہے، ہر لمحہ اور ہر وقت جو عمل تم کرتے ہو اس کو ریکارڈ کیا جا رہا ہے اور اس کا نہ عمل تیز ہو رہا ہے، سچے مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”قَالَ يَتَعَقِلُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ
بِالنَّهَارِ وَيَنْتَظِمُونَ فِي صَلَوةِ الْفَجْرِ وَصَلَوةِ الْغَضْرِ ثُمَّ
يُغْرِجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ
كَتَبْتَ تَوَكَّلْتُ عَلَيْهِمْ فَيَقُولُونَ نَزَّكْنَاهُمْ وَهُمْ يَصْلَوْنَ
وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يَصْلَوْنَ.“ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷۷)

ترجمہ: ”دو نمازوں میں دن و رات کے فرشتے اور رات کے فرشتے تم پر باری باری بدلتے ہیں، ایک فجر کی نماز میں اور ایک عصر کی نماز میں، جب فرشتے یہاں سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کے پاس جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، تم میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کے پاس گئے تھے جب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب چھوڑ کر آئے جب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔“

نہج کی نماز میں رات والے فرشتے بھی موجود ہوتے ہیں اور جن کو دن کی ڈیوٹی دینی ہوتی ہے وہ بھی موجود ہوتے ہیں، نماز سے فارغ ہو کر وہ نامہ نمل دان والے فرشتوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اسی طرح عصر کی نماز میں دن بھر جن فرشتوں نے ڈیوٹی دی ہوئی ہے، وہ بھی موجود اور جن کی ڈیوٹی آئندہ رات کے لئے ہے، وہ بھی موجود، نماز سے فارغ ہو کر دن والے فرشتے اپنا نامہ اعمال رات والے فرشتوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔

فرشتوں کی شہادت:

یہ دن میں دو وقت کی اہل اسلام کے لئے فرشتوں کی شہادت ہے اور ہی بد پر نہج کی نماز اور عصر کی نماز کی حریص تائید اور تاکید در تاکید فرمائی گئی ہے اور اسی بنا پر جماعت کے اہتمام کو ضروری قرار دیا گیا ہے، لوگ اپنی کیسے نماز پڑھ لیتے ہیں، چاہے نہیں کیسے پڑھ لیتے ہیں؟ خدا نہ کرے کبھی اکیلے نماز پڑھنی پڑے، کچھ بڑی مشکل ہوتی ہے، فرض نماز اکیلے پڑھنی ہی نہیں جاتی، نظمیں تو چاہے گھنٹہ پڑھتے رہیں، انہیں فرض نماز پانچ منٹ کے لئے سبک پڑھی جاتی۔

اکیلے اور جماعت کی نماز کا فرق:

اکابر فرماتے ہیں کہ جماعت کی نماز ایسی ہے جیسے دعوت کا کھانا، اراکیلے کی نماز ایسی ہے جیسے کوئی کھانے والی اپنے منہ پر رکھ کر کھائے گا، اے اللہ اللہ! ہمارے اعمال کی نگرانی:

فرض یہ ہے کہ اعمال محفوظ کئے جا رہے ہیں، جیسے حال بھی، برے اعمال بھی، قرآن کریم میں فرمایا ہے:

”وَأَنذَرْتُكُمْ لِحَافِظِينَ يَكْرُمُوا كُتُبِينَ يَلْتَمِسُونَ

(النساء: ۶۷)

مَا تَنْفَعُونَ“

ترجمہ: "اور بے شک تم پر مقرر ہیں، بہت ہی معزز فرشتے لکھنے والے (جو تمہارے اعمال کی محافظت اور نگہداشت کرتے ہیں) وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔"

تم پر نگران مقرر ہیں جن کو "کرنا کا نبین" کہا جاتا ہے، وہ جانتے ہیں جو تم چھپ کر کرتے ہو یا ظہری طور پر کرتے ہو، ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم کوئی عمل فرشتوں کی نظر سے بچا کر کرو کہ فرشتوں کو معلوم نہ ہو، آج کل تو آئوینک مشینوں کا دور ہے، مسئلہ کا سمجھنا بہت آسان ہو گیا، ادھر تمہارا عمل شروع ہوا اور ادھر خود بخود ان کا قلم چلنے لگا۔ ان فرشتوں کے پاس خود کار مشینیں ہیں، اقوال کی بھی نور اعمال کی بھی، حتیٰ کہ دل کے ارادوں کی بھی وہ خبر معلوم کر لیتے ہیں، وہ فرشتے آتے ہی تم پر اپنے آلات لگا دیتے ہیں اور نگرانی کرنے لگتے ہیں، تم غلطی میں ہو یا جلوت میں ہو، مگر میں ہو یا محفل میں ہو، رات کی تنہائی میں ہو یا دن کی روشنی میں، فرشتوں کی نظر سے غائب نہیں ہو سکتے۔

زندگی کا چراغ:

تو تمہاری عمریں گھٹ رہی ہیں، وہ بے دم، لحظہ بہ لحظہ اور تمہارے جتنے بھی اعمان ہیں ان پر کرنا کا نبین نگران مقرر ہیں، ان کو محفوظ کیا جا رہا ہے، ان کو ریکارڈ کیا جا رہا ہے اور موت اچانک آجائے گی، کبھی تو اس طرح اچانک آتی ہے کہ ہم بھی اس کو اچانک کہتے ہیں اور کبھی بظاہر موت سے پہلے آتی ہے، کمزور ہوتا ہے، بالآخر اس کی زندگی کا چراغ کل ہو جاتا ہے، لیکن پھر بھی جب موت آتی ہے، ایسا لگتا ہے کہ غیر متوقع طور پر آگئی، چنانچہ اکثر و بیشتر مریض کے پاس لوگ بیٹھے ہوتے ہیں، انہی مذاق کر رہے ہوتے ہیں، مگر جوں ہی مریض کا سانس سنا ہے تو رونے لگتے ہیں، حالانکہ اسی مجلس میں بیٹھے ہیں، یہ اچانک کیا تبدیلی ہوئی؟ کہتے ہیں موت آگئی

اچانک! تو موت کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ کب آئے گی؟ تمہاری زندگی کا چراغ کب بجھ جائے گا؟ اور تمہارا نامہ اعمال کب لپیٹ کر رکھ دیا جائے گا؟
دنیا آخرت کی کھیتی:

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ کسی نے خیر کو کاشت کیا تو اس کی فصل اٹھائے گا، کاٹے گا، اور کسی نے برائی کو کاشت کیا، اس کو کاٹنے کا، یوں کہتے ہیں: "الَّذِينَ خَرَوْهُمُ لَا يَجْرُونَ" (احقاف: ج: ۸ ص: ۵۳۹) یعنی دنیا آخرت کا کھیت ہے، یہاں تم اپنے اعمال کی کاشت کر رہے ہو اور جو بوڑھے وہی کانو گے۔

مقدم از مقدم برود جو ز جو

از مکافات عمل غافل مشو

"مقدم" کاشت کرو گے تو "مقدم" کانو گے، اور "جو" بیجو گے تو "جو" کانو گے، بہر حال تمہیں جو کچھ ملے گا وہ اپنا کیا ملے گا، یہ الگ بحث ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نیکی کو بڑھادیں اور اپنی رحمت سے برائی کو مٹادیں، لیکن یہ وہی وقت ہوگا جبکہ نیکی کاشت بھی کی ہو!!

مقدور کا رزق:

شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ جو کامل آدمی زمین کی کاشت کے وقت جب کہ بیج ڈالنے اور ہوائی کا موسم ہوتا ہے، میٹھی نیند سوتا رہے، اس کو کٹائی کے دن پتہ چلے گا کہ میرے سونے کی کتنی قیمت پڑی ہے؟ جہاں تک دنیا کا اور دنیا کی قسمت کا تعلق ہے، وہ بھی ساتھ کھ کر دے دی گئی ہے، ایسا ممکن نہیں کہ ایک سست آدمی اپنا حصہ اس لئے وصول نہ کر سکے کہ ذرا سی سستی ہو گئی تھی، نہیں! جتنا تمہارے لئے لکھا ہوا ہے، وہ تمہیں ملے گا۔

اور کوئی حریص اور لپکنے والا آدمی ایسی چیز کو حاصل نہیں کر سکتا اور نہیں پاسکتا

جو اس کے لئے مقدر نہیں، رزق مقدر سے ملے گا، تمہاری محنت سے نہیں، ہر چند کہ محنت کرنے کا بھی حکم ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

”مَطْلَبُ الْخُلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْقَرْبَانِ“

(کنز احسان ج ۳، حدیث ۹۲۰۳)

ترجمہ: ”حلال کا طلب کرنے فریضہ ہے بعد قربانہ

کے۔“

فریضہ ہے بعد فریضہ کے، جس کا مطلب یہ ہے کہ فرائض شریعہ ادا کرنے کے بعد اگر وقت پچتا ہے تو اس میں طلب حلال بھی فرض ہے۔

روٹی کے لئے دوسرے فرائض کی قربانی:

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس سرہ ارشاد فرماتے تھے: اب یار لوگوں نے بعد فریضہ کا لفظ اڑا ہی دیا ہے، بس ایک بات ہی یاد رہ گئی کہ رزق کی تلاش کرنا بھی تو فرض ہے، روٹی کمانا بھی تو فرض ہے، تو ایک تو بعد فریضہ کا لفظ حذف کر دیا، اور میں کہتا ہوں کہ ساتھ طلب حلال کا لفظ بھی حذف کر دیا لوگوں نے، بس اتنا یاد رہ گیا کہ روٹی کمانا فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ فرائض شریعہ ادا کرنے کے بعد حلال کا تلاش کرنا فرض ہے، حلال ملتا ہے تو لوہ نہیں ملتا تو وہ رزق کا ٹھیکہ تو ہمارا نہیں ہے، اللہ میاں نے خود اٹھایا ہوا ہے، ہم لوگوں کی حرص نے اور طلب دنیا نے باقی فرائض کو تو غارت کر دیا، نماز فوت ہوئی ہے، ہوتی رہے، جماعت نہیں ملتی، نہ سنے، اور دین کے جو دیگر فرائض ہیں وہ میسر نہ آئیں، نہ آئیں، روٹی کمانا شرط ہے، اور پھر حلال کی قید بھی ہم نے اڑا دی، بس کئی ہوئی چاہئے، مدنی آدنی چاہئے، حلال ہو یا حرام، اس سے بحث نہیں۔

سود کی کثرت:

صحیح بخاری شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی مروی ہے:

”بَاتَيْتُهُمْ عَلَى النَّاسِ وَهَٰذَا لَا يَبَالِي الْفَرَسُ مَا أَخَذَ

بَيْنَهُ أَمِنْ الْحَلَالِ أَوْ مِنَ الْحَرَامِ.“ (بخاری ج: ۱، ص: ۲۷۲)

ترجمہ:..... ”ایک وقت آئے گا کہ جب آدمی کو یہ

پرواہ نہیں ہوگی کہ کس چیز سے لے رہا ہے (پیسہ جو اس کو مل رہا

ہے کہاں سے مل رہا ہے؟) حلال سے یا حرام سے (حلال و

حرام کا تصور ہی غائب)۔“

اضطراری سود:

میرا بھائی، ایک ہے براہ راست سود لینا اور سود کا کاروبار کرنا، یہ تمبار سے اختیار کی چیز ہے۔ اور ایک ہے کہ کسی صورت میں بچاؤ ممکن نہیں، مثلاً کے طور پر پانی اب گدلا ہو گیا ہے، وہی بچاؤ پڑتا ہے، کیا کریں سود کی آمیزش ہوگئی تمام چیزوں میں، اور یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ”ایک وقت آئے گا کہ سود کا غبار یا فرمایا: بخار، ہر ایک کو پہنچے گا۔“

اضطرار پر گرفت نہیں:

اب اگر کسی علاقے کا موسم، اور وہاں کی آب و ہوا مسموم چیزوں کے ساتھ مخلوط ہوگئی ہے، تو جو لوگ اس آب و ہوا میں سانس لے رہے ہیں، ظاہر ہے مٹنا۔ مگر نہیں ہوں گے، اور اگر زہر خود اٹھا کر کوئی کھاد سے تو مٹنا ہوگا، جہاں تک تمبار، بس چلتا ہے حرام ذریعہ کا دروازہ اپنے اوپر بند کر دو، حلال ذریعہ اختیار کر دو، اب اگر حلال ذریعہ سے ملنے والا پانی بھی گدلا ہے تو آپ مٹنا ہوگا نہیں۔

ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر کاشت کرنے والے کو وہی ملے گا جو اس نے کاشت

کیا، کوئی سست آدمی اپنی سستی کی وجہ سے اپنے حصے سے اپنے رزق کے حصے سے پیچھے نہیں رہ سکتا، اس کو ملے گا، اور کوئی ہوشیار اور حریص آدمی اپنے لکھے ہوئے رزق سے زیادہ حاصل نہیں کر سکتا۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کوئی خیر عطا فرماویں تو اس کو شکر ادا کرنا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس عطا فرمانے والے ہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کسی شر سے بچائیں تو اس کو شکر کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کو بچایا ہے، خیر کا حاصل کرنا اور شر سے بچنا یہ بھی لطف خداوندی ہے، ورنہ تم شخص اپنے وسائل سے نہ شر سے بچ سکتے ہو، نہ خیر کو حاصل کر سکتے ہو، تو تین الہی مددگار ہو اور عنایت الہی مستوجب ہو تو آدمی خیر کو حاصل کر سکتا ہے اور شر سے بچ سکتا ہے۔

متقی سردار:

پھر فرمایا متقی لوگ سردار ہیں، قرآن کریم میں بھی ارشاد باری ہے:

”إِنَّا أَكْثَرُ مَعَكُمْ بِعِزِّ اللَّهِ أَتَفْلَحُونَ“ (الحجرات: ۱۳)

ترجمہ: ”... تم میں سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک وہ

ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔“

قیامت کے دن کی سرداری ریاست اور وجاہت یہ تقویٰ کے پیمانے سے ٹاپ ٹاپ کر تقسیم کی جائے گی۔

فقہاء قائد ہیں:

اور فقہاء قائد ہیں، قائد کے معنی قیادت کرنے والا، آگے چلنے والا، ہمارے یہاں تو قائدوں کی بہت سی قسمیں ہیں، ایک قائد اعظم ہیں، ایک قائد عوام ہیں، اب کوئی نیا قائد پیدا ہوا ہوگا، درست ہے بھائی! بالکل بجا ہے، تم جس قائد کے پیچھے آکھیں بند کر کے چل رہے ہو، یہ سوچ لو کہ کدھر لے جا رہا ہے جنت کی طرف یا جہنم کی طرف؟ وہ تمہاری قیادت کرتے ہوئے کدھر تمہیں ہانک رہا ہے؟ اور حضرات

فقہائے امت کی قیادت قبول کر دے اور ان کے پیچھے چلو گے تو وہ تمہیں کتاب و سنت کے سرچشمے پر لے جائیں گے، اور کتاب و سنت کا سرچشمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حوضِ کوثر ہے، یہاں کتاب و سنت سے سیراب ہو گے اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت حوضِ کوثر سے سیراب ہو گے، اس کے بارے میں فرمایا:

"مَنْ وَدَّعَهُ فَشَرِبَ مِنْهُ لَمْ يَكُنْ بِغَدَاةٍ ابَدًا."

(صحیح مسلم ج ۳ ص ۲۵۱)

ترجمہ: "جو شخص ایک دفعہ اس میں سے پی لے گا،

پھر اس کو کبھی پیاس نہیں لگے گی۔"

پھر پیاس ہمیشہ کے لئے ختم، پیاس کا علاج ہو گیا، حضرات فقہاء کی قیادت میں اگر تم کتاب و سنت کے چشمہ شیریں تک پہنچ جاؤ گے اور اس کا ایک گھونٹ پی لو گے تو پھر انشاء اللہ تمام طریقہ زندگی سے بے نیاز کر دیں گے، تہباری پیاس بجھ جائے گی، تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا پھر کسی اور کا طریقہ زندگی اچھا ہی نہیں لگے گا، پیاس ہی بجھ جائے گی۔

فقہاء کے دشمن:

لیکن اللہ کی کچھ مخلوق اب پیدا ہوئی ہے جو فقہاء کے دشمن ہیں، جب حضرات فقہاء کو قائد بنا دیا گیا اور دوسرے حضرات ان کے پیچھے پیچھے چلنے والے ہیں اور یہ سب پہنچ رہے ہیں حوضِ کوثر پر، کتاب و سنت کے حوضِ کوثر پر، تو جو شخص کہ اس قافلے سے کٹ کر دوسری طرف جائے گا اس کے بارے میں کیا خیال شریف ہے؟ ہر چند کہ دعویٰ کرتا ہے کتاب و سنت پر عمل کرنے کا، مگر حضرات فقہاء سے کٹ کر کوئی شخص کتاب و سنت پر عمل نہیں کر سکتا، اپنی خواہش پر عمل کرے گا، جیسے کہتے ہیں کہ میں نے یہ سمجھا ہے کتاب اللہ سے، کتاب اللہ میں ہے بھی یا تو نے دیسے ہی سمجھ لیا، یہ بھی

تو سوچنے کی بات ہے، جیسے مرزائی لوگ قرآن سے ثبوت نہیں کیا کرتے ہیں کہ نبوت جاری ہے، کسی مرزائی سے بات کرو، وہ تمہیں آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے گا، انا للہ وان الیہ راجعون! اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مر گئے ہیں اور وہ حوالے تو دیتے ہیں اپنے خیال میں کتاب اللہ کے، لیکن حقیقت میں وہ مضمون کتاب اللہ کا نہیں، ان کے نفس کی کتاب کا ہے، جس کو ہوا کہتے ہیں، یعنی خواہش نفس۔

صحیح غلط کا معیار!

آج ہر آدمی کتاب کھول کر ہمیں آیتیں سنارہا ہے، تو بھی اس کی صحت و خن کا بھی تو معیار ہونا چاہئے کہ صحیح ہے یا غلط ہے؟ اس کا بھی کوئی معیار تو ہو، کوئی چکانہ تو ہو، تم لیبارٹری میں جا کے دوائیں ٹیسٹ کرواتے ہو، پانی ٹیسٹ کرواتے ہو، دوسری چیزیں ٹیسٹ کرواتے ہو، پینٹاب ٹیسٹ کرواتے ہو، لیکن نظریات کی کوئی لیبارٹری نہیں تمہارے یہاں؟ قرآن و سنت کے دلائل کو جانچنے اور پرکھنے کی کوئی فیکٹری اور کوئی لیبارٹری نہیں، جس کے ذریعے تمہیں معلوم ہو سکے کہ یہ استدلال صحیح ہے یا غلط ہے؟ یہ نتیجہ درست ہے ورنہ نتیجہ نادرست ہے، اب تو لوگوں کی نگر میں ہر باطل پرست اور حق پرست ایک ہی کانٹے سے تولے جا رہے ہیں اور اپنے نفس کو بھالنے کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ اچھا! مولوی نڑتے بہت ہیں! مولوی لڑتے ہیں؟ بھائی! مولوی باطل لڑا کرتے اگر تمہارے پاس صحیح چکانہ موجود ہوتا، اگر تمہارے پاس صحیح چکانہ موجود ہوتا تو تم باطل پرست کی گردن کٹز لیتے اور یہ جو لڑنے والے ہیں آپ ان سے پوچھتے کہ جو بات تم کہہ رہے ہو غم سے پہلے بھی کسی نے کہی ہے؟ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے؟ امام ابو حنیفہؒ نے؟ شاذ عبدالقادر جیلانیؒ نے؟ امام غزالیؒ نے؟ مجدد الف ثانیؒ نے؟ کسی بزرگ کو نام تو ہو، اگر تم اس بیٹانے پر ان باطل پرستوں کو دیکھتے، تولتے اور اس لیبارٹری میں بن کا تجزیہ

کرتے تو تمہیں فوراً معلوم ہوگا کہ یہ صحیح ہے، یہ غلط ہے۔

پوری امت ایک طرف اور غلام احمدؒ دینی صحت و دوسری طرف ہے، مگر یہ لوگ ان کی باتیں بھی سن لیتے ہیں اور سن کر متاثر ہو جاتے ہیں، ہر قادیانی ایسی حربہ زبانی سے بات کرتا ہے کہ سننے والے متاثر ہو جاتے ہیں۔ اور اسی طرح منکرین حدیث بھی لوگوں کے پاس جا کر اپنی سیدھی باتیں کرتے ہیں، اسی طرح وہ لوگ جو حضرات فقہاء کے منکر ہیں، یہ فقہاء جو امت کے مسئلہ فقہاء ہیں، جیسے امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ یہ امت کے مسئلہ امام ہیں۔ کیونکہ پوری کی پوری امت ان کی نفاہت پر، ان کی فضیلت پر، ان کے تقویٰ و طہارت پر متفق ہے، یہ لوگ غلط راستے پر چلنے والے نہیں تھے، اپنے علم کے اعتبار سے، اپنے فہم کے اعتبار سے، اپنے تقویٰ کے اعتبار سے، اول کی روشنی کے اعتبار سے، بصیرت کے اعتبار سے، وہ امت کو غلط راستے پر نہیں لے جا رہے تھے، اور اگر غلط راستے پر لے جانے والے ہوتے تو اللہ کے مقبول بندے ان کے نقش قدم پر نہ چلتے، آخر اور بھی تو بہت سے گمراہ ہوئے ہیں، لیکن امام ابوحنیفہؒ کا نام دنیا میں آفتاب کی طرح چمک رہا ہے، پورے عالم میں روشنی پھیل رہی ہے، آخر کیوں؟

امام ابوحنیفہؒ کا خواب:

امام محمد بن سیرینؒ جو اکابر تابعین میں سے ہیں، اپنے وقت کے بہت بڑے معتمد تھے، یعنی خوابوں کی تعبیر بتانے والے، امام ابوحنیفہؒ کی عمر ان سے کم تھی، ان کا انتقال سن ۱۱۰ ہجری میں ہوا ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کا انتقال ان کے چالیس سال بعد ۱۵۰ھ میں ہوا ہے، امام ابوحنیفہؒ نے خواب بیان کیا اور کہا، حضرت! خواب بڑا خراب سر دیکھا ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ تو جوان تھے، محمد بن سیرینؒ نے فرمایا، کیا خواب دیکھا ہے؟ فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو کھود رہے ہوں اور اس

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہڈیاں جمع کر رہا ہوں، فعوذ باللہ! استغفر اللہ! لا حول ولا قوۃ الا باللہ!

اول تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھودنا، حالانکہ کسی مسلمان کی قبر کھودنا جائز نہیں اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہڈیوں کے جمع کرنے کا کیا سوال؟ آپ تو اسی طرح حیات ہیں جس طرح دنیا میں حیات تھے، بہت گھبرائے ہوئے تھے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کو فہم ہے بعمرہ پہنچے تھے اس تعبیر کو معلوم کرنے کے لئے۔

خواب کی تعبیر:

محمد بن سیرینؒ نے فرمایا: تم نے یہ خواب دیکھا ہے؟ کہا: جی میں نے دیکھا ہے، فرمایا: اگر تم نے واقعی یہ خواب دیکھا ہے تو تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کو جمع کرو گے۔ اور علمائے امت اس بات پر متفق ہیں۔ جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ”تلبیح الصحیفہ“ میں نقل کیا ہے۔ ”أَوَّلُ مُدَوِّنِ الْعِلْمِ“ سب سے پہلے مخلص حضرت امام ابوحنیفہؒ ہے جس نے علوم کو مدون کیا، ایک ایک باب کا الگ الگ مسئلہ، وضو کے مسائل، غسل کے مسائل، حیم کے مسائل، وغیرہ وغیرہ، اور حج، تو یہ امام ابوحنیفہؒ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے فقہی مسائل کو الگ طور پر مدون اور مرتب کیا، اور اسی بنا پر حضرت امام شافعیؒ فرماتے تھے: ”جو شخص کہ علم فقہ حاصل کرنا چاہتا ہے (فقہ کہتے ہیں قرآن و سنت کے فہم کو) وہ ابوحنیفہؒ کا محتاج ہے، ابوحنیفہؒ کا عیاں ہے، جس دن امام ابوحنیفہؒ کا انتقال ہوا تھا، اس دن امام شافعیؒ کی ولادت ہوئی تھی، اللہ کی شان ہے کہ امام شافعیؒ ان کے سامنے پہنچے ہیں۔ اور حضرت امام کے شاگردوں کے شاگرد ہیں، انہوں نے حضرت امام سے نہیں، بلکہ حضرت امام کے شاگردوں کے شاگردوں سے استفادہ کیا ہے، امام محمدؒ اور دوسرے شاگردوں سے۔“



شب برأت

فضیلت و اہمیت

سبح رَحْمٰتُكَ رَبِّهِمْ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى رَسُوْلِكَ
(ترجمہ ظہر و مائل) صلی علیہ و آلہ و سلم

اس شبِ برکت کے بارے میں جو کرنے کے کام ہیں اور جو نہ کرنے کے کام ہیں، ان کے متعلق چند باتیں عرض کرتا ہوں، حق تعالیٰ شانہ ہمارے قلوب میں صحیح استعداد پیدا فرمائے، اپنے اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو سمجھنے، ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ان کو قبول بھی فرمائے۔

عنایت الہی:

یہ حق تعالیٰ شانہ کی خاص عنایت ہے کہ محض مبارک اوقات کی محبت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دی ہے، باوجود اس کے کہ حق تعالیٰ شانہ کی عنایتیں ہر وقت انسان کے شامل حال رہتی ہیں، لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ جمعہ کا اجتماع، عام نمازوں سے زیادہ ہوتا ہے، رمضان مبارک میں مسلمانوں کی توجہ زیادہ ہوتی ہے، یہ نسبت اور محبتوں کے، اور اسی طرح جو خاص اہمیت کی راتیں ہیں، ان میں بھی ہماری رغبت زیادہ ہوتی ہے یہ نسبت عام راتوں کے، یہ بھی حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے بندوں پر خاص عنایت ہے کہ اس کی خصوصی عنایت اور مغفرت کے جو

مواقع ہیں، یا عنایت اور مغفرت کے جو سبب ہیں ان کی محبت زیادہ ڈال دی جاتی ہے، اور یہ عنایت یوں ہے کہ شاید اسی راستے سے کسی کا کچھ کام بن جائے۔ تو حق تعالیٰ شانہ نے ہمیں اس موقع پر جمع ہونے کی توفیق عطا فرمادی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بھی توقع رکھنی چاہئے۔

نیکی زیادہ تو گناہ بھی!

لیکن اسی کے ساتھ دوسری بات بھی ذہن میں رکھو، تصویر کے دونوں پہلو سامنے رکھنے چاہئیں جس طرح خاص مقامات میں عبادت کا درجہ بڑھا ہوگا، اسی طرح ان مواقع پر گناہ کا دہلی بھی دوسرے اوقات کی نسبت زیادہ ہوگا، چنانچہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ! اگر کوئی شخص میں پیشاب کرے تو بہت بری بات ہے، لیکن اگر کوئی شخص چاہے مزم میں پیشاب کرے تو اس سے بدتر بات ہوگی، بلکہ نعوذ باللہ! کفر کے درجے تک پہنچنے والی بات ہوگی، اسی طرح اگر کوئی شخص عام مسجدوں کی بے حرمتی کرے تو بہت ہی بری بات ہوگی، لیکن خدا نخواستہ اور نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ! اگر حرم شریف میں کوئی گستاخی اور بے ادبی کرے تو یہ اور زیادہ بدترین بات ہے، ایسے ہی آخر شب کا وقت، جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا وقت ہے اس وقت میں اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو بہت بڑا درجہ ہے، اور اگر کوئی نعوذ باللہ! اس وقت بدکاری کرے، یا چوری کرے تو اس کا بدترین ہونا ظاہر ہے، یہ ساری باتیں میں نے سمجھنے کے لئے عرض کی ہیں کہ جن اوقات یا مقامات میں عبادت کا درجہ بڑھا ہوا ہوتا ہے، ان مقامات میں یا اوقات میں گناہ کا درجہ بھی بڑھا ہوا ہوتا ہے، اور ان اوقات میں گناہ کرنا زیادہ سنگین ہوتا ہے۔

ایک کی لاکھ مرغیاں:

اس پر ہمارے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کا لطیف یاد آیا کہ جب پہلے

جنگ پر مجھے تھے تو شاہ عبدالقادر قدری سر و بھی ساتھ تھے اور مدینہ طیبہ جاتے ہوئے حضرت مولانا غلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ کو (یہ اس وقت نوجوان اور پورے قافلے میں سب سے زیادہ کم عمر تھے) ”الْبَئِضَةُ مِنْ قُرَيْشٍ“ (کہ از قریش میں سے ہوں گے) کہہ کر امیر قافلہ بنا دیا تھا۔ تو ایک موقع پر حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے ہاں مرغی پکائی گئی تھی، اور شیخ رحمہ اللہ اس وقت اتفاق سے موجود نہ تھے، ان کی شرکت نہ ہو سکی، حضرت رائے پوریؒ نے معذرت کی کہ آپ اس کھانے میں تشریف فرما نہیں تھے، تو بے تکلفی سے شیخ نے فرمایا کہ حضرت! آپ کو اس کا مواضع ادا کرنا پڑے گا، شاہ عبدالقادرؒ نے فرمایا کہ حضرت ضرور مواضع ادا کریں گے، شیخ نے کہا کہ حضرت! یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں کی ایک نیکی لاکھ نیکی کے برابر ہے، تو ایک مرغی کی لاکھ مرغیاں بنتی ہیں، چنانچہ حضرت رائے پوریؒ نے ساری عمر حضرت شیخ کا یہی قرض چکایا، میں سے خط لکھتے شروع کر دیئے کہ شیخ کی ایک لاکھ مرغی ہمارے ذمے واجب ہے، اس کا انتظام کر رکھو۔ یہ تو میں نے لفظ عرض کر دیا کہ ایک مرغی کی لاکھ مرغیاں بنتی ہیں، حرم شریف میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک روپیہ خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک لاکھ روپیہ پاؤ گے، وہاں ایک دو گنا نہ ادا کرو گے تو ایک لاکھ دو گنا نہ کا ثواب ملے گا، اسی طرح عرض کر رہا ہوں کہ اگر خدا بخوات کوئی ان چلے تو پھر بہت بری بات ہے، اس کا گناہ بھی اتنا ہی سنگین ہوگا۔

گناہوں سے بچنا زیادہ ضروری ہے:

اسی کے ساتھ ایک بات اور ہے کہ آدمی نیکی چاہے تھوڑی کرے، لیکن بروائی سے بچنے کی بھرپور کوشش کرے، کیونکہ نیکی منافع کی چیز ہے، جتنا کمالو گے اتنا تمہارا زرمبادلہ بن جائے گا، لوگ دینی، سودی عرب چاکر کھاتے ہیں اور گھر والوں کو خرچ سمجھتے ہیں یا پیسے جمع کر کے لاتے ہیں، یہ ہماری نیکیوں ہمارا زرمبادلہ ہیں، یہ وہاں

آخرت میں ملے گا، کسی نے زیادہ کمالیا، زیادہ ملے گا، کم کمایا تو کم ملے گا، لیکن اگر برائیاں کرو گے تو یہ بہت سنگین بات ہے، نیکی تو چاہے تھوڑی کرو لیکن برائی سے بچنے کی زیادہ کوشش کرو، یہ دو باتیں ہونگی۔

میں ایک غلطی پر سمجھ کر رہا تھا ہوں کہ ان دونوں باتوں کی لوگ رعایت نہیں رکھتے، ایک تو یہ کہ نیکی کی رغبت ہوتی ہے اور ہونی چاہئے، عرض کر رہا ہوں کہ نیکی زرمبادلہ ہے، جتنی زیادہ آدی نیکی کرے اتنی کم ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذر غفاریؓ کو ایک موقع پر فرما رہے تھے، حضرت ابوذرؓ بڑے زاہد صحابی تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ان کے مطلب اور ذوق کی باتیں فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ نے ان سے فرمایا:

”يَا أَبَا ذَرٍّ خَفِيفَ الْحِمْلِ فَإِنَّ الْعَقَبَةَ تَكُونُ، وَخَبْدَ الزَّادِ فَإِنَّ الشَّفَرَّ طَوِيلٌ، وَاصْبِرْ الْعَمَلِ فَإِنَّ النَّاقِدَ يَصِيرُ.“

ترجمہ:..... ”اے ابوذر! بوجھ ذرا تھوڑا اٹھانا اس لئے کہ گھائی بڑی دشوار گزار ہے (جس گھائی پر تمہیں چڑھنا ہے وہ بڑی دشوار گزار ہے، ذرا بوجھ کم اور ہلکا رکھنا)، اور ذرا توشلے کر چلنا اس لئے کہ سفر بڑا لمبا ہے، اور عمل ذرا کھرا لے کر چلنا اس لئے کہ پرکھنے والا بہت سمجھ رکھتے والا ہے، اس کی نظر بڑی باریک ہے۔“

اگر کھوٹ ملا ہوا ہوگا تو نکال دیا جائے گا، وہاں کھوٹ نہیں چلتا ہمیں تو ہر چیز میں ملاوٹ کی عادت ہے، اور اخلاص کے معنی ہیں ملاوٹ نہ کرنا، یعنی اپنے عمل میں ملاوٹ مت کرو، خالص اللہ کی ذات کے لئے کرو، عمل بھی خالص ہو اور خالص اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ہو، لوگوں کو دکھانے یا ریا کے لئے، یا مخلوق کی خاطر نہ ہو،

کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”توشہ منے کر چلو اس لئے کہ سفر بہت لمبا ہے۔“

نیکی کرنا آسان ہے:

لیکن ہم لوگوں کو نیکی کرنے کی طرف جتنی رغبت ہے، اتنا برائی سے بچنے کا اہتمام نہیں۔ یہ ایک عجیب بات ہے، میں تو اپنی بات کر رہا ہوں، آپ کی بات نہیں کر رہا، آپ اپنے طور پر اپنی حالت پر غور کر لیجئے، عام ذوق یہ ہے کہ نیکی کی طرف رغبت تو بہت ہوتی ہے، لیکن برائی سے بچنے کا اہتمام کم ہے۔

ہمارے حضرت تھانوی قدس سرہ نے اس کی عجیب حکمت بیان فرمائی، فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ نیکی میں نفس اپنا کچھ حصہ لگا لیتا ہے، کم از کم لذت ہی سہی، یا یوں خیال کر لیا جاتا ہے کہ تراب اچھے آدمی بن گئے ہو کہ نیکی کا کام کرتے ہو، چنانچہ دو اپنا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لگا دیتا ہے، اس لئے نیکی پر لگنا تو اس کے لئے آسان ہے۔

گناہ کو چھوڑنا مشکل ہے:

لیکن برائی چھوڑنے میں چونکہ کوئی لذت نہیں، نہ ہی کسی کو پچھتاہٹ ہے کہ اس نے برائی چھوڑی، نہ اس میں ریاکاری چل سکتی ہے اور نہ کچھ نفس کو لذت آسکتی ہے، نیکی ایک دُجوئی یعنی کرنے کا کام ہے، کوئی بھی کرے گا تو دوسرا اسے دیکھے گا، ریاکاری کا بھی اس میں احتمال، خود اپنے نفس کو بھی لذت، اس لئے نیکی کرنے کی طرف تو نفس کو رغبت ہوتی ہے، مگر برائی اور بدی چھوڑنے کی طرف رغبت نہیں ہوتی، اس لئے کہ اس میں لذت نہیں ہوتی، تو میں نے کہا:

ایک یہ کہ نیکی کا اہتمام چاہے تھوڑا کرو، لیکن ہدی سے بچنے کا اہتمام زیادہ کرو۔

دوسری بات یہ کہ خصوصیت کے ساتھ مقدس مقامات میں، مقدس اوقات

میں بدی کے کرنے سے زیادہ سے زیادہ ڈرو، چنانچہ جمعہ کے دن اور عصر کے بعد کا وقت بھی بہت زیادہ مبارک وقت ہوتا ہے، اس وقت میں بدی کا ارتکاب بہت بری بات ہے، رمضان المبارک کا مہینہ بہت ہی مبارک مہینہ ہے، بہت ہی مبارک وقت ہے۔

میرے پاس آج اکثر خطوط رمضان المبارک کے مسائل سے متعلق آ رہے ہیں، لوگ پوچھتے ہیں کہ روزہ رکھ کر اگر فلمیں گانا سننا جائے تو اس سے روزہ تو نہیں ٹوٹتا؟ رمضان المبارک کی تقریریں تو رمضان المبارک میں ہوں گی، یہ درمیان میں ایک مثال کے طور پر بات کہنی، آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرومی سنا ہوگا:

”مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْفُحْشِ بِهِ فَلَيسَ بِهِ حَاجَةٌ لِي أَنْ يَدْعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ“ (مسلم ۱۷۹۷)

ترجمہ: ”جو شخص روزہ رکھنے کے باوجود غلط کاریوں اور فحش بات کو نہیں چھوڑتا، تو اللہ تعالیٰ کو کچھ پروا نہیں اور کوئی ضرورت نہیں کہ وہ ان کھانا پینا چھوڑ دے۔“

ماننے اور آتش بازی سنگین جرم ہے:

اسی طرح یہ شب براءت کی ساعت اور اوقات ہیں ان میں بھی گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے، مجھے ان پانچوں سے شدید تکلیف ہو رہی ہے، لوگ کہتے ہیں کہ یہ کارواں ہے، ایسا ہیوں سمجھتے ہوں گے کہ نہ ڈاؤن ہے نہ گناہ ہے، لیکن عرض کروں چاہتا ہوں کہ سندھ کے لئے کم از کم یہ معلوم کر لیجئے کہ یہ گناہ ہے، اگر بات مبارک ہے تو جس طرح اس رات میں نیکی کرنے کا درجہ زیادہ ہے، اسی طرح اگر گناہ ہے تو جرم بھی زیادہ ہے، اس لئے اس رات میں پناہ، آتش بازی کرنا

یہ بہت ہی زیادہ ٹھیکیں جرم ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عقل عطا فرمائے۔

تو یہ ایک بات میں نے عرض کی، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے کہ مبارک اوقات کی محبت ہمارے دلوں میں ڈال دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کی اس عنایت کا ہمیں شکر کرنا چاہئے اور ساتھ کے ساتھ توقع اور امید بھی رکھنی چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ عنایت اور توفیق ہم پر فرمائی ہے، تو انشاء اللہ اس کو قبول بھی فرمائیں گے، اور ہمیں اپنی رحمت کا مورد بھی بنائیں گے۔ وانشاء اللہ!

شب برأت مانتے کی رات ہے:

دوسری بات حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”لَيْلَانِ اللّٰهُ تَعَالٰی يَنْزِلُ لَيْلَهَا يُغْرِزُ فِيهَا الشَّيْطَانُ إِلَى السُّبْحِ الدُّنْيَا لَيَقُولُ: أَلَا مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرْ لَهُ، أَلَا مِنْ مُّسْتَزِرٍّ فَأَرْزُقْهُ، أَلَا مِنْ مُّغْفِرٍ فَأَغْفِرْهُ، أَلَا تَحْذَرُ الْآلَا حُكْمًا.“
(مسئله ص ۱۱۵)

ترجمہ:..... ”شعبان کی چند راتوں کو اللہ تعالیٰ

قریب کے آسمان پر نزول فرماتے ہیں، اور یوں پکارتے ہیں: کیا کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اس کی بخشش کر دوں، کیا کوئی رزق مانگنے والا ہے کہ میں اس کو رزق دوں، کیا کوئی جلائے مصیبت ہے جو اس مصیبت سے بچنے کی درخواست کرے، میں اس کو عافیت عطا کر دوں، کیا کوئی فساد کا آدمی ہے، فلاں قسم کا آدمی ہے، ایک ایک ضرورت کا غم لے کر اللہ میاں پکارتے ہیں۔

تو اس رات میں کرنے کے دو کام ہیں، ایک تو جہاں تک ممکن ہو سکے

عبادت کرد اور قرآن کریم کی تلاوت کرو، نماز پڑھنا سب سے افضل ہے، لیکن اگر بیٹھ کر تسبیحات پڑھنا چاہو تو یہ بھی جائز ہے، غرضیکہ اللہ کی یاد میں جتنا وقت بھی گزار سکتے ہو، گزارو، باقی سونے کا تقاضا ہو تو سو جاؤ، فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ضرور پڑھ لو، تو ایک یہ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے عبادت میں وقت گزارا جائے، اور دوسرے یہ کہ رات اٹھنے کی ہے، کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگا جائے، مانگا کیا جائے؟ اس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمادیا ہے، مختصری اس کی تشریح کر دیتا ہوں۔

مانگنے کی تین چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہیں، ایک تو اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو، دوسرے اللہ تعالیٰ سے رزق مانگو، اور تیسرے اللہ سے عافیت مانگو، لیجئے خدا تعالیٰ نے تجھیں تمہارے ہاتھ میں دے دی ہیں، جتنا چاہے کھولو اور لو، فرمایا ایک اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو۔

مغفرت مانگیے :

بھائی! مغفرت کے معنی ڈھانکنے کے ہیں، آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے اندر جو کچھ ہے وہ ناپاکی اور گندگی کے سوا کچھ نہیں، چنچر ابھی جمیل، دو تو خون نکلے لگے گا، اور اگر خدا نخواستہ پیٹ میں سوراخ ہو جائے تو پھر جو کچھ ہوگا وہ ظاہر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر اس حسین و جمیل چہرے کا پردہ ڈال دیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ پاک سے پاک مجلسوں میں اور معزز مجلسوں میں ہم بیٹھتے ہیں، لیکن جو گندمیاں ہمارے اندر چھپی ہوئی ہیں، وہ اس پردے کی وجہ سے لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتیں، خدا نخواستہ ہماری گندمیاں ظاہر ہونے لگیں تو ہم کسی شریفانہ محفل میں بیٹھنے کے لائق نہ ہوتے، یہ تو ظاہری چہرے کی بات کر رہا ہوں، اور بالکل اسی طرح معنوی طور پر ہمارے اندر جو قصور، لغزشیں، خطائیں ہیں، جو جرائم اور گناہ ہم نے کئے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی ستاری کا پردہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو فاش نہیں فرماتے، دنیا میں اللہ تعالیٰ نے

ستاری فرما رکھی ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ کی خدمت میں ایک چور لایا گیا، حکم فرمایا کہ اس کے ہاتھ کاٹ دو کہ شریعت کا حکم ہے، چور ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہو گیا کہ امیر المؤمنین میں نے پہلی دفعہ چوری کی ہے، آپ اس دفعہ تو مجھے معاف کر دیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کے دشمن! تو جھوٹ بولتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس سے کریم ہے کہ پہلی بار آدمی کو پکڑا دیں، یہ اس کے کرم سے بعید ہے۔ جن لوگوں کے پر دے فاش ہو جاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے سامنے جری بن جاتے ہیں:

ہم مشو مغرور از علم خدا

دیر گیرد خست گیرد سر ترا

ہاں اللہ کے علم اور اس کی ستاری سے مغرور نہ ہو جاؤ، دھوکہ نہ کھا جاؤ، اس لئے کہ دیر سے پکڑیں گے لیکن جب پکڑیں گے تو سخت پکڑیں گے۔

میں عرض کر رہا ہوں کہ ہم میں سے ہر شخص کو اپنا مطالعہ کر کے اپنا ایک سرے کرنا چاہئے، اپنے چہرے کے نیچے کرید کر دیکھو تو نجاست ہی نجاست بھری ہوئی نظر آئے گی، یہ اوپر سے ہم پر اللہ تعالیٰ کی ستاری کا پردہ پڑا ہوا ہے، اگر نہ کوئی کرید کر دیکھے تو ہمارے گناہ، وساوس، خیالات، اور اندرونی جذبات وغیرہ تو اندر نجاست ہی نجاست ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی ستاری ہے کہ ہم پر پردہ ڈال دیا ہے، اگر کوئی جری ہو جاتا ہے تو تھوڑا سا پردہ اٹھا دیتے ہیں، اس کو اپنی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے کہ تو ایسا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بہت ہی پردہ پوش اور ستار ہے، بقول شیخ سعدیؒ کے کہ: ”گناہ سید و پردہ پوشد حکم“ گناہوں کو دیکھتا ہے، اور اپنے حکم کے ساتھ پردہ ڈالتا ہے۔

خدا کے سوا تم نے کوئی ایسا دیکھا کہ اس کے سامنے تم اس کا تصور کرو، اور وہ تمہیں رسوا کرنے پر بھی قادر ہو اور رسوا نہ کرے؟ تم سے انتقام لینے پر قادر ہو اور انتقام نہ لے؟ اللہ کی شان رحیمی و کریمی، ستاری و غفاری سب کہ ہم سراپا تصور و عیب

ہیں، مٹا کرتے ہیں، مسلسل کرتے ہیں، اور بے دھڑک، بغیر جھجک اور بغیر وقفے کے کرتے ہیں، لیکن اللہ میاں پردے ڈالتے چھپے جاتے ہیں، تم نادان ہو لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں لوگوں کے سامنے رسوا نہیں کرتا، یہ ہے اللہ کا پردہ ڈالنا، اس پردہ ڈانے کو مغفرت اور بخشش کہتے ہیں، اگر یہ پردہ دنیا میں ہی رہا، اور آخرت میں یہ پردہ اٹھالیا گیا تو سمجھو کہ پکار بوجھ لیکن اگر اللہ رب العزت نے دنیا میں پردہ ڈالے رکھا، اور اسی طرح آخرت میں بھی پردہ ڈال دیا اور ہمارے محبوب کو مخلوق کے سامنے ظاہر نہ فرمایا تو اس کو بخشش اور مغفرت کہتے ہیں، محبوب تو ہمارے ذاتی تقاضے ہیں، وہ تو ہم سے جدا نہیں ہو سکتے، جیسے ممکن نہیں ہے کہ انسان کے بدن کو چھیلو اور اندر سے خون وغیرہ نہ نکلے، اسی طرح ہماری عہدیت اور بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم سے لغزشیں، خطائیں، کوتاہیاں ہوتی ہیں، یہ ہر رازِ مہم ذات ہے، حق تعالیٰ شانہ اپنی رحمت سے جیسے ان تمام چیزوں پر دنیا میں پردہ ڈال رہے ہیں، آخرت میں بھی ڈال دیں تو اس کو مغفرت کہتے ہیں، اب ایک تو اس رات میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش مانگو۔

ایک بات یاد آگئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا ہے

”اَللّٰهُمَّ لَا تُعْزِمْنِيْ فَاَنْتَ كَبِيْرٌ عَلٰی عَالَمٍ وَلَا تُعَذِّبْنِيْ

فَاَنْتَ كَبِيْرٌ عَلٰی قَادِرٍ“ (کنز العمال ج ۲ حدیث ۵۱۲۶)

ترجمہ: ”اے اللہ مجھے رسوا نہ کیجئے، کیونکہ آپ

مجھے جانتے ہی ہیں، اور مجھے عذاب اور سزا نہ دیجئے اس لئے کہ

آپ مجھ پر قادر ہیں (جب چاہیں عذاب دے سکتے ہیں، آپ

کی قدرت ہے)۔“

اسی طرح ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے

درخواست فرماتے ہیں:

”يَا مَنْ لَا تُضِرُّهُ الذُّنُوبُ وَلَا تَنْقُصُهُ الْمَغْفِرَةُ،

هَبْ لِي مَا لَا يُغْنِيكَ وَأَعْفِرْ لِي مَا لَا يَغْفِرُكَ."

(اترغ: ج ۵ ص ۸۷)

ترجمہ: "اے وہ ذات جس کو بندوں کے گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچاتے، اور جس کے خزانے میں، مغفرت کوئی نقص اور کمی پیدا نہیں کرتی (اگر اللہ تعالیٰ سب مجرموں کو یک قلم بخش دیں تو کچھ نقصان بھی نہیں ہوا) مجھ کو وہ چیز عطا فرما دے جو آپ کے خزانوں میں کمی نہیں کرتی اور مجھ کو وہ چیز معاف فرما دے جو آپ کو نقصان نہیں پہنچاتی (یعنی میرے گناہوں کو معاف فرما دے)۔"

تو اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو جیسے بھی مانگ سکتے ہو، اور یوں سمجھ کر مانگو کہ وہ ہمارا خدا ہے، ہم اس کے بندے ہیں، کسی جتنی سے معاملہ نہیں ہو رہا، اپنے خدا سے ہو رہا ہے، اپنے رب سے مانگ رہے ہیں، ہمارا کام ہی مانگنا ہے، اور اس کا کام عطا کرنا ہے، بلبل کر مانگو، گڑبڑ کر مانگو، امید کے ساتھ مانگو، اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دے، کوئی بے ادبی کا لفظ نہ ہو، وہ ہمارے مالک اور خدا ہیں، ہمیں اپنے خدا پر تار ہونا چاہئے۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ سے ایک تو بخشش مانگو اور جس کا غلامہ میں نے عرض کر دیا کہ یا اللہ! دنیا اور آخرت میں ہرے عیوب اپنی مخلوق کے سامنے ظاہر فرما کر ہمیں روانہ کر دینے، یہیہ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے

"اللَّهُمَّ احْسِبْنِي غَافِقَةً فِي الْأَمْوَالِ كُفْبَةً وَأَجْرُنَا مِنْ حَزَبِ الدُّنْيَا وَغَدَابِ الْآخِرَةِ."

(کنز العمال ج ۳ حدیث ۳۶۳۳)

ترجمہ: "اے اللہ! تمام امور میں ہمارا اثیم اچھا

کر، اور ہمیں دینا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے محفوظ فرما۔“

کیونکہ آخرت میں جس کو رسوا کریں گے اس کو عذاب دیئے بغیر نہیں چھوڑیں گے، یا اللہ! ہماری خطاؤں سے درگزر فرما کر دنیا کی رسوائی اور آخرت کی رسوائی اور عذاب سے بچالینے، نہ دنیا میں ہمارا پردہ لوگوں میں فاش کیجئے اور نہ آخرت میں ہمارا پردہ اپنی مخلوق کے سامنے فاش کیجئے، یا اللہ! ہماری بخشش فرما دیجئے، اور اگلے پچھلے، چھوٹے بڑے جتنے گناہ ہیں، ان سب کی معافی مانگو، اس طرح مانگو کہ گویا آج تو سارے قرضے بے باق کر کے جانا ہے، آج سارا معاملہ نمٹا کے جانا ہے۔

رزق مانگیئے:

دوسرا رزق مانئیں، کیونکہ اعلان ہوتا ہے: ”لَا يَمُنُّ مَنْ قَرَّبَ رِزْقَهُ“ کیا ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ اس کو میں رزق دوں، بھائی ہم تو رزق اسی روٹی پانی کو سمجھتے ہیں، اور اس میں لوگ پریشان بھی بہت ہیں، اپنی اپنی سمجھ اور اپنا اپنا خیال ہے، تاہم جہاں تک تمہارا تصور جاسکتا ہے، وہاں تک رزق کے حدود پھیلے ہوئے ہیں، دنیاوی یا اخروی، جسم یا روح کی بلا کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو سامان پیدا فرمائے ہیں، اور جن پر انسان کی ہڈی کا دارومدار ہے وہ ساری کی ساری چیزیں رزق کہلاتی ہیں، روٹی پانی بھی اس میں داخل ہے، یہ جسم کی نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کر رکھی ہیں، یہ بھی اس میں داخل ہیں، اور پھر ارد گرد جو چیزیں پھیلی ہوئی ہیں، وہ بھی اس میں داخل ہیں، ظاہری چیزیں بھی داخل ہیں، باطنی چیزیں بھی داخل ہیں، رزق کا لفظ ایسا جامع ہے کہ ہماری ضرورت کی کوئی چیز اس سے باہر نہیں ہے، اور کہا یہ جا رہا ہے: ”لَا يَمُنُّ مَنْ قَرَّبَ رِزْقَهُ“ کیا ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اس کو رزق دوں، ہماری سمجھ چونکہ بہت ناقص ہے، تو الفاظ بھی ایسے گول مول سے استعمال کرتے جائیں، جو

ہمارے سامنے اہم چیزیں ہوں وہ تو ہم نام لے کر مانگ لیں کہ:

اے اللہ! ہماری فلاں ضرورت ہے، وہ پوری کر دیجئے، لیکن جب ہم ان چیزوں کو مانگ لیں تو اتنا ضرور کہہ دیں کہ یا اللہ! آپ کے رزق کی حدود جہاں تک پہنچی ہوئی ہیں وہ ساری کی ساری چیزیں مانگتے ہیں، تاکہ کوئی چیز بھی پیچھے نہ رہے۔

حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بات چیت کرنے کے لئے تشریف لائے، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کچھ دعا مانگ رہی تھیں، آپؐ نے حضرت عائشہؓ کو بات کرنے کے لئے ایک طرف کر دیا اور بعد میں فرمایا: عائشہ! تم دعا مانگ رہی تھیں، تمہیں اپنی دعا درمیان میں چھوڑ دینی پڑی، تمہیں ایک جامع سی دعا بتا دیں یعنی چھوٹے الفاظ میں بہت بڑی دعا آجائے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ضرور بتا دیجئے! فرمایا: جو کچھ مانگنا ہے اللہ تعالیٰ سے مانگ لیا کرو، اور بعد میں دعا کر لیا کرو:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ بَنُو نَبِيِّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ بِهِ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.“

(ترمذی ج ۲، ص ۱۹۲)

ترجمہ:..... ”یا اللہ! میں آپؐ سے خیر کی تمام چیزیں مانگتی ہوں جو آپؐ سے آپ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہیں، اور آپؐ سے شر کی ان تمام باتوں سے پناہ مانگتی ہوں جس سے آپ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے۔“

لہجے پیچھے رو کیا گیا؟ بھائی رزق مانگو اللہ تعالیٰ سے خوب مانگو، جب وہ خود بخوار ہے ہیں کہ آؤ لیجاؤ، تو پھر کیوں نہ مانگیں؟ جو آپ مانگ سکتے ہیں اور جو کچھ آپ کے ذہن میں ہے، مانگ لیں، کوئی ضرورت ہو، کوئی فحشا ہو، اور یہ خیال نہ کرو کہ یہ

چیز کہاں مل سکتی ہے؟ مشکوٰۃ شریف میں حدیث قدسی ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”..... يَا عِبَادِيَ! لَوْ أَنَّ أُولَئِكَمُ وَاجِدُكُمْ
وَأَنْفُسُكُمْ وَجُنُكُمُ كَانُوا عَلَى أَنْفَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاجِدٍ
مَنْكُمْ مَا زَادَ لِي مَلَائِكِي شَيْئًا. يَا عِبَادِيَ! لَوْ أَنَّ أُولَئِكَمُ
وَاجِدُكُمْ وَأَنْفُسُكُمْ وَجُنُكُمُ كَانُوا عَلَى أَفْجَى قَلْبِ رَجُلٍ
وَاجِدٍ بَيْنَكُمْ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مَلَائِكِي شَيْئًا.....
الْبَخ.“ (مشکوٰۃ ص: ۲۰۳)

ترجمہ:..... ”اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ: اے
میرے بندو! اگر تمہارے اول اور تمہارے آخر، تمہارے پہلے،
تمہارے پیچھے، تمہارے مرد، تمہاری عورتیں، تمہارے چھوٹے،
تمہارے بڑے، تمہارے انسان، تمہارے جن، سارے کے
سارے مل کر سب سے متقی آدمی کی مثال بنا جائیں تو میری
خدائی میں چھڑکے پر کے برابر بھی اضافہ نہیں ہوگا، اور اگر
تمہارے پہلے، تمہارے پیچھے، تمہارے مرد، عورت، چھوٹے،
بڑے اور انسان و جن سارے مل کر تم میں سب سے جونیئر وہ بڑا
آدمی ہے اس جیسے بن جائیں، تو میری خدائی میں چھڑکے پر
کے برابر نقصان نہیں ہوگا۔“

بھائی! یہ تمہاری جمہوری اور نمائندگی تھوڑی ہیں، جو دونوں سے بنتی ہوں، وہ تو
خدا کی خدائی ہے۔ لہذا تمہارے پہلے، پیچھے، مرد، عورت، چھوٹے، بڑے، انسان،
جن، سارے کے سارے مل کر جو کچھ کسی کے جی میں آئے وہ مجھ سے ماتلے لگیں اور
میں اس کو دینے لگوں تو میرے نزالوں میں چھڑکے پر کے برابر کمی نہیں ہوگی، یہ

خیال مت کرو کہ یہ چیز بہت بڑی ہے، کیا مانگیں گے؟ مادی نعمتیں مانگی چاہتے ہو تو وہ بھی مانگ لو، معنوی نعمتیں مانگی چاہتے ہو تو وہ بھی مانگ لو، (لیکن محمود غزنویؒ والی بات کیوں نہ کی جائے) اس سلسلہ میں دو مثالیں عرض کر دیتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابی آئے، اور عرض کیا کہ میرے لئے دعا فرما دیجئے یعنی اللہ تعالیٰ میری دعائیں قبول کر لیا کریں کہ میں مستجاب الدعوات بن جاؤں، دوسرے لشکروں میں وہ سارا کچھ سیٹ کر لے گئے کہ ایک آدمہ کیا دعا کروائیں، جب دعا کروائی ہے تو ایسی کروائیں کہ ساری چیزیں آجائیں۔

محمود غزنویؒ سے لوگوں نے ایاز کے بارے میں شکایت کی تھی کہ آپ ان کو بہت مانتے ہیں، آخر کیوں؟ محمود غزنویؒ نے کہا: اچھا! اس کی وجہ بتائے دیتے ہیں، چنانچہ ایک مرتبہ اس نے ہیرے، جواہرات، بکھیر دیئے اور کہا جو کوئی لوٹنا چاہے، یا لینا چاہے لے لے، جب اذن عام ہو گیا تو سارے اچھے کر چیزیں لینے لگے، ایاز جہاں کھڑا تھا وہاں کھڑا رہا، محمود غزنویؒ نے اس سے کہا: ایاز! تمہیں بھی اجازت ہے، جو کچھ لینا چاہتے ہو لے لو، انہوں نے بادشاہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا: میں نے یہ لے لیا ہے، جب آپ نے خود کہا ہے جو چاہو لے لو، میں نے تو بادشاہ ہی کو لے لیا۔

بھائی! خدا سے جو چاہو گے ملے گا، لیکن اگر خدا سے خود خدا ہی کو مانگ لو تو کیا وہ نہیں ملے گا؟ ضرور ملے گا! اور جس کو خدا ہی مل گیا تو پیچھے کیا رہ گیا؟ تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو تمہارے جی میں ہو، زور، قوت اور یقین کے ساتھ مانگو، جائز مانگو، جائز مت مانگو، کوئی پابندی نہیں ہے، ضرور ملے گا، خزاں عام ہے، اور جب وہ خود کہہ رہے ہیں، انشاء اللہ روکیں گے نہیں۔

میں کہتا ہوں ساری چیزیں مانگ لو، اور ایک چیز مانگنے کی نہ جھوٹ دینا، وہ یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا مانگ لو، "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِضَاکَ"، یا

اللہ! میں تجھ سے تیری رضا چاہتا ہوں۔ اور وہ راضی ہو گئے، ان کی رضا مل گئی تو سب کچھ من گیا، خدا کی قسم! اس کی رضا کے بعد پھر پیچھے کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی اور خدا خواستہ نعوذ باللہ! (استغفر اللہ! تو یہ!) مگر اس کی رضا نصیب نہیں ہوئی، پھر اگر تخت سلیمانی بھی دے دیے جائے، تو لغو اور لایعنی ہے، اس کی رضا کے بغیر کسی چیز کی کوئی قیمت نہیں، تو دوسری چیز مانگنے کی رزق ہے، اور میں نے کہا کہ رزق کا مفہوم بہت وسیع ہے، دنیا اور آخرت کی ساری نعمتیں اس میں سمٹ آتی ہیں، اور ان نعمتوں کا اصل الاصول اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، اور اللہ کی رضامندی مشروط ہے ایمان اور اہل اللہ کی صحبت اور صحبت کے ساتھ، اس لئے اللہ کی رضامندی مانگو تو ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ بھی مانگو کہ:

یا اللہ! اپنے فضل و کرم سے ہمیں ایمان صحیح نصیب فرما، ایمان کامل نصیب فرما، تقویٰ نصیب فرما، اپنے نیک اور مقبول بندوں کا دنیا اور آخرت میں ساتھ نصیب فرما، اور ان کے نقش قدم پر چلا۔

اللہ والوں کے ساتھ چلو گے تو اللہ تک ضرور پہنچو گے، بھائی جو راستہ جانتا ہو تو اس کے ساتھ ہو لیتے ہو، جب اس کے ساتھ ساتھ چلتے رہو گے جب وہ پہنچے گا تو تم بھی پہنچ جاؤ گے، اس لئے کہ وہ راستہ جانتا ہے، اور تم جانتے نہیں، جب تم اس کے ساتھ چلے اور وہ تو راستہ جانتا تھا، وہ پہنچ گیا، تو تم بھی ساتھ پہنچ گئے، حالانکہ تم جانتے نہیں تھے۔

اہل اللہ کے ساتھ چلو گے، اللہ والے تو اللہ تک پہنچیں گے، مگر تمہیں بھی ساتھ لے کر کے پہنچیں گے، انشاء اللہ! اور یہی راز ہے: "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" میں کہہ یا اللہ! ہمیں چلا سیدھی راہ پر یعنی راہ ان کی جن پر تو نے انعام کیا۔ اس میں صرف سیدھی راہ کی دعا نہیں سکھائی، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی راہ بتائی ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، جن حضرات پر

اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا، جس راہ پر وہ چلے ہیں ان کی راہ پر چلو گے تو ممکن نہیں جہاں وہ پہنچے ہیں وہاں تم نہ پہنچو۔

میں عرض کر رہا ہوں کہ اصل الاصول اور مقصد المقاصد، عالیہ الغایات آخری اور چوٹی کی چیز ہے اللہ کی رضا اور اسی کو فرمایا: "رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ" اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، اسی کو فرمایا ہے: "لَا آتِيهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ أَوْ جَبِيْ اِلَیْ ذَرْبِكَ" اے احمیدان والی جان اپنے رب کی طرف لوٹ جا، "رَاضِيَةً مَُّرْضِيَةً" تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی، "فَاذْخُلِيْ فِیْ عِبَادِنِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّاتِيْ" میرے بندوں میں داخل ہو جا، میری جنت میں داخل ہو جا، میرے بندے میری رضا کا مورد ہیں اور میری جنت میری رضا کا ثقل ہے۔

عافیت مانگیے :

اور تیسری چیز عافیت ہے، جس کی نشاندہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، عافیت کا معنی ہے کمزور اور ناپسندیدہ چیزوں سے حفاظت، جیسے مصیبتیں، بیماریاں، دکھ درد، پریشانیوں اور رنجش وغیرہ یہ ساری چیزیں جو انسان کو ناگوار لگتی ہیں، ان سے بچا کر اس کو عافیت کہتے ہیں، اور پھر عافیت کی دو صورتیں ہیں۔

ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی تکلیف میں مبتلا ہو گیا ہو اور اللہ سے یہ مانگے کہ یا اللہ! مجھے تکلیف سے نجات عطا فرما۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی تکلیف اور کسی مصیبت کے نازل ہونے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ سے مانگے کہ یا اللہ! مجھے اس تکلیف سے بچانا اور اس سے حفاظت فرمانا، حدیث میں ہے: "اَلَا مَنِ مَّتَسَّیْ فَاَعَافِيْهِ" کیا ہے کوئی جتنا کہ میں اس کو عافیت دوں، معلوم ہوا کہ جو شخص کسی مصیبت میں، کسی تکلیف، کسی رنج میں مبتلا ہو چکا ہے وہ بھی مایوس نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگے، اللہ تعالیٰ اس کو عافیت

عطا فرمائیں گے، اور اس کے ساتھ جو مصائب ابھی نازل نہیں ہوئے ان سب سے ابھائی طور پر عافیت مانگے، اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لو کہ یا اللہ! میں فلاں فتنے سے تیری پناہ، اور فلاں فلاں مصیبتوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں، سب سے اللہ کی پناہ میں آ جاؤ، سب سے بڑی دولت اللہ کی رضا مندی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عافیت ہے، یہ رضا اور عافیت دو چیزیں جس کو مل گئیں تو سب کچھ نکل گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"سَلُوا اللَّهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ. فَإِنْ أَخَذَا لَمْ يَغْطِ بَعْدَ"

الْبَقِيَّتَيْنِ خَيْرًا مِنَ الْعَافِيَةِ." (کنز العمال ج ۳ حدیث: ۲۰۹۰)

یعنی اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو! اس لئے کہ ایمان و یقین کے بعد عافیت سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں جس کو آدمی مانگے۔

جن پریشانیوں میں ہم مبتلا ہیں، ان سے بھی اور جن پریشانیوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں ان سے بھی، بس انہی معروضات پر ختم کرتا ہوں، آپ حضرات دعا فرمائیں حق تعالیٰ شانہ ہمیں ایمان صحیح نصیب فرمائے، اپنی رضا نصیب فرمائے، ہماری بخشش فرمائے، اس رات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جو کچھ عطا فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے جو کچھ مانگتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں سب کچھ نصیب فرمائے، آمین!

رحمہم اللہ تعالیٰ علیٰ صبر محمد و آلہ و صحابہ و صحابہ



۱۲ ربیع الاول

اور اس کے تقاضے

بسم اللہ الرحمن الرحیم
 (الحمد لله وسلام علی عباده والرضی عنہم!)

جلسہ سیرت کے آداب:

آج کل ربیع الاول کے مہینے میں عام طور پر سیرت کانفرنسیں منعقد کی جاتی ہیں۔ یہ شخصیت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک سراپا خیر و برکت ہے، اس کے لئے کسی زمان و مکان کی تخصیص نہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ آداب عقلمت کو شدت کے ساتھ ملحوظ رکھا جائے، مثلاً:

۱..... سیرت طیبہ کو عملاً اپنایا جائے:

سیرت مبارکہ کے تذکرے سے اصل مقصود یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و آداب کا تتبع کیا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو عملاً اپنایا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کی پیروی کی جائے، کیونکہ دنیا و آخرت کی تمام سعادتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے وابستہ ہیں۔

۲..... آپ کے کمالات کو اجاگر کیا جائے:

سیرت مبارکہ کے تذکرے میں اصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اجاگر کئے جائیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خشیت و اتقائی، اخلاص و ملکیت اور عیدیت و تعلق مع اللہ کی کیفیت کیا تھی؟ فراموش و عبادات کا کتنا اہتمام تھا؟ دعوت الی اللہ کا کیا جذبہ تھا؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تربیت و تزکیہ کیسے فرماتے تھے؟ دنیا سے زہد و بے رغبتی کا کیا عالم تھا؟ بندوں کے حقوق کی ادائیگی کا کس قدر اہتمام تھا؟ بغرض دین کے تمام شعبے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ہی کے مختلف پہلو ہیں۔

۳..... سیرت کے جلسوں کو منکرات سے پاک رکھا جائے:

سیرت طیبہ کے جلسوں کو ہر قسم کے منکرات سے پاک رکھا جائے۔ مثلاً: غلط سلف روایات و حکایات کا بیان کرنا، بے مقصد چراغاں کرنا، مردوں اور عورتوں کا اختلاط، عورتوں کا سیرت طیبہ کے جلسوں میں تقریریں کرنا، بے ریش اور فاسق لوگوں کا غلط سلف نظمیں پڑھنا، شرکاء جلسہ کا غم زیں قضا کر دینا، یہ اور اس قسم کی بیسیوں باتیں ایسی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ناپسندیدہ اور مبغوض ہیں، مگر آج کل ان کا ارتکاب کیا جاتا ہے، جو نیکی برباد، گناہ لازم کا مصداق ہیں۔

۴..... جعلی اور مصنوعی سوانح نہ رچائے جائیں:

سیرت کا نفرسوں کے علاوہ آج کل ”جشن میلاد“ یا ”عید میلاد“ کے نام پر بہت سی کتابوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے، بازاروں اور دکانوں پر چراغاں کیا جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مطہرہ اور بیت اللہ شریف کی شبیہیں بنائی جاتی ہیں، ان پر درود و سلام پڑھا جاتا ہے، اور طواف کئے جاتے ہیں، جلوس نکالے جاتے ہیں، یہ ساری چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کے نام پر کی جاتی

ہیں، لیکن ذرا بھی غور و تأمل سے کام لیا جائے تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہار محبت کا صحیح طریقہ نہیں، مثلاً روضہ مغبرہ کی شبیہ بنا کر اس کے ساتھ روضہ شریف کا سا معاملہ کرنا، اسی طرح بیت اللہ کی شبیہ بنا کر اس سے حج حج بیت اللہ کا سا برتاؤ کرنا، بہت ہی توہین آمیز اور نا زیبا حرکت ہے، کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ روضہ اظہار بیت اللہ کی جو شبیہ بنائی جاتی ہے وہ محض جعلی اور مصنوعی ہے، جیسے آج بنایا جاتا ہے اور دوسرے دن توڑ پھوڑ دیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اس مصنوعی بناوٹ میں اصل روضہ اظہار اور بیت اللہ کی کوئی خیر و برکت منتقل نہیں ہوتی، اور خود اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے اس سوانح میں واقعتاً کسی درجہ کا تقدس نہیں پیدا ہو جاتا، پس جب اس میں اصل کا کوئی تقدس اور کوئی برکت پیدا نہیں ہوتی تو اس کے حبش اور لغو ہونے میں کیا شک ہے؟ اور ایک لغو چیز کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ کا اور بیت اللہ شریف کا سا معاملہ کرنا کس قدر ناشائستہ اور توہین آمیز حرکت ہے۔

۴.....۱۲ وفات کو جشن نہ منایا جائے:

۱۲ ربیع الاول کو "جشن میلاد" اور عید منانا بھی بہت تعجب انگیز چیز ہے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت میں تو مؤرخین کا اختلاف ہے، بعض ۹ ربیع الاول بتاتے ہیں، بعض ۸ اور بعض نے ۱۲ ربیع الاول مشہور کر رکھی ہے، لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات ۱۲ ربیع الاول ہے، اگر ۱۲ ربیع الاول کو تاریخ ولادت بھی تسلیم کر لیا جائے تو گویا یہ تاریخ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت بھی ہے اور یہی تاریخ وفات بھی، کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن کو جشن عید کا دن بنالینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی محب اور عاشق کا کام ہو سکتا ہے؟

صفر کا آخری بدھ:

مسلمانوں کی غفلت کا یہ عالم ہے کہ صفر کے آخری بدھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری کا آغاز ہوا تھا، اور ۱۲ ربیع الاول کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دشمن نے صفر کے آخری بدھ کو ”جشن کا دن“ بنانے کے لئے یہ مشہور کر دیا کہ آخری بدھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبی سے محبت یاب ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسلِ محبت فرمایا تھا، حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم وفات کو جشن کا دن بنانے کے لئے یہ مشہور کر دیا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت ہے، حالانکہ محققین کے نزدیک یہ بھی غلط ہے، لیکن دشمن کی سازش کامیاب نکلی، اب مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے آغاز پر ملھائی تقسیم کر کے خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور ۱۲ ربیع الاول کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر جشن منایا جاتا ہے، اور اس کا نام ”جشن عید میلاد“ رکھا گیا ہے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم وصال کو خوشی کا دن باور کرانا اور اس دن جشن منانا کسی بدترین دشمن کا کام ہو سکتا ہے، جس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا بھی تعلقِ محبت ہو وہ ایسی حرکت کبھی نہیں کر سکتا، لیکن شیطان نے مسلمانوں کو ایسی پٹی چڑھائی کہ یہ اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے یومِ مرض اور یوم وفات کو خوشی کرتے اور جشن مناتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

اللہ تعالیٰ ہمت کے حال پر رحم فرمائے۔



حضور کے سفر حج کی تفصیلات

بسم اللہ الرحمن الرحیم
 (الحمد لله وسلام على عباده الذين هم خير)

حجۃ الوداع کا سفر:

”عن جابر بن عبد الله رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مكث بالمدينة تسع سنين لم يخرج، ثم أذن في الناس بالحج في معاصرة. إن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج فقدم المدينة بشر كثير فخرجنا معه حتى إذا أتينا ذا الحليفة فإذ الناس أسماء بنت أبي سفيان محمداً بن أبي بكر فإذ سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يصعد الصفا قال: اغتسلوا وامسحوا برؤوسكم. ... الحج“ (مسند أحمد ۱/۲۲۳)

ترجمہ: ”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پر اتر کر اپنے سر پر ہاتھ رکھا اور لوگوں کو دعا دی کہ تم اپنے سر پر ہاتھ رکھو۔“

میں رہے اور حج نہیں کیا، پھر دسویں سال آپؐ نے حج کا اعلان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج پر تشریف لے جا رہے ہیں، پس مدینہ منورہ میں بے شمار لوگ جمع ہو گئے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ تک پہنچے، تو آسمان بنت حمیس رضی اللہ عنہا کے ہاں محمد بن ابی بکر کی ولادت ہوئی، تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آدمی بھیج کر مسئلہ معلوم کر لیا کہ میں اب کیا کروں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو غسل کر لے اور ایک چڑا کھڑا لے کر اس میں روٹی رکھ کر اس کا ٹکٹوٹ پکھن لے اور احرام باندھ لے۔

اس حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کا ابتدائی حصہ نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نو سال مدینہ طیبہ میں رہے اور حج نہیں کیا، دسویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان سن کر گرد و پیش کے اور نامعلوم کہاں کہاں کے لوگ جمع ہو گئے، مدینہ طیبہ میں بے شمار مخلوق جمع ہو گئی، ذیقعدہ کے پانچ دن رہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر فرمایا، مدینہ شریف میں ظہر کی چادر اُتکتیں پڑھیں اور ”ذوالحلیفہ“ پہنچے، جو مدینے والوں کی میقات ہے، وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں، اور رات بھی وہاں قیام کیا۔

آپؐ کا احرام سے پہلے ازواجِ مطہراتؓ کے پاس جانا:

اس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواجِ مطہراتؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فارغ ہوئے، حضرت ابی رافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

روایت ہے کہ:

”قَالَ اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ
ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى بَنَاتِهِ يَغْتَسِلُ عِنْدَ هَذِهِ وَعِنْدَ هَذِهِ، قَالَ
فَقُلْتُ لَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اَلَا تَجْعَلُهُ عَسَلًا وَاجِدًا لِحَرْمٍ؟
قَالَ - هَذَا اَزْكَى وَاطْيَبُ وَاطْهَرُ “ (مشکوٰۃ ص ۵۰)
ترجمہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج
مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے، ہر ایک کے پاس
 غسل کرتے تھے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک ہی غسل
کر لینے کافی تھا، فرمایا: نہیں! یہ زیادہ پاکیزہ ہے اور زیادہ نشاط
کی چیز ہے۔“

اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نو ازواج مطہرات تھیں، اور نو
کے پاس تشریف لے گئے اور نو کی نو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیق سفر تھیں۔
ازواج مطہرات کو نصیحت:

جج ادا کرینے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان سے) ارشاد فرمایا
تھا کہ: بس یہ بیچ کر لیں اور اس کے بعد اپنے گھروں میں چٹائی کی طرح بیٹھ جائیں۔
چنانچہ بعض ازواج مطہرات نے اس پر عمل کیا اور بعض ازواج مطہرات
آپ کے بعد بھی بیچ کرتی تھیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں،
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
زمانے میں، یہ حضرات ان کے ساتھ کسی معتد آدمی کو کراہتے تھے، جو ان کی نگہداشت
کرتا تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

یہ اعلان سن کر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج پر تشریف لے جا رہے ہیں، مدینے میں بے شمار لوگ جمع ہو گئے، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ”ذوالحلیفہ“ پہنچے، ”ذوالحلیفہ“ کو آج کل بیر علی بھی کہتے ہیں اور یہ مدینے والوں کی میقات ہے، اور مدینے سے چھ میل پر ہے، جب کہ مکہ مکرمہ کا چار سو گلو میٹر کا فاصلہ ہے، مدینے والوں کے لئے یہ بھی میقات رکھی گئی ہے، دوسروں کے لئے نہیں۔

محمد بن ابی بکر کی ولادت:

اللہ کی شرن کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ”ذوالحلیفہ“ پہنچے تو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں بچہ پیدا ہوا، اس حج میں سفر کے دوران محمد ابن ابی بکر پیدا ہوئے، اور یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، اسماء بنت عمیس پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں، ان کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کر لیا تھا، اور یہ محمد ابن ابی بکر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں پلے بڑھے، بڑے ہو کر انہیں کے ساتھ رہے، اور حضرت حق کے زمانہ میں مصر میں ان کو بری طرح شہید کر دیا گیا، ان کی والدہ ان وقت زندہ تھیں، پہلے ان کو شہید کیا گیا اور پھر گدھے کی کھال میں لپیٹ کر آگ لگائی گئی تھی، نعوذ باللہ! حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کا پتہ چلا تو صدمہ کی وجہ سے ان کی چھاتیوں سے خون نکلنے لگا۔

حیض اور نفاس والی عورت کا احرام:

بہر کیف اسی سفر کے دوران ”ذوالحلیفہ“ میں حضرت محمد ابن ابی بکر کی ولادت ہوئی، تو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ منہم کر دیا کہ میں اب کیا کروں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تو غسل کر لے اور ایک چوڑا کپڑا لے کر کے، اپنی ذرا چوڑی ہو، اس میں روئی رکھ

کر کے اس کا ٹکٹوٹ پھین لے اور تلبیہ پڑھتی رہے، جب پاک ہو جائے گی تو ارکان حج ادا کر لے گی، باقی ارکان حج تو ادا ہو جائیں گے، صرف بیت اللہ شریف کا طواف رہ جائے گا، اگر خدا خواستہ پہلے پاک نہ ہوئی، تو پاک ہونے تک انتظار کر لیتا، بس در کچھ نہیں، بہر حال جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری بیدار پر چڑھی، تو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ پڑھا: "لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا خَيْرَ لَكَ لَكَ لَبَّيْكَ۔"

آپؐ نے تلبیہ کہاں سے شروع کیا؟

حج کے یون میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ کہاں سے پڑھا تھا، اس روایت میں آتا ہے کہ جب آپ کی سواری آپ کو لے کر یثرب پہاڑی پر چڑھی تب آپ نے تلبیہ پڑھا، اور بعض روایات میں آتا ہے کہ جب آپ سواری پر سوار ہوئے، اس وقت تلبیہ پڑھا، اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آپؐ نے بیر علی سے احرام باندھا تھا، اب تو وہاں بہت شاندار مسجد بن گئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی کچی کچی مسجد ہوگی، تو وہاں آپ نے احرام باندھا تھا، تلبیہ پڑھا تھا، صحیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد سے بھی تلبیہ پڑھا، جب احرام باندھا اور جب سواری پر سوار ہوئے جب بھی تلبیہ پڑھا، اور جب آپ کی سواری اونچائی پر چڑھی یعنی بیدار پہاڑی پر چڑھی، اس وقت بھی آپؐ نے تلبیہ پڑھا، اس لئے جس نے جو کچھ دیکھا وہ بیان کر دیا، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تلبیہ کے الفاظ تو یہ تھے، لیکن بعض لوگ کچھ الفاظ زیادہ بھی کر رہے تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو کچھ نہیں کہا، حدیث کے نزدیک افضل ترین یہ ہے کہ یہی الفاظ پڑھے جائیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھے تھے، تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں:

”لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا فِرْيَکَ لَکَ
لَبَّيْكَ، إِنَّ التَّعَمُّدَ، وَالْبَغْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ، لَا فِرْيَکَ
لَکَ.“

حج میں تلبیہ کی کثرت:

ایک حدیث میں آتا ہے کہ:

”أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبِلَ فِي
الْحَجِّ الْفَضْلُ؟ قَالَ: أَلْعَجْ وَالنُّجْ.“ (ترمذی ج: ۱ ص: ۱۰۲)
ترجمہ: ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا
گیا کہ کون سا حج افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا: حج تام ہے آواز بلند کرنے کا اور خون بہانے کا۔“

یعنی جتنی کثرت سے تلبیہ پڑھا جائے، اتنا ہی اچھا ہے، اور قربانیاں کی
جاگیں، لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ لوگ میوں میں مشغول ہو جاتے ہیں، تلبیہ کا اہتمام
نہیں کرتے، اب میں ویسے ہی کمزور ہوں، دماغ کمزور ہے، زیادہ تلبیہ پڑھ بھی نہیں
سکتا، اور اچھے خاصے نوجوان وہ بھی میوں میں لگ جاتے ہیں، سگریٹ پیٹے ہیں اور
دوسری چیزیں کرتے ہیں، مذاق کرتے ہیں، اور ماشاء اللہ ایہ حج کے لئے جا رہے ہیں،
حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
آگے دیکھا تو جہاں تک نظر پہنچتی تھی آدمی ہی آدمی تھے، دائیں جانب بھی، بائیں
جانب بھی، چپے بھی، اتنا مجمع بڑھ گیا کہ پہنہ نہیں چلا تھا کہ کتنے آدمی ہیں؟ اور لطف
کی بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچے تھے، اور نو
ذی الحجہ کو عرفات میں گئے تھے، نو ذی الحجہ کو جمعہ کا دن تھا، اور یہ جمعہ کا حج تھا، لیکن
اس وقت تک لوگ آتے ہی رہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ قعدہ کتنی ہو گئی تھی، قریباً

سوالا کھ آدمی ہو سکے ہوں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تھے، قرآن آپ پر نازل ہوتا تھا، اور آپ قرآن پر عمل کرتے تھے، اور جو کچھ آپ فعل کرتے تھے، ہم لوگ اس کو دیکھ کر، اس کے حابقی نقل کرتے تھے، اسے لمبی حدیث ہے، صحیح مسلم شریف میں یہ حدیث تین صفحے کی ہے، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کا یہاں تو سرف ایک ٹکڑا نقل آیا ہے۔

جابر از رک کا قصہ:

جابر کا ایک اور قصہ ایک صاحب سے نقل کیا گیا ہے، جابر از رک نے رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، سواری پر دوسرا سامان بھی ساتھ تھا، میں نے انتظام کر لیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا ہے، بچارے لیکن آئے ہوئے تھے، چنانچہ ایک جگہ پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نزول اجازت فرمایا، اور آپ کے لئے ایک قبۃ یعنی خیمہ تیار کر دیا گیا، ہمیں آدمی آپ کے قبے کا پیرا دے رہے تھے، اور کوئی مجھے قریب نہیں آنے دیتا تھا، میں قریب ہوا تو ایک آدمی نے مجھے دھکا دیا، میں نے کہا کہ تم مجھے دھکا دیتے ہو، تو میں تمہیں دھکا دوں گا، اور تم مجھے روکنے، تو میں تمہیں ماروں گا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا ہوں، اور تم مجھے آپ کے پاس جانے نہیں دیتے، یہ ہے میں لیکن سے آیا ہوں؟ اور میں یہ چاہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنوں، اور سن کر کے اپنے لوگوں کو پہنچاؤں، تو ایک آدمی ان میں سے کہنے لگا کہ تم ٹھیک کہتے ہو، اس نے معذرت کی اور کہا کہ بھی یہ ہماری طبیعت ہے، ہمیں کسی کو روکنا نہیں چاہئے، بہر حال وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رات گزاری، یہاں تک کہ آپ مزاد میں پہنچ گئے، مزاد سے مٹی پہنچے مٹی سے آپ حجرہ عقیق میں پہنچے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رو کر اجتماع ہو گیا کہ ان

میں سے کوئی آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بات کرتی نہیں سکتا تھا۔
حلق کرانا افضل ہے:

ایک شخص حاضر ہوا، باں کترائے ہوئے تھے، کہتے تھے: یا رسول اللہ! میرے لئے رحمت کی دعا کیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رحمہ اللہ المعلقین" اللہ تعالیٰ حلق کرنے والوں پر رحم فرمائے، دوسری دفعہ پھر کہا، پھر آپ نے یہی فرمایا، تیسری دفعہ پھر فرمایا، تو یہ جابر ابن انور کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں پورے مجمع میں میں نے سوائے حلق والوں کے کسی کو نہیں دیکھا، تمام لوگ حلق کر دئے ہوئے تھے۔
آپ کے بال:

اہل بیت بیان چند باتیں سمجھ لینی چاہئیں، ایک تو یہ کہ بیش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوائے مبارک ہوتے تھے، کبھی کانوں کی لونگ، کبھی اصلاح کرنے میں دیر ہو جاتی تھی تو لپے بھی پہنچ جاتے تھے، یعنی کندھوں تک بھی پہنچ جاتے تھے، ورنہ اصل کانوں کی لونگ ہوتے تھے، سوائے حج اور عمرے کے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی حلق نہیں کروایا۔

دوسری بات یہ کہ شریعت نے قصہ کی بھی اجازت دی ہے اور حلق کی بھی، اگر اسنے اتنے بال ہوں یعنی ایک پورے کے مطابق بلی ہوں تو ان بالوں کو کٹوا سکتا ہے، اور اس سے احرام کھل سکتا ہے، اور اگر بال اس سے بھی کم ہوں تو پھر استرا پھیرنا ضروری ہے۔

اور تیسری بات یہ کہ لوگ حج یا عمرے کے لئے جاتے ہیں، تھوڑے تھوڑے بال کاٹ لیتے ہیں، کچھ ادھر سے، اور کچھ ادھر سے، اور بس، پورے سر کے بال کٹوانے اور منڈا دھونے سے احتراز کرتے ہیں۔

ایک کرئل صاحب قصہ:

ایک کرکل صاحب عمرے پر گئے ہوئے تھے، میں حرم شریف میں بیٹھا ہوا تھا، ایک صاحب ان کو لے، کہنے لگے کہ: ان کو سمجھائیے! انہوں نے تھوڑے بار کاٹ لئے ہیں، یعنی معمولی معمولی، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ کانٹوں کی ٹوٹک موئے مبارک ہوتے تھے، لیکن حج یا عمرے کے موقع پر اسٹری کے ساتھ صاف کر داتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: ”رحمہ اللہ المخلقین“ اللہ کی رحمت ہو خلق کرنے والوں پر، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! تصر کروانے والوں کے لئے بھی دعا فرمادیجئے، نین دفعہ یہی فرمایا: ”رحمہ اللہ المخلقین“ صحابہ فرماتے اور مقصرین یا رسول اللہ! آپ فرماتے، ”مخلقین“ خلق کرانے والوں پر، صحابہ کہتے یا رسول اللہ! تصر کرنے والوں کے لئے بھی دعا فرمادیجئے، چوتھی دفعہ فرمایا: ”والمقصرین“ چلو مقصرین پر بھی، یعنی ”رحمہ اللہ المخلقین“ کے بجائے ”رحمہ اللہ المقصرین“ فرمایا، تو دو کرکل صاحب آئے، اور انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ بھی پاکستان ہے، میں نے ان کو سمجھایا کہ نہیں بھائی! خلق کرا لینا افضل ہے، بہت مسامت کے ساتھ کہا کہ خلق کرا لینا افضل ہے، دیکھو نا ہم کتنی مساہت طے کر رہے آئے ہیں، اللہ کے گھر پر آئے ہیں، تو یہ معمولی چیز ہے؟ یہ گھر کی بھتی ہے، یہ پھر ہو جائے گی، تو وہ مجھے کہنے لگے کہ: ”اسلام میں اتنی جنگی نہیں ہے۔“

یہ شیطان نے ہمیں تنقید کر دی ہے کہ اسلام میں جنگی نہیں ہے، جو بھی کرے، بس اسلام میں جنگی نہیں ہے، اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں بھی حجاج کا تیز ہوں، میں نے کہا مرزا غالب کا شعر ہے:

ہاں! ہاں! نہیں وفا پرست، جاؤ دو بے وفا سخی!

جس کو ہو جان و دل عزیز، اس کی جگہ میں جائے کیوں؟

میں نے کرکل صاحب سے کہا آپ کو کس نے کہا تھا کہ یہاں تشریف لائیں؟ کس نے دعوت دی تھی آپ کو؟ چپ کر کے چلا گیا۔

صحابہ کا علوم نبوت میں حرم:

اس معاملے میں لوگ بہت تھپلا کرتے ہیں، اللہ کے بند و اہل ایمان روپیہ خرچ کر کے جاتے ہو، اتنا سفر کر کے جاتے ہو، اور جائز کے وہاں صرف ٹیکس روٹی ہیں، تبدیلی کوئی نہیں آئی، جیسے تھے ویسے ہی آئے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جہاد پر جاتے تھے تو پیچھے اپنے آدمیوں کو کہہ جاتے تھے، یعنی اپنے حلقے کے دو تین آدمیوں کو تفہیم کر جاتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہماری غیر موجودگی میں جو باتیں ارشاد فرمائیں گے، ان کو اچھی طرح محفوظ کر رکھو اور ہمارے واپس آنے کے بعد ان کو ہم سے بیان کرو۔

اصحاب صفہ اور تعلیم قرآن کا شوق:

اصحاب صفہ میں ستر آدمی تھے، تعداد ان کی کبھی زیادہ ہو جاتی تھی، کبھی کم ہو جاتی تھی، اس وقت ستر آدمی تھے، رات کا وقت ہوتا تو ایک ایک آدمی کے پاس جا کر وہ قرآن مجید پڑھا کرتے تھے، اور بعض تو ساری رات قیام لگے رہتے تھے، پھر ان میں سے دن کو کچھ لوگ لکڑیاں اکٹھی کر کے لاتے، اور ان کو بیچ کر اپنی روٹی پلاتے، کچھ زیادہ ہمت والے تھے، تو بکری ذبح کر لیتے، اور اس کے ٹکڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر بھی لٹکا دیتے، ان میں سے کچھ مینھا پانی لینے کے لئے جاتے، اور انہی اصحاب صفہ میں سے حضرت ضیہؓ بھی تھے، جنہیں کھانے پکڑا لیا تھا، اور مکہ مکرمہ میں ان کو شہید کیا تھا، سولی پر پڑھایا تھا۔

صحیح بخاری میں تفصیل سے پورا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، حضرت ضیہؓ نے شہادت سے پہلے یہ اشعار پڑھے تھے:

مَا اِنْ اَبَالِي جِنِّ اَقْتُلْ مُسْلِمًا
عَلَىٰ اَبَىٰ شَيْقٍ نَّكَانَ فِيْهِ مَضْرُوعِي

وَذَٰلِكَ فِيْ ذَاتِ الْاِلٰهِ وَاِنْ يُّشَاْ

يْتَابِرْكَ عَلٰى اَوْصَالٍ يُّبْلُوْهُ مُفْرَعٌ

(صحیح بخاری ج: ۲ ص: ۵۸۶)

ترجمہ:..... ”مجھے پروا نہیں ہے جب کہ مجھے مسلمان

ہونے کی حالت میں قتل کیا جائے، کہ میں کس کرۃ پر گرتا

ہوں۔

یہ شخص اللہ کی خاطر ہے، وہ اگر چاہے تو بوسیدہ بدیوں

میں بھی برکت ڈال سکتا ہے۔“

یہ ان کی کرامت ظاہر ہوئی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے شہد کی تکھیوں کو ان

پر بھیج دیا، اور کافران کی لاش کی بے حرمتی نہیں کر سکے، ان کا بڑا لمبا واقعہ ہے۔

ستر قرأ کی شہادت کا سانحہ:

صحیح بخاری کی روایت میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ

لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور دھوکا دہی کے طور پر کہنے لگے

کہ ہمارے ساتھ کچھ آدمی بھیجے، جو ہمیں کتاب و سنت کی تعلیم دیں، مقصد دھوکا دینا

تھا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ستر آدمی کر دیئے، ان کو قرا کہا

جاتا تھا، اور آگے جا کر کے انہوں نے، ان تمام صحابہ کو شہید کر دیا، ایک آدمی بھی نہیں

بچا، صحابہ کرامؓ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اب ہماری خبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تک تو کوئی پہنچانے والا نہیں ہے، آپ علی ہماری خبر ان کو پہنچا دیجئے، اللہ نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کی شہادت کی خبر پہنچا دی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے ان کی خبر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دی، اور انہیں میں حضرت حرام ابن

ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چچا کا قصہ بھی پیش آیا کہ ایک

آدمی پیچھے سے آیا، اس نے آکر ان کو تیر مارا، جو آہ پار ہو گیا، اور یہ وہاں گر گئے،

انہوں نے شہادت سے قبل کہا: ”فزت ورب الکعبة“ رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے شہید ہونے پر جتنا مسرور ہوا، ہم نے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا حد نہ نہیں دیکھا۔

حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھی کا قصہ:

صحیح بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا قیام بھی حوالی میں تھا، یعنی مدینہ کا بالائی حصہ، مدینے سے فاصلے پر کچھ بستیاں تھیں، ان کو حوالی کہا جاتا تھا، وہاں میرا بھی قیام تھا، اور ہم نے باری باندھی ہوئی تھی، ایک دن میں اپنے ساتھی کا کام کرتا تھا، اور ان کے اونٹ وغیرہ چراتا تھا، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اگر کوئی خبر ہوتی تو مجھے بتا دیتے، کوئی حدیث سنی ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، وہ مجھے آکر کے بتاتے، اور دوسرے دن میں جاتا تھا، ان کو بتاتا تھا، ایک دن شام کے وقت وہ میرے ساتھی آئے، اور میرا دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا، میں چادر تھپیٹے ہوئے گھر سے نکلا، اور کہنے لگے بہت بڑا حادثہ پیش آیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان دنوں ہمارے یہاں شہرت تھی کہ ملک شام کا حاکم ہرقل مدینے پر چڑھائی کرنا چاہتا ہے، تو میں نے کہا کہ کیا ہرقل نے چڑھائی کر دی ہے؟ وہ صاحب کہنے لگے کہ اس سے بھی بڑا واقعہ ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔

حضورؐ کے ایلا کا قصہ:

ایسا ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے، مستورات بے چاری کمزور تو ہوتی ہیں، انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائیں گے، تو تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مانگنا، میں یہ مانگوں گی، فلاں یہ مانگے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظرف تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم تشریف لائے، تمام ازواجِ مطہرات آپ کے گرو جمع ہو گئیں، اور اپنے مطالبات پیش کروئے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سال بھر کا خرچ دے دیتے تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواجِ مطہرات سے الگ پالانہ میں تشریف لے گئے۔ ان کو کچھ نہیں کہا، بالکل خاموش بیٹھے رہے، اور لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کو طلاق دے دی ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب میرے ساتھی نے مجھے آکر بتایا تو مجھے اپنی لڑکی پر نہ آیا، میں کیا وہ بیخی رورہی تھیں، تمام ازواجِ مطہرات بیخی رورہی تھیں، میں اپنی بیٹی کے پاس گیا، میں نے کہا کہ اب تم کیوں رورہی ہو؟ یہ تمہارا بچا کیا رہا ہے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں طلاق دے دی ہے؟ فرما لے نہیں تھے معلوم نہیں، بہت لپکتا ہے، تین دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بال خانے پر گئے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، اور ایک خادم چہرہ دے رہا تھا، اور اس نے کئی ایازت مانگی، جب میں منع کر لے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ سے ایازت ہوئی فرماتے ہیں پہلی بات میں نے یہ پوچھی کہ آپ نے ازواجِ مطہرات کو طلاق دے دی ہے؟ فرمایا: نہیں، تو عرض کیا: لوگوں میں میں اعلان کر رہا ہوں کہ آپ نے ازواجِ مطہرات کو طلاق دے دی ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہیں سے اعلان کر دیا کہ آپ نے ان کو طلاق دے دی ہے، میں اس پر اُٹھ کر آیا ہوں۔

وَرَجَعُوا إِلَىٰ رَسُولِ اللَّهِ وَرَبُّهُمُ الرَّحْمَنُ

مدرسہ کے چار بنیادی اصول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”۲۰ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ بمطابق ۹ اگست ۱۹۹۳ء

بروز شگل جلد۱ الامام محمد زکریا مہاجر مدنی بریڈ فورڈ برطانیہ میں
تکبر کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف ندوی مدظلہ کا بیان ہوا،
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا
جائے۔

یاد رہے کہ یہ جامعہ کیم رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء
میں قائم ہوئی، یہ صرف طالبات کے لئے رہائشی مدرسہ ہے،
یورپ اور امریکہ میں دینی تعلیم کے اعتبار سے لڑکیوں کا یہ پہلا
دارالعلوم ہے، اس کے مہتمم و بانی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد
زکریا مہاجر مدنی کے خلیفہ حضرت مولانا یوسف مدظلہ ہیں، اور
حضرت شیخ الحدیث کی نسبت سے ہی اس کا نام ”جامعۃ الامام محمد
زکریا مہاجر مدنی“ رکھا گیا ہے، اور یہ جامعہ دارالعلوم ہولکلب
ہل (برہن) کی شاخ ہے۔..... (منظور احمد افسینی)

مدرسہ کس چیز کا نام ہے؟ مدرسہ کا موضوع کیا ہے؟ اور اس کا مقصد یا اس کی غایت کیا ہونی چاہئے؟ مدرسہ عام طور سے عمارتوں کو کہا جاتا ہے کہ یہ مدرسہ ہے، لیکن مدرسہ صرف تعمیرات یا جگہ کا نام نہیں، بلکہ مدرسہ کے چار ارکان ہیں:

پہلا رکن:

سب سے پہلے جگہ جہاں تعلیم دی جاتی ہے، جگہ نہ ہو تو کہاں بیٹھ کر تعلیم دیں گے؟ یہ جگہ عام ہے کہ اچھی خاصی بلند جگہ ہو، یا کوئی درخت کا سایہ ہو، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسجد نبوی تعمیر فرمائی تھی تو وہاں ایک صفہ (چوپترہ) بنادیا تھا، اور وہی اسلام کا سب سے پہلا مدرسہ ہے، جگہ ہونی چاہئے، جگہ اچھی بھی ہو سکتی ہے، اور ظاہر کے اعتبار سے کمزور بھی ہو سکتی ہے۔

اسلام کا سب سے پہلا مدرسہ ”صفہ“ سے شروع ہوا اور دارالعلوم دیوبند جس کی پورے عالم میں شاخیں پھیلی ہوئی ہیں، دو انار کے درخت کے نیچے شروع ہوا، چھٹی سے اچھی سہیلوں والی جگہ اللہ تعالیٰ عطا فرمائے، الحمد للہ، ورنہ مدرسہ تعمیرات پر موقوف نہیں ہے۔

دوسرا رکن:

مدرسہ کا دوسرا رکن ہے پڑھنے والے طلبہ اور حالات، حقیقت میں یہی مدرسہ کی جان ہوتی ہے، انہی کے لئے مدرسہ قائم کیا جاتا ہے، انہی کے لئے اساتذہ کو زحمت دی جاتی ہے، انہی کے لئے انتظام کرنے والوں کو انتظامات کرنے پڑتے ہیں، تو اصل روح رواں یہ پڑھنے والے حضرات ہیں، اور باقی یوں سمجھئے کہ سب ان کے خدام ہیں۔

تیسرا رکن:

تیسرا رکن ہے حضرات اساتذہ کرام! جو طالب علموں کو تعلیم و درس دیتے ہیں۔

چوتھا رکن:

اور مدرسہ کا چوتھا رکن ہے مدرسہ کی انتظامیہ، جس میں مدرسہ کے معاونین بھی شامل ہیں، اور بچوں اور بچیوں کے والدین جو اس مدرسہ کو آباد کرنے کے لئے یا اس سے نفع اٹھانے کے لئے اپنے بچوں کو بھیجتے ہیں، وہ سب بھی اس کے رکن ہیں۔

یہ مدرسہ کے چار ارکان ہیں، اور ان چاروں کے معیاری یا غیر معیاری ہونے کا نام مدرسہ کا معیاری یا غیر معیاری ہوتا ہے، اساتذہ کیسے ہیں؟ کتنی اعلیٰ قابلیت کے مالک ہیں؟ کتنے متقی اور پرہیزگار ہیں؟ کتنے شفیق اور بھروسہ مند ہیں؟ کتنے مخلص اور خدا پرست ہیں؟ کسی مدرسہ کے اساتذہ کی نوعیت جس قسم کی اعلیٰ ہوئی، اتنا مدرسہ اونچا سمجھا جائے گا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عظمیٰ پاکستان رحمہ اللہ اپنے والد کا ارشاد نقل کرتے تھے کہ ہم نے دارالعلوم دیوبند کا وہ دور دیکھا ہے کہ جب شیخ الحدیث سے لے کر مدرسہ کے چیراہی تک سب کے سب صاحبِ نسبت بزرگ، زور والی، اللہ تھے۔ جس مدرسہ کے طلبہ اس کے اساتذہ حتیٰ کہ چیراہی تک صاحبِ نسبت دلی ہوں، اس مدرسہ کے کیا کہنے! ماشاء اللہ! اساتذہ کا اخلاق اور تدین، ان کا تقویٰ اور طہارت اور ان کا تعلق مع اللہ مدرسہ کو بہت اونچے لے جا رہا ہے، اور جتنی اس میں کمی آتی جائے گی، اتنی مدرسہ میں کمی آتی جاتی ہے۔ عمارتیں موجود ہوتی ہیں، طالب علموں کی بھی فراوانی ہوتی ہے، سہولتوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہوتی، لیکن مدرسہ کے اندر وہ کشش اور وہ مقبولیت من جانب اللہ نہیں ہوتی، جب تک اساتذہ کا (روحانی ضرور پر) اتنا اونچا معیار نہ ہو، جہاں تک طالب علموں کا تعلق ہے، ان میں بھی یہی بات ہے، ایک مدرسہ کے طالب علم کس قدر محنتی ہیں؟ کتنے ذہین ہیں؟ اور اپنے مقصد سے کتنی لگن رکھنے والے ہیں؟ اس سے مدرسہ کی کارکردگی مجھ آتی ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ جب مدرسہ کے نتائج سامنے آتے ہیں تو ان میں درجات قائم ہوتے ہیں، یہ اون درجے کے طالب علم ہیں، یہ دوسرے درجے کے طالب علم ہیں، یہ تیسرے درجے کے ہیں، اور پھر یہ کامیاب ہیں اور یہ ناکام ہیں، یہ پاس ہیں اور یہ فیل ہیں، ظاہر ہے کہ یہ ان کی محنت اور ذہانت پر موقوف ہوتا ہے، تو طالب علم طالب علمی کے دوران جتنی محنت سے کام لے گا، اتنی تعانی شائد اس میں اتنی برکت عطا فرمائیں گے۔

میرے شیخ حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ طالب علمی کے زمانے میں طالب علم نہ کسی کا دوست ہوتا ہے نہ دشمن، یعنی اس کو کسی سے تعلق ہی نہیں، اس کو صرف اپنی کتابیں سے، اپنے درس سے اور اپنے مقرر کردہ فرائض سے تعلق ہوتا ہے اور کسی چیز سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

ایک اور چیز: یہ ہے کہ طالب علم میں جس قدر اساتذہ کا احترام، علم کا ادب، اہل علم کا ادب، تقویٰ اور طہارت پائی جائے گی، مستقبل میں حق تعالیٰ شانہ اس کو اتنے زیادہ نوازیں گے، یعنی فوری کامیابی، کہ یہ اس نمبر آیا، یہ دو نمبر آیا ہے، یہ تو موقوف ہے محنت اور مجاہدے پر، یا ذہانت پر، لیکن مستقبل میں اس کے علم کا نفع، دنیا یا غیر نفع ہونا، امت کے لئے مفید ہونا یا غیر مفید ہونا، یہ موقوف ہے اس کی ان صلاحیتوں پر جن کو باطنی صلاحیتیں کہا جاتا ہے، یعنی تقویٰ، جہد، تحقیق مع اللہ اور ادب۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ بزرگوں طالب علم فارغ ہوتے ہیں، خصوصاً ہمارے پاکستان میں سالانہ فارغ ہونے والوں کی تعداد دو ہزار کے لگ بھگ ہوگی مگر جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"عَنْ نَبِيِّ غَمَزَ رَظِيئُ اللَّهِ فَمَنْ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّهَا الدُّمَى كَمَا بَلَى بَدَلَةٍ: لَا تَجِدُ فِيهَا

وَاَجَنَّةٌ اُولٰٓئِكَ لَا تَجِدُ فِيْهَا اِلَّا رَاجِلَةًۢ

(ترمذی ج ۳ ص ۱۱۰)

یعنی انسانوں کی مثال ایسی ہے جیسے سوافونوں کی قطار کہ اس میں سواری کے قابل صرف ایک ملے گا اور اب تو یہ شرح نور بھی نیچے گر گئی ہے، ہزاروں سے ایک نہیں ملے گا، پھر علم کی خاصیت یہ ہے کہ اگر یہ صالح ہو تو نفع دیتا ہے، اور اگر یہ صالح نہ ہو تو یہ نہیں کہ چلو بے فائدہ گیا، نہیں! بلکہ فساد کا موجب بنتا ہے، علم نافع نہ ہو تو مضر ہے، اور علم کے نافع ہونے کے لئے یہ شرطیں جو میں نے عرض کیں یعنی تقویٰ اور ادب، یہ مختصر تعبیر عرض کر رہا ہوں، حق تعالیٰ شائد آپ کے اس جامعہ کو اور اس مدرسہ کو علم نافع کا مرکز بنائے اور یہاں پڑھنے والی تمام بچیوں کو حق تعالیٰ شائد علم کی دولت اور علم کے زیور سے آراستہ فرمائے کہ ان کے وجود سے امت کو اور آنے والی سنوں کو نفع عطا فرمائے۔

مدرسہ کا موضوع:

اب دوسری بات کہ مدرسہ کا موضوع کیا ہے؟ اس کے لئے کسی زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں ہے، مدرسہ کا موضوع ہے "طالب علموں کی تربیت۔" ہماری دور نسعی دارِ باعلوم دیوبند، دوسرے جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں لیکن انگریز جانتا تھا کہ یہ انسانوں کی تربیت جگہ ہے، ہمارے پنجاب میں ایک چھوٹا سا مدرسہ تھا، مدرسہ رشیدیہ، (اور اس کے انداز و شمار طلاؤں تو کبھی بات ہو جائے گی) کبھی کسی کی نظر میں چلتا نہیں تھا کہ قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ان کے خلیفہ حافظ محمد صالحؒ نے یہ مدرسہ قائم کیا تھا۔ یہ مدرسہ انیک پھولی سی اور معمولی سی ہستی میں قائم تھا، پندرہ پندرہ میل تک طالب علم روٹیاں، تنگ کر کے لاتے تھے، میرے استاد محترم جن سے میں نے قرآن مجید پڑھا، وہ وہاں کے پڑھے ہوئے تھے، وہ وہاں کے عجیب و غریب تھے بیان کیا

کرتے تھے، خیر برطانیہ کی ایک جماعت آئی اور انہوں نے اس مدرسہ کا مواخذہ کیا، اور وہاں جا کر واپسی میں رپورٹ درج کی کہ ہم نے چھوٹے سے ایک گاؤں میں مسلمانوں کا ایک مدرسہ دیکھا ہے جس میں اسلام کے پہلوان تیار کئے جاتے ہیں، اور اس قسم کے مدارس اُمر پھیل گئے تو مسلمانوں کو اسلام سے کوئی طاقت برکشتہ نہیں کر سکتی۔

یہ ہمارے دینی مدارس، ان کے نام چاہے جو کچھ بھی ہوں، حقیقت میں یہ تربیت گاہیں ہیں، جہاں اسلام کے سپاہی تیار کئے جاتے ہیں، این ماہ میں حدیث ہے:

”لَا يَزَالُ اللَّهُ يَغْرُسُ فِي هَذِهِ الْبِلَادِ غُرَّتَا

يَسْتَعْمِلُهُمَا فِي طَاعَتِهِ“ (ابن ماجہ ص ۲)

یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس دین میں پودے لگاتے رہیں گے۔ باغوں میں یہ پودے کہ پرانے درخت اکھڑتے رہتے ہیں اور نئے نئے پودے لگتے رہتے ہیں، جن تعالیٰ شانہ ہمیشہ اس گلشن دین میں پودے لگاتے رہیں گے، جن کو اپنی طاعت میں استعمال فرمائیں گے، ان سے کام لیں گے، ”يَسْتَعْمِلُهُمَا“ کے معنی ہیں ان سے کام لیں گے اپنی اطاعت کا اور اپنے دین کا۔

تو یہ دینی مدارس حقیقت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باغ ہیں اور یہ جتنے طلبہ بطاعت زیر تعلیم ہیں، حقیقت میں یہ بھیری لکڑی جا رہی ہے، کلی انشاء اللہ۔ یہ بار آور درخت نہیں گئے اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنی امت ان کے پھولوں سے سیراب ہوگی اور کتنی کتنی امت ان کے سایہ میں پناہ لے گی، تو یہ مدرسہ کا موضوع ہے، یعنی دین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے انسان سازی کا کام، یعنی انسانوں کو تیار کرنا، اسی جذبے اور اسی مشن کے تحت اگر یہ دونوں فریق یعنی اساتذہ بھی اور طلبہ بھی محنت کریں گے تو انشاء اللہ یہ محنت بار آور ہوگی۔

مدارس کا مقصد:

اور اب تیسری بات کہ مدارس کے قیام کا ”مقصد“ کیا ہے؟ تو اس مقصد کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیا ہے: ”إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ نَحْفَظُونَهُ“ (بے شک ہم نے الذکر یعنی قرآن کریم کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)۔

پھر بے شک لاسلام حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نور اللہ مرتد و ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، صرف قرآن مجید کی حفاظت ہی نہیں بلکہ دین محمدی کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب قیامت تک محفوظ رہے گی۔ حضرت فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کا کام انسانوں ہی سے لیں گے، کرنے والے تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں، لیکن اس و اموالہ میں اللہ تعالیٰ حفاظت و قہمبانی کا کام بھی اپنے بندوں ہی سے لیں گے، اور میں نے اس وجہ کی حدیث ابھی بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ پورے لگاتے رہتے ہیں۔

تو مدارس کے قیام کا مقصد ہے دینِ قیم کی پاسبانی اور اس کی حفاظت، جہاں اللہ تعالیٰ نے ”الذکر“ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے وہاں اس کے ضمن میں وہ تمام شعبے جو قرآن کریم کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور دین سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی حفاظت کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔ گویا علمِ قرأت کی حفاظت بھی ہوگی، علمِ حدیث کی بھی حفاظت ہوگی، علمِ فقہ کی بھی حفاظت ہوگی، علمِ کام کی بھی حفاظت ہوگی اور ساتھ کے ساتھ جتنے ان شعبوں میں کام کرنے والے افراد ہیں ان کی بھی حفاظت ہوگی، آپ معجزات کی حفاظت و قہمبانی بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے لی ہے۔

تو ان مدارس دینیہ کا مقصد دینِ قیم کی حفاظت و پاسبانی ہے، اب یہ بھی

ایک مستقل شرح طلب چیز ہے کہ یہ پاسبانی کیسے ہوگی؟ خلاصہ یہ کہ علم بھی محفوظ رکھا جائے، اس کا عمل بھی محفوظ رکھا جائے، اس کی دعوت بھی جاری رہے اور لوگوں کو اس دین پر لانا بھی مقصود ہو، اور جس طرح جہاز جھکا رکھتے ہیں یا رخ میں پیدا ہوتے رہتے ہیں، اور ان جہازوں کی صفائی کر کے کھیت کی حفاظت کی جاتی ہے، اسی طرح اگر مفسدین دین میں رسم و رواج یا بدعات کی جہازیں پیدا ہو جائیں تو ہمارا فرض بنتا ہے کہ ان کا قلع قمع کر کے دین کے صاف چہرہ کو امت کے سامنے پیش کریں۔

یا بعض دفعہ درخت کی شاخیں بھی زیادہ لمبی ہو جاتی ہیں، ان کی کانٹ چھانٹ بھی ہوتی رہتی ہے تو جتنی بدعات دین میں جمع ہوتی رہیں ان کی چھانٹ بھی ہوتی رہے، ان کی کانٹ چھانٹ بھی ہوتی رہے، ان ہمارے دینی مدارس کا ایک موضوع دنیا کے اعتبار سے خاص دین کی قیمت کی پاسبانی ہے اور اس۔ خود دین پر عمل کرنا اور لوگوں کو دین کی دعوت دینا اور اس پر چھنے والوں کے لئے دین کی قیمت کو صاف ستھرا کر کے پیش کرنا کہ اس میں کسی قسم کی کوئی کمی یا زیادتی نہ ہو، الحمد للہ! اس حفاظت کی برکت سے ہمارا دین آج بھی اسی طرح محفوظ ہے، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے اندر محفوظ تھا، آج یہ شرف حق تعالیٰ شانہ نے اس دین کو عطا فرمایا ہے اور حضرات علمائے دین جن کو ورثہ امانیہ فرمایا ہے ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ کام کیا ہے۔

بہت ہی بڑی خوش قسمتی اور سعادت ہے ان لوگوں کی جن کو اللہ تعالیٰ کی اس فوج میں شامل اور بھرتی کر لیا جائے۔

مدارس کی غرض اصلی:

اب آخری مقصد جو ہے وہ حق تعالیٰ شانہ کی رضا ہے، ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ حق تعالیٰ قلم کی روشنائی قیامت کے دن شہیدوں کے خون کے برابر نوال

جائے گی۔ ان کا مرتبہ کوئی کم نہیں ہے، شہید کا بہت بڑا مرتبہ ہے، شہیدوں کے بڑے عالی مقامات ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے اس دین کے تعلیم و تعلم، اس کے سیکھے سکھانے، اس پر چلنے اور چلانے میں زندگیوں خرچ کیں، انشاء اللہ حق تعالیٰ شانہ کے نزدیک ان کا مرتبہ بھی کچھ کم نہیں ہے، یہ درجۃ الانبیاء بھی انشاء اللہ و نبیہا کرام کے پیچھے پیچھے ہوں گے، اور یہ مرتبہ اس صورت میں حاصل ہو سکتا ہے (جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں) جبکہ خالص اللہ کی رضا مقصود ہو، نام و نمود درمیان میں نہ ہو، کوئی مادی منفعت درمیان میں نہ ہو، کوئی شہرت درمیان میں نہ ہو، بلکہ محض اور محض اللہ کی رضا کے لئے اس کام کو کیا جائے۔

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ نے "ترجمان النبی" میں شرح مواہب سے ابو نعیم کی معرقہ الصحابہ کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ "حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے از دی وفد کی گفتگو پر فرمایا:

"حُكْمُهُمْ خَلْفَتُهُمْ كَخَدَوَا مِنْ فَضْلِهِمْ لَنْ يَكُونُوا

أَنْبِيَاءَ" (ترجمان النبی: ج ۱۰، ص ۵۵۸، البدایہ والنہایہ: ج ۵، ص ۲۹)

اتوفی سادۃ السنین: ج ۹، ص ۶۳۹)

اسنے حکیم اور نقیہ لوگ ہیں کہ قریب تھا کہ اپنی فدا کی وجہ سے نبی بن جائیں۔ جیسی اس امت کے حضرات حکم اور نقیہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے مشابہ ہیں، ان کے نقش قدم پر ہیں اور یہ اتنی بڑی فضیلت ہے کہ جس کی کوئی مثال نہیں کیونکہ سب سے عالی مرتبت اور سب سے عالی منصب اس کائنات میں منصب نبوت ہے، جو حضرات ان کے سب سے زیادہ قریب ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں اتنے ہی عالی قدر ہوں گے۔

آپ سب کا مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ عالی میں قبولیت ہو جائے، یہ مقصد اخلاص سے حاصل ہوگا، پھر یہ بات بھی یاد دہانی چاہئے کہ ایک تعلیم

ہے اور ایک قریت ہے، دونوں جدا جدا چیزیں ہیں، تعلیم کے معنی تو ہیں ان علوم کو جان لینا اور ان کو سکھانا، آپ جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں مستشرقین سب سے زیادہ اسلام پر کام کر رہے ہیں، کتابیں لکھ رہے ہیں، چھاپ رہے ہیں، ان کو ایڈٹ کر رہے ہیں، بقول ہمارے مولانا ابوالحسن ندوی کے کہ مستشرقین کا کردہ وہ بدقسمت کردہ ہے جنہوں نے علوم نبوت میں ہزاروں غوطے لگائے لیکن ہمیشہ خشک دامن نکلے، شب و روز وہ حدیث پڑھتے ہیں، قرآن کریم پر تحقیق کرتے ہیں، فقہ پر تحقیق کرتے ہیں، اسلامی موضوعات پر تحقیق کرتے ہیں، اور فلک الگ، ایسی ایسی نادر کتابیں ان کے قلم سے سامنے آرہی ہیں کہ عقل حیران ہے، آج تک ہم میں سے کسی نے یہ کام نہیں کیا تھا کہ فلاں لفظ صحیح بخاری میں فلاں جگہ آیا ہے، صحیح مسلم میں فلاں جگہ آیا ہے، نسائی میں فلاں جگہ، ابوداؤد میں فلاں جگہ آیا ہے، مسند احمد میں فلاں جگہ آیا ہے، مستشرقین نے یہ بھی کر دکھایا۔ "المعجم المفہر للآفاظ المحدثہ"، آٹھ ضخیم جلدوں میں مارکیٹ میں موجود ہے۔

اسی طرح "المعجم المفہر للآفاظ القرآن"، ہے، جس میں بتلایا گیا ہے کہ یہ لفظ قرآن کریم میں کتنی جگہ آیا ہے، کن کن آیتوں میں آیا ہے۔ یہ سب کتابیں ان کی مرتب کردہ ہیں، مگر انہوں نے اس سب کے باوجود کافر کے کافر ہی رہے، اس لئے کہ انہوں نے علم برائے معلومات حاصل کیا، انہوں نے علم برائے عمل نہیں سیکھا، مسلمانوں اور مستشرقین میں فرق یہ ہے کہ مسلمان علم برائے عمل حاصل کرتا ہے اور اس کا نام تربیت ہے، اور علم کی غرض اصلی یہی تربیت ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم کے ساتھ ساتھ عمل کی بھی توفیق عطا فرمائے، حضرات! ساتھ کرام سے بھی یہی درخواست ہے کہ وہ طلبہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت پر خاصہ مہم توجہ دیا۔

در خرو مجرانا (۱) (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸) (۲۹) (۳۰) (۳۱) (۳۲) (۳۳) (۳۴) (۳۵) (۳۶) (۳۷) (۳۸) (۳۹) (۴۰) (۴۱) (۴۲) (۴۳) (۴۴) (۴۵) (۴۶) (۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰) (۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰)

اللہ کی نعمتوں کا استحضار!

بسم اللہ الرحمن الرحیم
 (الحمد لله رب العالمین) عین ص ۹۰، زکریا (رحمہم)
 حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں نقل کیا ہے کہ۔

”عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن عبدہ بن علی
 شیع جنازۃ، فلما وصفت فی لحبہا، عجز أهلها وبکوا،
 فقال: ما تفکون؟ اما والله! لو عاینوا ما غابن منہم،
 لادھنتہم مغائسہم عن منہم، وإن لہ فیہم لغزۃ ثم
 غزۃ، حتی لا یبقی منہم (أحد)، ثم قام فقال: أوصیکم
 عباد اللہ بتقوی اللہ الیدی ضرب لکم الامثال ووقت لکم
 الآجال، وجعل لکم أسما فعی ما غابا والبصار
 لتجلبو عن عشاھا، وأفتدۃ نفہم ما دھاھا، فی تریب
 ضرہا، وما أعمرھا، فإن اللہ لم یخلقکم عینا، ولم
 یضرب عنکم الذکر صفحا، بل اکرمکم بانقیم
 انسابہ، وأزفدکم بأول الرزاق، وأحاط بکم

الْأَحْصَاءُ، وَأَرْضُكُمْ لَكُمْ الْخِزَانَةُ فِي السَّيْرِ وَالضَّرَاءِ.
 فَاتَّقُوا اللَّهَ عِبَادَ اللَّهِ! وَجِدُوا فِي الطَّلَبِ، وَبَادِرُوا بِالْعَمَلِ
 مَقْطَعِ التَّهْمَاتِ، وَهَازِمِ اللَّذَاتِ، فَإِنَّ الدُّنْيَا لَا يَدْرُمُ
 نَعِيمَهَا، وَلَا تَوْعُنُ فِتْنَتُهَا، عُرُوزَ حَائِلٍ، وَشَبَحَ قَائِلٍ،
 وَبِنَادِ مَائِلٍ، يَمْضِي مُسْتَطَرِقًا، وَيُزِيدُ مُسْتَرِدًّا بِاتِّغَابِ
 شَهَوَاتِهَا وَخَلَلِ تَرَاثُمِهَا، اتَّعَفُوا عِبَادَ اللَّهِ بِالْعَبْرِ،
 وَاعْبِرُوا بِالْآيَاتِ وَالْأَلْوَرِ، وَارْذَعُوا بِالشَّدْرِ، وَانْقَضُوا
 بِالْمَوَاعِظِ، فَكَانَ قَدْ غَبَقَكُمْ مَخَالِبُ الْمَيَّةِ، وَصَمَّكُمْ
 بَيْتُ السَّرَابِ، وَذَهَبَتْكُمْ مَقْطَعَاتُ الْأُمُورِ بِنَفْخَةِ الصُّورِ،
 وَبَغْرَةُ الْقُبُورِ، وَسِبَاقَةُ الْمَحْشَرِ، وَمَوْقِفُ الْحَسَابِ
 بِاخْطَاةِ قُدْرَةِ الْحَيَارِ، كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ يَسُوقُهَا
 لِمَحْشَرِهَا، وَشَهِيدٌ يَشْهَدُ عَلَيْهَا بِغَمِيهَا، (وَأَشْرَفَ
 الْأَرْضَ بَنُو رَبِّهَا، وَوُجِعَ الْكِتَابُ، وَجِئَ بِالْبَيِّنِ
 وَالشَّهِدَاءِ، وَقُضِيَ بَيْنَهُمُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ)
 فَارْتَجَتْ لِدَالِكَ الْيَوْمِ الْبِلَادُ، وَنَادَى السَّادُ، وَكَانَ
 يَوْمُ الصَّلَاقِ، وَكُشِفَ عَنْ سَائِقِ، وَكُشِبَتِ الشَّمْسُ،
 وَخَبِرَتِ الْوُحُوشُ مَكَانَ مَوَاطِنِ الْحَشْرِ، وَنَذِبَ
 الْأَسْرَارُ، وَهَلَكَتِ الْأَسْرَارُ، وَارْتَجَبَ الْإِفْتِدَاءُ، فَخَرَّتْ
 بِأَهْلِ النَّارِ مِنْ اللَّهِ سَطْرَةٌ مُجْبِحَةٌ، وَعَقُوبَةٌ مُبِحَةٌ،
 وَتُرِزِمَتِ الْحَجِجُ لَهَا كَلْبٌ وَلَحِبٌ، وَقَصِيفٌ رَاغِدٌ،
 وَتَغِيظٌ وَوَعِيدٌ، تَأْخِجُ خَجِيمَتَهَا، وَغُلَى خَمِيمَتَهَا، وَتَوَقَّدَ
 سَمَرُهَا، فَلَا يَنْقُصُ خَالِدُهَا، وَلَا تَقْطَعُ خَسَرَاتُهَا، وَلَا

يَقْضِيَهُمْ كُنُوزَهُمْ، مِنْهُمْ مَلَائِكَةٌ يَنْشُرُونَهُمْ مِنْ زُلُمٍ مِنْ
 حَبِيمٍ، وَنُصْلِيَهُ حَبِيمٍ، عَنِ اللَّهِ مُخْجَوُونَ، وَلَا يُلَاقِيهِ
 مُفَارِقُونَ، وَإِلَى النَّارِ مُنْطَلِقُونَ، عِبَادَ اللَّهِ اتَّقُوا اللَّهَ نَفْسَ
 مَنْ تَكْنَعُ فُخِغَ، وَوَجَلَ لِرَجُلٍ، وَخَلَبَزَ فَاَنْصَرَ فَارْدَجَرَ،
 فَاحْتَلَّ حَلَبًا، وَلَحَا هَزَبًا، وَقَدَّمَ لِلْمَعَادِ، وَاسْتَظْهَرَ
 بِالْفَزَادِ، وَكَفَى بِاللَّهِ مُنْظَمًا وَنَصِيرًا، وَكَفَى بِالْكِتَابِ
 خُصْمًا وَخَبِيرًا، وَكَفَى بِالْخُبْرَةِ ثَوَابًا، وَكَفَى بِالنَّارِ زَبَالًا
 وَعُقَابًا، وَاسْتَغْفِرُ اللَّهَ لِي وَلِكُلِّكُمْ. (عليہ السلام، ص ۷۷)

ترجمہ: ”حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک
 جنازے کے ساتھ اس کو رخصت کرنے کے لئے تشریف لے
 گئے، جب میت کو اس کی لحد میں رکھ دیا تو اس کے متعلقین اٹل
 و میال چلائے اور رونے لگے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے
 ارشاد فرمایا: روتے کیوں ہو؟ اللہ کی قسم! یہ لوگ اگر دیکھ لیتے اس
 چیز کو جس کا معائنہ ان کی میت نے کر لیا ہے، تو ان کا معائنہ ان
 کو ان کی مجلس سے غافل کرویتا، ورنہ شک اس کے لئے، یعنی
 موت کے لئے ان میں نوتا ہے، یعنی بار بار ملوث ہے، یہاں تک
 کہ ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔ پھر آپؐ ٹھہرے
 لئے کھڑے ہوئے، اس میں ارشاد فرمایا: اے اللہ کے بندو! میں
 تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرنے کی، وہ اللہ جی نے
 تمہارے لئے مثالیں بیان کی ہیں، تمہارے لئے سفارہیں مقرر
 کر دی ہیں، تمہارے لئے کان رکھے ہیں، تم کو کان عطا فرمائے
 ہیں، جو سنتے ہیں ان چیزوں کو جو ان کو مشقت پیش آنے والی

ہے، اور تمہیں آنکھیں دی ہیں، تاکہ وہ اپنے پروے کو بنا کر دیکھے، اور دل دیے ہیں جو ان حوادث کو جو پیش آنے والے ہیں، سمجھیں، یہ کان، آنکھیں اور دل ایسی صورتوں میں، ایسی ترتیب میں اللہ نے رکھے ہیں، جن کی صورت اللہ تعالیٰ نے خود بنائی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے تم کو بیکار پیدا نہیں کیا، اور نصیحت کو تم سے ہٹا نہیں، بلکہ تم کو عزت دی ہے کامل نعمتوں کے ساتھ، اور تمہاری مدد فرمائی ہے، تمہاری پوری پوری حاجتوں کے ساتھ، اور جو کچھ تم کرتے ہو، تمہارا پوری طرح احاطہ فرماتا ہے، اور تمہارے لئے جزا دے کر رکھی ہے، خوشی میں بھی اور تکلیف میں بھی، مگر اللہ کے بندو اللہ سے ڈرو، تلاش کرنے میں کوشش کرو، خواہشوں کی قطع کرنے والی چیزوں اور لذتوں کے گروینے والی چیز کے آنے سے پہلے پہلے غل کی طرف سہقت کرو، اس لئے کہ دنیا ایسی چیز ہے کہ اس کی نعمتیں ہمیشہ نہیں رہیں، اور اس کے دردناک حوادث سے کبھی آدمی بے خوف نہیں ہو سکتا، یہ ایک دھوکہ ہے جو درمیان میں آگیا ہے، اور یہ ایک سایہ ہے جو بہت کمزور ہے، اور یہ ایک سہارا ہے جو جھکا چاہتا ہے، اور ٹرا چاہتا ہے، تیزی سے گزر جاتا ہے، اور آدمی کو ہلک کر کے چلی جاتی ہے، اپنے پیچھے شہوتوں کی تھکن کو چھوڑ جاتی ہے، اس لئے اللہ کے بندو! عبرتوں کے ساتھ نصیحت حاصل کرو، سیات اور آثار کے ساتھ عبرت لو، ذرا سنے والی چیزوں کو سن کر ڈر جاؤ، اور نصیحت کی ہوئی باتوں سے نفع اٹھاؤ، مجھے یوں لگ رہا ہے کہ گویا موت نے اپنے پنجے تم میں گھڑ دیے ہیں، اور مٹی کے ٹھرنے پر

کو سمیٹ لیا ہے، اور پریشن کرنے والے احوال تمہارے سامنے آگئے ہیں، صور بھونکا جا رہا ہے، قبریں اکٹری جا رہی ہیں، محشر کی طرف کشاں کشاں لے جایا جا رہا ہے، حساب کے لئے تمہیں کھڑا کیا جا رہا ہے، یہ قدرتِ چنار کا احاطہ ہے، ہر نفس اس طرح آ رہا ہے کہ ایک اس کے ساتھ بائگئے والا ہے، جو اس کو محشر کی طرف ہانک رہا ہے، اور ایک گولہ ہے جو اس پر گولائی دے رہا ہے اس کے مل کی، (زمین چمک اٹھی اپنے رب کے نور سے احوال نامے سامنے رکھ دیئے گئے، نبیوں کو الپا گیا، شہیدوں کو الپا گیا، گواہوں کو الپا گیا اور لوگوں کے درمیان انصاف کا فیصلہ کر دیا جائے گا) دورانِ پورا ظلم نہیں ہوگا، اس کی وجہ سے شہرِ کائپ گئے اور ایک منادی نے آواز دی کہ آج ملاقات کا دن ہے، پنڈلی کھول دی گئی، سورج بے نور ہو گیا، وحشی جانور تک جمع کر دیئے گئے محشر کی جگہوں میں، اور بھیج دیئے گئے خلیفہ بھیج کھل گئے، حشراتِ بلاک ہو گئے، دل کانپ اٹھے اور اہل نارِ نوبت کی جانب سے بلاک کرنے والی پکڑ اور چھین نکالنے والی سزا نازل ہوگئی، دوزخ ظاہر ہوگئی جس کی کندیاں ہیں، جس کے لئے شور ہیں اور جو اس طرح کڑکڑاتی ہے جس طرح ہارل کڑکڑایا کرتے ہیں، وہ غیلا و غضب میں ہے، امید میں ہے، اس کی آگ بھڑک رہی ہے، اس کا گرم پانی جوش مار رہا ہے، اور اس کی سموم یعنی گرم ہوا جلا رہی ہے، اس میں رہنے والوں کو سانس لینا مشکل ہوگا اور اس کی حسرتیں اور داویلا بھی ختم نہیں ہوگا، اس کے منہ کو جو کا دی گئی ہے، اس کو کوئی توڑے گا نہیں۔

ان کے ساتھ فرشتے ہوں گے جو ان کو کھوتے ہوئے پانی کی اور جہنم میں داخل ہونے کی خوشخبری دے رہے ہوں گے، یہ ٹوٹا اللہ سے محبوب ہوں گے، اولیٰ اللہ سے جدا ہوں گے، دوزخ کی طرف سے جا رہے ہوں گے، اللہ کے بندہ، اللہ سے ڈرا، اس طرح ڈرنا جہنم ہی گھر اور بہت ہی عاجز ہو گیا ہو، جو سچا پکارا اور کپتہ ہونے چل پڑا ہو، اور جو ڈر گیا اس نے دیکھا ہو ڈرنے کی وجہ سے وہ خوف ناک چیزوں سے رگ گیا ہو، پس اچھی چیز کی طلب میں تیرے بھانپ رہا ہو، اور شر سے بچنے کے لئے نجات حاصل کرنے کے لئے ڈر لگا رہا ہو، اس نے عباد کے لئے قوشہ لگے بھیج دیے اور اس قوشہ کے ذریعے سے (بھیجیوں کے قوشے کے ذریعے سے) قوت حاصل کریں، دیکھو اللہ تعالیٰ متفقہ اور ہمیشہ ہونے کے لئے کافی ہے، اور تمہارا نام عمل کرنے کے لئے اور دشمنی کرنے کے لئے بہت ہے، لذت و ثواب کے لئے کافی ہے، دوزخ، پال اور عذاب کے لئے کافی ہے، اور میں اللہ سے متفقہ کر رہا ہوں: اپنے لئے اور تمہارے لئے۔"

تمین مضمین:

یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حوالہ مذکور ہے، اور اس میں تین مضمون بیان فرمائے ہیں، ایک حشر کا، دوسرا قبر کا، اور تیسرا میدان حشر کا، حضرت امام جعفر صہباز سے ہیں حضرت امام باقر کے، اور وہ صہباز سے ہیں حضرت امام علی زین العابدین کے، اور وہ صہباز سے ہیں حضرت امام حسین کے، اور وہ حضرت علی کے صہباز سے ہیں، یہاں روایت جعفر بن محمد کی ہے، یہ امام جعفر صادق جن کی طرف

منسوب کر کے شیعہ اپنے آپ کو حضرت یہ کہلاتے ہیں، تو یہ امام جعفر کی روایت ہے اپنے والد سے، یعنی امام محمد سے، اور وہ روایت کرتے ہیں اپنے والد سے، آگے بھر سند نہیں ہے، یعنی امام علی زین العابدین تک یہ سلسلہ سند پہنچا، غالباً انہوں نے اپنے والد ماجد سے سنا ہوگا۔

اگر یہ لوگ برزخ کا مشاہدہ کر لیتے؟

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ ایک جنازہ سے میں تدفین کے لئے گئے، تو میت پر جب مٹی ڈالنے لگے تو جوان کے اہل و عیال غم سے وہ چلانے لگے، جیسے کہ جب جنازہ گھر سے نکالا جاتا ہے تو اس وقت کبرام کچ جاتا ہے، اب تک کم سے کم لاش آنکھوں کے سامنے تھی، جب مٹی ڈالنے لگے، قبر کو بند کرنے لگے تو دوش بھی غائب ہو گئی، اس وقت بھر کبرام چلا ہوگا، تو اس موقع پر حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا کہ: میاں! روتے کیوں ہو؟ چلاتے کیوں ہو؟ یہ رونا اور چلا: کیسا، ان کی میت نے یعنی ان کے مردے نے جس چیز کا مشاہدہ کیا ہے، یعنی عالم برزخ کا، اگر یہ لوگ اس چیز کا مشاہدہ کر لیتے تو پھر ان کو مردہ بھول جاتا، اپنی فکر پڑ جاتی اور وہ قصہ ویسا ہی ہو جاتا جس طرح کہ لغیفہ مشہور ہے۔

موت کا ذرہ، ایک واقعہ:

ایک خاتون کی لڑکی بیمار تھی، وہ اس کے سر ہانے تینھی دعائیں کر رہی تھی، یا اللہ! اس کو شفا دے دے، یا اس کی جگہ مجھے ہی موت آجئے، اسنے میں گھر میں کوئی کتا آیا، اس نے کئی ہنڈیا میں منہ ڈالا، منہ تو اس نے گھسایا، لیکن پھر نکلا نہیں، اسی ہنڈیا سمیت وہ بھاگ رہا تھا، وہ ادھر کو نکلا: تو اس نے سمجھ کہ یہی عزرائیل ہیں، تو اس طرح اس کو دیکھ کر وہ خاتون کہتی ہے کہ عزرائیل میاں! وہ بیمار لڑکی بوجھ پڑی ہے، یعنی میری طرف نہ آئے۔ واقعی جب آدمی کی اپنی جان پر بنتی ہے، پھر دوسرا یاد نہیں رہتا۔

قبر کا نقشہ دیکھتے تو مردہ بھول جاتے:

امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ قیامت کی ہولناکیاں اور قبر کے نقشے ان کے سامنے آجائے تو ان کو اپنا مردہ بھول جاتا، اور پھر فرماتے ہیں کہ یہ موت تو بار بار جہاد سے گھر کا پہرہ دے گی، بار بار آئے گی، یہاں تک کہ ایک آدمی کو بھی نہیں چھوڑے گی، جتنے گھر میں آدمی ہیں موت سب کو ایک ایک کر کے لے کر جائے گی۔
مثالیں اور معادیں:

یہ تو رہا ارشاد فرمایا، اس کے بعد واپس ہوئے تو حضرت امیر المؤمنینؑ نے خطبہ دیا، اور وہ بڑا طویل خطبہ ہے، فرمایا کہ: دیکھو میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرنے کی، جس اللہ نے تمہارے لئے مثالیں بیان کر دی ہیں، نیک لوگوں کی مثالیں بھی بیان کر دی ہیں، اور برے لوگوں کی بھی۔ فرعون کی بھی مثال بیان کر دی، موسیٰ علیہ السلام کی بھی مثال بیان کر دی، اشرار کی بھی، ابرار کی بھی، ہر ایک کی مثال بیان کر دی، حکاموت کرنے والوں کی بھی مثال بیان کر دی، خلیفوں کی بھی مثال بیان کر دی، باپ کے نافرمان کی بھی مثال بیان کر دی، اور فرمانبرداروں کی بھی مثال بیان کر دی، تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کے لئے اللہ نے اپنے پاک کلام میں مثالیں نہ بیان کر دی ہوں، اور اسی طرح تمہارے لئے معادیں بھی مقرر کر دی ہیں۔
ہر آدمی کا پروانہ:

ہر ایک آدمی کی قسمت کا پروانہ اور اس کے لئے ہونے والا دن، اس کی گردن میں لٹکا کر کے بھیجے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے:

”وَكُلُّ الْإِنْسَانِ لِرَبِّهِ غَافِلٌ“ (یعنی اسرائیل ۳)

ترجمہ: ”ہر ایک کی قسمت کا پروانہ ہم نے اس کی گردن میں

لگا دیا ہے۔“

اپنا سبق دہراتا ہوں:

یہ پناہ تہاری گردن میں پڑا ہوا ہے، ہمیں نظر نہ آئے اور تم نہ پڑھ سکو تو دوسری بات ہے، بھئی! میں اپنا سبق پکایا کرتا ہوں، تم کہو گے کہ وہی پرانی باتیں دہراتا ہے، جیسے حافظ جی سبق دہراتا رہتا ہے، اپنا پارہ پکانے کے لئے، میں بھی اپنی باتیں اپنے ذہن میں پختہ کرنے کے لئے دہراتا رہتا ہوں، تمہارے کام آجائے تو تم بھی اس کو استعمال کرلو، نہ کام آئے تو میرے پاس چھوڑ کر چلے جاؤ، مجھے تو اپنا سبق پکانا ہے، آپ کو نصیحت نہیں کرنی، استاد کے سامنے طالب علم آموختہ دہراتا ہے، پکاتا ہے، تو میں تو اپنا سبق ہمیں سنا رہتا ہوں تاکہ میں بھول نہ جاؤں۔

حضرت ام حبیبہؓ کی دعا:

میں نے آپ حضرات کو حدیث شریف سنائی تھی کہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دعا کر رہی تھیں:

”اَللّٰهُمَّ مَبْنِیْ بَرُوْجِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ وَبَنِیْ اَبِی سَفْیَانَ وَبَنِیْ مُعَاوِیَۃَ. فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّکِ سَالَتْ اللّٰهَ لَا یَخَالُ
مَضْرُوْبَۃٌ وَاَقَارِ مَوْطُوْبَۃٍ وَاَزْوَاقِ مَقْسُوْمَۃٍ لَا یُعْجَلُ شَیْئًا
مِنْهَا قَبْلَ جَلْبِہِ وَلَا یُوَخَّرُ مِنْهَا شَیْئًا بَعْدَ جَلْبِہِ وَلَوْ سَالَتْ اللّٰهَ
اَنْ یُّعَاقِبَکِ مِنْ عَذَابٍ فِی النَّارِ وَعَذَابٍ فِی الْقَبْرِ لَنَکَانَ
خَیْرًا لَّکِ.“ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۸)

ترجمہ:..... ”یا اللہ! مجھے میرے شوہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے، میرے والد ابوسفیان کے ذریعے سے

اور میرے بھائی معاویہؓ کے ذریعہ سے نفع دیجئے، (مطلب یہ کہ یہ زندہ رہیں، اللہ ان کی زندگی لمبی کرے، اور ان کا سایہ وراز فرمائے اور میرے سر پر قائم رکھے)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو اللہ تعالیٰ سے ایسی چیز مانگ رہی ہے، اور ان میعادوں کے بارے میں سوال کر رہی ہے جن کی قسمیں کی جاتی تھیں، اور ان رزقوں کے بارے میں مانگ رہی ہے جن کو تقسیم کر کے دیا جا چکا ہے، اور ان مہینوں کے بارے میں سوال کر رہی ہے جن کو گن شمار کر لیا گیا ہے (کہ اتنے سال ہیں فلاں صاحب کے)، اللہ تعالیٰ ان اجل اور افتاس کو نہ مؤخر کریں گے نہ مقدم کریں گے، اگر تو نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوچ لیا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ تجھے روزِ عطا سے عطا فرمائیں، اور قبر کے عذاب سے عطا فرمائیں تو یہ افضل ہوتا اور بہتر ہوتا۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ مانتے کی چیز تو یہ تھی مگر تو کچھ اور مانگ رہی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے میعادین مقرر کر دی ہیں۔

انعاماتِ الہیہ کا استحضار:

اس کے بعد فرمایا: تمہیں کان دیئے ہیں، آنکھیں دی ہیں، دل دیئے ہیں، کان دیئے ہیں تاکہ کانوں میں جرات پڑتی ہے، اس کو تم ذرا سمجھ لو۔

کان گانے سننے کے لئے ہیں؟

کیا تم سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کان اس لئے دیئے ہیں تاکہ تم گانے سنو؟ من لو، سنو، ہو تو من لو، ایک بچی نے مجھے خط لکھا کہ میں گانے کے بغیر رہ نہیں سکتی، اللہ تعالیٰ فضل فرمائے، بچپن سے ایسی عادت پڑ گئی، بس حضرت زبیرؓ دیجئے اس کو

بچپن سے ایسی عادت پڑ گئی تھی کہ سننے کی، گویا گانے سمیٹنے میں ذوق اپنے گھسے ہیں۔
 گانے سننے سے تمہاری طبیعت بد مزہ نہیں ہوتی؟ تم کو اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ
 دل میں خلعت آ رہی ہے، تم کو یگانہ نہیں سمجھو کہ ہمارے کانوں کے ذریعہ سے اندر کیا
 انداز جا رہا ہے؟

آنکھوں کی نعمت:

فرمایا اور تم کو نظریں دی ہیں، آنکھیں دی ہیں، تاکہ تم اس کے پرانے کو
 بل ڈالو اور بہت سی نظر سے آنکھوں

آنکھیں اس سے دی ہیں تاکہ تم ان آنکھوں سے کلمہ بہت کے ساتھ دیکھو،
 اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے دل عطا فرمائے ہیں تاکہ تم ان خواہش اور مسائل کو آنکھوں جو
 تمہیں پیش آنے والے ہیں

انسان اور جانور کا فرق:

تم میں اور جانور میں یہی فرق ہے کہ تم مستقبل پر نظر رکھتے ہوئے اس کا
 تحفظ کیا کرتے ہو، اور جانور بے چارہ جو سامنے کتاب نما بن گیا ہے، اس کے دل میں فکر
 نہیں، تم تدبیر اور تدبیر کیا کرتے ہو، تدبیر کے معنی ہیں انجام، سوچنا اور تدبیر کے معنی
 ہیں، انجام کے لئے کوئی کاموں میں تاکہ یہ چیز پیش آنے والی ہے، اس کا یہ انداز ہے
 کیا جائے؟ اس کو تدبیر کہتے ہیں، کسی چیز پر غور و فکر کرنا، تدبیر کہنا ہے، اپنے انجام کو
 سوچنا، تدبیر کیا جاتا ہے، اور اس انجام کی بھلائی کے اسباب دیکھنا، تدبیر کرنے کی فکر کرنا، تدبیر
 کہلاتا ہے، انسان عقل تعالیٰ نے اسے تدبیر بھی دیا ہے، تدبیر بھی دی ہے، حیوانات
 کو یہ چیز نہیں دی، اور یہ تدبیر اور تدبیر دلوں کا کام ہے، اور یہ واضح اس کی نشانی دی

حکماً کی غلط فہمی:

حکماً ہے چہ رے یہاں ٹھوکریں کھاتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ غور و فکر کا مرکز انسان کا دماغ ہے، وہ بھی ٹھیک کہتے ہوں گے، لیکن مرکز یہ نہیں ہے، ہاں البتہ یہ سوچنے کی مرکزی مشین ہے، تو مگر دماغ کے ذریعہ سے اس سوچنے کی مشین کا منہ دنیا جاتا ہے، اگر دل میں تقویٰ ہو تو دماغ تقویٰ کی بات سوچے گا، اور اگر دل میں خبیثت اور خباثت ہو تو قلب میں لوگوں کی بددعاؤں کی تدبیریں کر دے گا، اور اگر دل میں خبیثت نہ ہو تو نیکی اور پارسائی ہو تو دماغ اس کا بندوبست سوچے گا، اور دل میں خدا کا خوف نہ ہو تو پھر دماغ اس کے مطابق تدبیریں کرے گا، تو حکم تو یہ ہے کہ دل کا، یا بات اور ناپا بات تو دل کا کام ہے، نیکی اور بدی دل کا کام ہے، اسی صراحہ خبیثت یا صیانت پر قلب کی نعت ہے، دماغ تو اس کی مشین ہے، جس طرف دل کہے گا اسی صراحہ کرے گا، جو کہ کہے گا ماتحت اس کی تعمیل کریں گے۔

دل کی نعمت:

تو ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو دل بخشے ہیں تاکہ تم اندہ جو حوادث پیش آنے والے ہیں ان کی فکر کرو، اس لئے تم لوگ یوں نہ سمجھو کہ اللہ نے تمہیں پیدا کر کے مہمل چھوڑ دیا ہے، تم سے کوئی حساب و کتاب نہیں لے گا، اور یہ بھی نہ سمجھو کہ چونکہ تم نے کانوں میں فالت دے لئے ہیں، آنکھیں بند کر لی ہیں، اذان کو اللہ کی نصیحت سے چھیر لیا ہے، تو اللہ تعالیٰ بھی تم سے نصیحت پھر لیں گے، انہیں اللہ تعالیٰ اپنی عنایت اور نصیحت کرنے کا اپنا فضل و کرم ہی طرف متوجہ نہ کریں گے، تم سنو تب بھی، نہ سنو تب بھی، تم عبرت حاصل کرو تب بھی اور عبرت کی آنکھیں بند کر لو تب بھی اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے نصیحت کرتے رہیں گے۔

احساناتِ الہی اور اعمال کی جزا و سزا:

بہر کیف! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کتنی نعمتیں تم کو عطا فرمائی ہیں، اور پھوٹی بڑی تمام حاجتیں تم کو دیں، تمہاری زندگی کے لئے تم کو جو سامان چاہئے وہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا، اب تم بھی تو کچھ کرو گے! کتنی نعمتیں تم نے اڑا کیں وہ اللہ کے علم میں ہیں، اللہ تعالیٰ نے جو احسانات تمہارے ساتھ کئے وہ اللہ کے علم میں ہیں، اور تم جو اس کے مقابلے میں اچھے اور برے اعمال بجالاتے ہو وہ بھی اللہ کے علم میں ہیں، اور یہ بات خوب یاد رکھو کہ نیک اعمال ہوں یا برے اعمال ہوں، وہ تم نے خوشی میں کئے ہوں یا تنگی میں کئے ہوں، محنت میں کئے ہوں یا بیماری میں کئے ہوں، بہر حال ان اعمال کی اور ان اعمال کے مناسب جزا و سزا ہے وہ دیں گے۔ اللہ کے ہندو! تلاش میں محنت کرو اور دینے میں جو تمام خواہشات کے گھر وندے کو پھینکا چور کر دیتی ہے اور جو تمام لذتوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتی ہے، یعنی موت، اس کے آنے سے پہلے پہلے محنت کرو، ورنہ ہارنی بار جاؤ گے۔

لہو و لعل:

آج کل تو پوری قوم لگی ہوئی ہے کھیل کے میدان کو دیکھنے کے لئے، مجھے ایک تو جردن نے لکھا کہ لی وی دیکھنا گناہ ہے یہ تو فحش ہے چونکہ میں کھیل دیکھنے کا شوقین ہوں، کھیل کا بہت شوق ہے، تو میں کبھی کبھی لی وی پر چڑھ کر دیکھ لیتا ہوں، ماشاء اللہ! فلاں، فلاں کے مقابلے میں بارگیا، فلاں، فلاں کے مقابلے میں جیت گیا، اتنی بات ہوتی ہے اور کیا ہوتا ہے؟ اس سے زیادہ بھی کچھ ہے؟ وہی دسمبر میں جیت گئے تھے تو پھوڑے نہیں ساتے تھے کہ پاکستان جیت گیا، کیا بات ہے اور ابھی ہار رہے ہیں تو جوتے پڑ رہے ہیں، کیا بات ہے، بس اسی پر بس کر گئے، اس بار اور جیت کو تم نے ہار اور جیت سمجھ لیا، ہار اور جیت کا میدان تو آگے آئے ولا ہے، میرا بھائی! ہار اور

جیت کا میدان آگے آنے والا ہے، قرآن کریم نے جس کو: ”يَوْمَ الْمُتَعَانِينَ“ فرمایا ہے
 دراصل ہار جیت کا دن اور ہار جیت کا میدان تو میدانِ محشر ہے تو محنت کرو، کوشش
 کرو، ابھی تم میں صحت ہے، قوت ہے موت کے آنے سے پہلے پیسے اعمال کرو، اس
 لئے کہ جس دنیا میں تمہارا دل اٹک گیا ہے، اس کی نعمت دائم نہیں رہتی، اور کیا معلوم
 یہاں کون سا حادثہ کس وقت پیش آجائے؟ اس بارے میں کوئی اطمینان نہیں ہے۔

دھوکے کا پردہ:

ایک دھوکے کا پردہ ہے جو تمہارے درمیان میں لٹکا دیا ہے، ایک بہت کمزور
 ماسایہ ہے جو ڈھنسا چاہتا ہے، سامنے کوئی بہت ہی گہری داری ہو، جیسے کوئی سامنے
 کھائی ہو، کھڑا ہو بہت گہرا، اور درمیان میں پردہ لٹکا دیا گیا اور تم جھول رہے ہو اس
 پردے کے ساتھ، دان ہو، تمہیں معلوم نہیں ہے کہ آگے کیا ہے؟ اس کو فرما رہے ہیں
 اور یہ سامنے میں بیٹھے ہو قورام سے، اور سایہ بھی بے چارہ بڑا کمزور، بعض درست
 ہوتے ہیں ان کا سایہ بہت گھٹا ہوتا ہے اور بعض ہوتے ہیں جن کا سایہ اتنا گھٹا نہیں
 ہوتا لیکن خیر پھر بھی غیبت ہے، لیکن دو سایہ دخل دے گا، پھر دو سکہ بھیکے میں گزر
 جاتا ہے، اور اپنے پیچھے بہت سی ہلاکتیں چھوڑ جاتا ہے، یہی تو فرمانی کہ یہ تو دنیا
 کا نقشہ ہے، لہذا یہاں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی آیات و حالات سے مہربت بکراؤ اور
 اللہ تعالیٰ نے یہاں جو عبرت کے نمونے رکھ دیئے ہیں ان کو دیکھ کر ہار آ جاؤ۔

موت کے بعد کا نقشہ:

اس کے بعد پھر نقشہ بیان فرمایا ہے۔ آگے نہیں معلوم ہے کہ تمہیں آگے کیا
 پیش آنے والا ہے؟ قبر کے اندر تو جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ آنے والا ہے لیکن
 قبروں کے بعد صور پھونک دیا جائے گا، قبریں اکھاڑ دی جائیں گی، محشر کی طرف سب
 لوگوں کو ہم تک ہانک کر لے جایا جائے گا اور حساب کے گنہگاروں کو کٹرا کر لیا

جائے گا، حساب لینے والا وہ ہوگا جس کے علم سے کوئی چیز غائب نہیں ہوگی۔

طویل سفر کا توشہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا کہ: "يَا اَبَا ذَرٍّ! خُذِ الزَّادَ فَإِنَّ السَّفَرَ طَوِيلٌ"۔ یعنی اے ابوذر! توشہ ساتھ لے کر جانا سفر بڑا لمبا ہے۔ صبح کھاتے ہو شام کی فکر کرتے ہو اور وہ جو قبر میں پڑے ہوئے ہیں ان کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ سب یہ قیامت تک تو وہیں رہیں گے اور قیامت کے بعد اٹھائے جائیں گے، جب فسخہ ثانیہ ہوگا، وہ پچاس ہزار سال کا دن ہوگا، اس کے لئے بھی کچھ سامان کی ضرورت ہے کہ نہیں؟ توشہ لے کر جانا سفر بڑا لمبا ہے، "وَنُخَفِّفُ الْخَمْلَ، فَإِنَّ الْعُقْبَةَ تَكُونُ"۔ اپنا بوجھ ذرا ہلکا رکھنا، اس لئے کہ گھٹائی بڑی دشوار ہے، اس پر چڑھنا بڑا مشکل ہے۔

کھرا عمل:

"وَإِذَا خَلَصَ الْمَنْفَعِلُ فَإِنَّ الشَّاقِدَ بَصِيرٌ" اور اپنا عمل ذرا کھرا لے کر جانا، عمل تمہاری پہنچی ہے، سکہ کھون نہیں ہوتا چاہئے کھرا ہونا چاہئے اس لئے کہ پرکھنے والا بڑا باریک بین ہے، رات کی تاریکی میں کھوٹا سکہ تو چلا سکتے ہو، یعنی نوٹ چلا سکتے ہو، لیکن جو اس سے واقف ہے جس کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا اس کے سامنے نہ کھوٹا سکہ چلا سکتے ہو نہ جعلی نوٹ چلا سکتے ہو۔

بارگاہِ الہی کی پیشی:

اسی کو فرما رہے ہیں کہ پھر تمہیں حساب و سب کے لئے کھڑا کیا جائے گا، اور تم اس شان سے لائے جاؤ گے کہ "وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ" (ق: ۲۳) اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا ہوگا جو تیرے کے ساتھ بانکہ دیا ہوگا، جیسے گائے بھینسوں کو ہانکا جاتا ہے۔

عدالت الہی کے گواہ:

ساتھ ایک گواہی دینے والا ہوگا یہ دونوں گواہی دیں گے، ایک ہاتھ والے گواہ، ایک دوسرا گواہ۔ اور حضراتِ علما فرماتے ہیں کہ یہ دو گواہ دائیں اور بائیں والے ہیں جن کو کرنا کاتین کہتے ہیں، تمہارے ہمارے اہلِ کاتب کہے گا: ”هَذَا مَا لَدُنِّي غَيْبٌ“ (ق: ۲۳) یہ اس کا دفتر ہے جو میرے پاس تیار رکھا ہے، انکار کرے گا تو گواہی دیں گے، جب اس پر بھی انکار کرے گا، کہے گا کہ جھوٹ بولتے ہیں، خط بولتے ہیں، میں نے یہ کام نہیں کیا۔

چنانچہ مکتوبہ شریف میں ہے کہ:

”عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَضْحَكُ، فَقَالَ: هَلْ تَذَرُونَ مِنَّا أَضْحَكُ؟ قَالُوا: قُلْنَا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ! قَالَ: مِنْ مَخَاطِبَةِ الْغَيْبِ وَهُوَ يَقُولُ: يَا رَبِّ! أَلَمْ تَجْعَلْنِي مِنَ الظُّلَمِ؟ قَالَ: يَقُولُ: بَلَى! قَالَ: فَيَقُولُ: قَاتِنِي لَا أُجِيزُ عَلَى نَفْسِي إِلَّا مُضَاهِدًا بَيْنِي..... الْمَخ.“ (مکتوبہ ص: ۳۸۵)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں بیٹھے تھے، آپ مسکرائے اور فرمایا تم کیوں نہیں پوچھتے کہ میں کیوں مسکرایا؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ارشاد فرمائیے! فرمایا: بندہ قیامت کے دن کہے گا کہ یا اللہ! کیا یہ بات نہیں ہے کہ آپ نے مجھ کو ظلم سے امن دیا ہے، یعنی تجھ پر ظلم نہیں ہوگا، (بالکل بے پرواہ رہو، اگر تم کسی چیز سے غم رہنا چاہتے ہو تو پھر

صرف ایک غر ہونے کی چیز ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ بالکل بے خوف ہو جاؤ۔ مطمئن ہو جاؤ، یہ یہاں کی پولیس نہیں ہے کہ بھائی کو پکڑ لے، پنا جرم کرے اور باپ کو پکڑ لیں، یا دوسرے بھائی کو پکڑ لے، پنا جرم کرے تو باپ کو پکڑ لے، باپ کرے تو بیٹے کو پکڑ لے جائے، شوہر کرے تو بیوی کو پریشان کیا جائے، یہ رذالت اور کمینگی کی حد ہے کہ جس مجرم نے جرم کیا ہے اسے کو پھونکا کر اس کے ہاں بچوں کو، دوسرے اہل و عیال اور متعلقین کو پہنچان کیا جائے کہ تانا کہاں ہیں؟ (اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ بالکل ٹھیک ہے، میرا وعدہ ہے کہ تجھ پر ظلم نہیں ہوگا، تو وہ کہے گا کہ اگر آپ کا وعدہ ہے کہ ظلم نہیں ہوگا تو میں ان میں سے کسی کی گواہی کو تسلیم نہیں کرتا۔)

انسانی اعضاء کی گواہی:

کون کی؟ فرشتوں کی گواہی تو میں تسلیم نہیں کرتا۔ اسے یہ سمجھ کا کہ شاید اس سے میری جان چھوٹ جائے گی، فرمایا: بہت خوب: بالکل ٹھیک ہے، وہ جو سورہ یسین میں فرمایا:

”الْيَوْمَ نَخْتُمُ عَلَىٰ قُورَٰئِهِمْ وَنُغَيِّمُ الْأَبْصَارَ
وَنُشْهِدُ أَرْبَابَهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ“ (یسین: ۱۵)

جسے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے بالکل ٹھیک ہے، دہشت پر میرا لگا رہا جائے گا، ہاتھ گواہی دیں گے کہ ہم نے یہ یہ کیا تھا، اور پاؤں گواہی دیں گے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اب تو ٹھیک ہے، اب تو کوئی اور گواہی نہیں دے رہا، اب تو تم خود ہی اپنے دہشت پر گواہی دے رہے ہو، کسی کی شہادت ہم تمہارے حق میں قبول نہیں کرتے، لیکن تم

اسے ہاتھ اور پاؤں کی شہادت تو تم مانو گے کہ نہیں؟ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا:

"وَقَالُوا لِيُخْلُو بِهِمْ لِيَمْ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا، فَاَلَا اَنْتُمْ كَاٰفِرُونَ"

(اللہ الذی اَنْطَلَقَ كُلُّ شَيْءٍ بِہٖ۔) (حم سجدہ ۲۱)

ترجمہ: "وہ اپنی کھ لوں سے کہیں گے کہ تم میرے

خلاف کیوں گواہی دیتی ہو؟ وہ کہیں گے کہ ہمیں بلوایا ہے اس

نے جس نے ہر چیز کو بلوایا ہے، جس نے ہر چیز کو گویا کیا، سچا

فرمائی ہے۔"

جو زبان کو بلو سکتا ہے وہ ہاتھ کو بھی بلو سکتا ہے، وہ چیز کو بھی بلو سکتا ہے،

جب تمہارے وہ اعضا جنہوں نے جرم کا ارتکاب کیا وہ بول سے بتائیں گے پھر کیا

رہے گا؟ اب کچھ پردہ ڈھکا ہوا تھا، مگر جب اس بندہ نے جو کچھ کیا اور کرنا کا حین

نے نکھا کہ اس نے زنا کیا ہے، یہ تو اس نے مانا نہیں، اب اگر اس کی شرمگاہ بول کر

بتائے پھر تو کچھ شرم آئے گی، اس کی آنکھیں یہ بول کر بتائیں کہ میرے ساتھ اس

نے یہ کیا، اگر کرنا کا حین کی گوی کو نہیں مانو گے، یہ اللہ تعالیٰ کے معصوم فرشتے جو

تمہارے نامہ عمل لکھنے پر مقرر ہیں، اور وہ دیوان اور دفتر تمہارا پھیل دیا جائے گا، اس کو

نہیں مانو گے تو پھر اپنی گواہی تو مانو گے۔

میدان حشر کا نقشہ:

حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان حشر کا نقشہ کھینچتے

ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

"مَا بَيْنَكُمْ مِنْ رَجُلٍ اِلَّا سَبَّحْتُمُوهُ رَبُّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

وَلَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ فَوْجَانِ، ثُمَّ يَنْظُرُ اَيُّهُمْ مِنْهُ فَلَا يَرٰى

شَيْئًا اِلَّا شَيْئًا قَدَمًا، ثُمَّ يَنْظُرُ اَشْأَامَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى شَيْئًا اِلَّا

فَیْقًا فَذَمُّهُ، ثُمَّ یَنْظُرُ بِلِقَاءِ وَجْهِهِ فَتَسْقِلُهُ النَّارُ. قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ اسْتَغْنَى مِنْكُمْ عَنْ
بِقَعَى وَجْهِهِ النَّارِ وَلَوْ بِشِقِی تَمْرَةٍ فَلَفِیْعَلْ "

(ترمذی ج ۲ ص ۹۳)

ترجمہ: "بندہ قیامت کے دن اپنے رب سے کلام
کرے گا، بندہ اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان نہیں
ہوگا، وہ بندہ دائیں جانب دیکھے گا تو اس کے عمل پھیلے ہوئے
ہوں گے، بائیں جانب دیکھے گا تو اس کے اعمال پھیلے ہوئے
ہوں گے، آگے کو دیکھے گا تو آگ سے سناٹے ہوگی، (گویا چاروں
طرف دیکھے گا، پیچھے تو دیکھ نہیں سکتا، اور ہر طرف اس کے دوسرے
پھیلے ہوئے ہوں گے، کوئی ایک آدمی درخت نمودار ہی ہے، مرنے
پوری زندگی میں کرانا کا تہن کے کتنے کاغذ سیاہ کر دے، یہ
نقشہ بیان کرے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص
اپنے آپ کو آگ سے بچانے کی استطاعت رکھتا ہے، چاہے
سمجھور کی ہی ایک پھاٹک ہی دیٹی پڑے تو دوبارہ نہ کرے، (آدھا
حصہ سمجھور کا اس کو بھی معمولی چیز نہ سمجھو، یہ بھی درخت سے پوسنے
والی چیز ہے)۔"

فرشتہ کہ یہ تمہارے اعمال کا نقشہ ہے، تو اور کیا کہیں آگے پورے کو اٹک کر
فرمائے، سورج بے نور ہو جائے گا، چوپائے تک منع کر دیئے جائیں گے۔ دل سے بھی
کھل کر سامنے آجائیں گے، دل کا ٹپ رہے ہوں گے، چہرے لوہے ہوں گے، ہمیں
چھینے کی جگہ نہیں، کہیں ہناہ کی جگہ نہیں، کوئی سایہ نہیں، کوئی چنے کو پتی نہیں، یہ میدان
محشر ہے، اگر یہ ساری چیزیں برحق ہیں، تو تم کس غفلت میں بھوکے ہوئے ہو اور

تمہیں یہاں کی زندگی نے کیوں فریب دے رکھا ہے، کیوں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔
دوزخ کا نقشہ:

پھر اللہ تعالیٰ فضل فرمائے، اللہ تعالیٰ بچائے دوزخ سے، دوزخ میں کنڈیاں
ہیں جن میں آدمی پھنس جائے تو نکل نہ سکے، جیسے کاغذ ڈال جاتا ہے وہ وہاں میں ٹھنڈیوں کو
پھانسنے کے لئے، پھیلیاں اس کاغذ کو نکل تو لیتی ہیں، پھر اگل نہیں نکلتیں، اس کے لئے
کنڈیاں ہوں گی اور شور مچا رہی ہوں گی، چلا رہی ہوں گی، دھماکیں مار رہی ہوں گی،
اتنا شور کہ اس شور سے آدمی کے ہوش اڑ جائیں گے اور ایسی کڑک جیسے بجلی کی کڑک
ہوتی ہے، ایسی لہت کہ آدمی کو جھلسا دے گی، یہ جہنم میں داخل ہونے سے پہلے کا نقشہ
ہے، خدا محفوظ فرمائے، اللہ تعالیٰ بچائے، ایک لمحہ کے لئے بھی دوزخ میں اللہ پاک نہ
بیٹھے، بہرینہ غفلت کی زندگی نہ گزارو، اچھی آخرت کی تیاری کرو، یہ موت کے
بعد قبر کی زندگی، قبر سے بعد پھر حشر اور اس کے بعد دوزخ، یہ ہوتا کیاں اور قند
سامانیوں سے بچنے کے لئے اللہ سے ڈرو اور نیک اعمال کا ذخیرہ تیار کرو، اللہ تعالیٰ
توفیق عطا فرمائے۔

وَأَمْرٌ مِّنْ عِندِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

